(صرف احمدی احباب کی تعلیم و تربیت کے لئے)

سیرت و سوانح

چوہدری ظہور احمد باجوہ

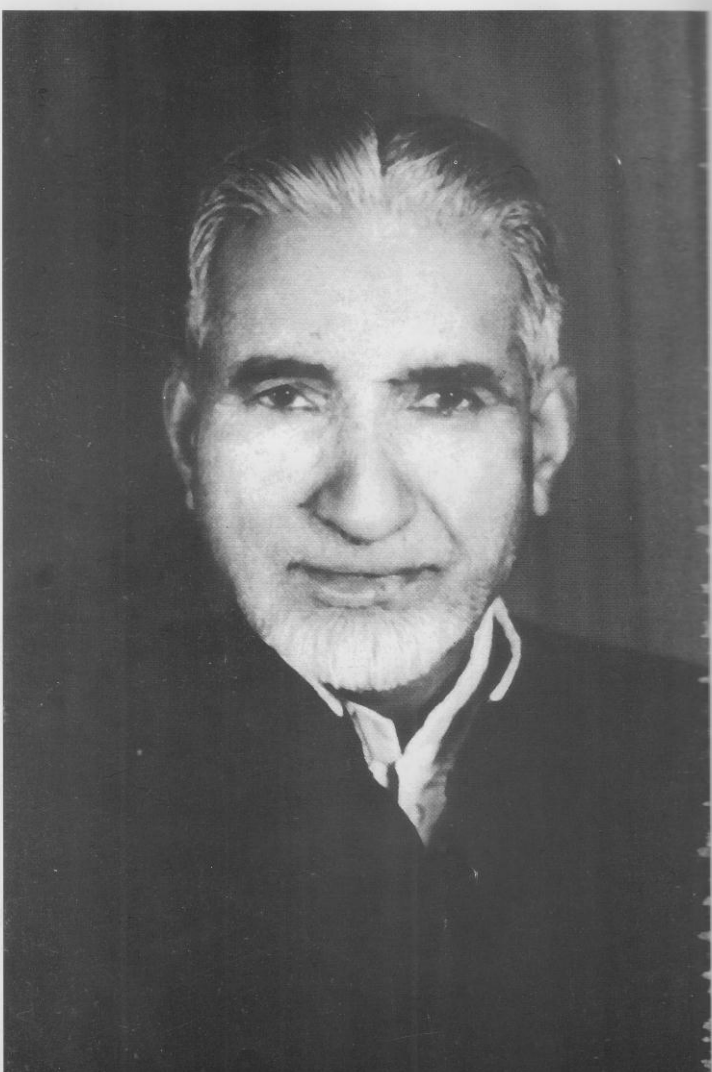
حنیف احمد محمود

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

Zaheer Ahmad Bajwa

Metro Area Washington DC

U.S.A



باعث تالیف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اُذْکُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاکُمْ (ترمذی کتاب الجنائز) اور لَا اذْکُرُوْا مَوْتَاکُمْ اِلَّا بِالْخَیْرِ (مصنف ابن ابی شیبۃ کتاب الجنائز) کے تحت ہر مومن کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے عزیزوں بالخصوص ایسے بزرگوں کے جو غیر معمولی اوصاف کے حامل ہوں اور اپنے علم و فضل کے گہرے نقوش خاندان اور معاشرے پر چھوڑ چکے ہوں اخلاق، اوصاف اور شمائل کا ذکر خیر خاندان کے اندر اور باہر زبانی بھی کرے اور تحریراً بھی اُن کی زندگی کے کارہائے نمایاں کو اُجاگر کرے تا آنے والی نسلوں کے لئے وہ بزرگ مشعل راہ بن سکیں اور افراد خاندان کو علم ہو کہ ہمارے خاندان میں کون کون سے بزرگ گزرے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی تقلید میں ہمارے لئے بعض راہیں متعین کر گئے اور جو ہمارے خاندان کی پہچان ہیں۔ اس کی توثیق خود ہمارے پیارے رسول اکرم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد سے ہوتی ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں۔

مَنْ وَرَّخَ مُؤْمِنًا فَکَاَنَّمَا اَحْیَاہُ وَمَنْ قَرَئَ تَارِیْخَہٗ فَکَاَنَّمَا زَارَہٗ

(الاعلان بالتوبیخ ص 28 تالیف حضرت الحافظ المورخ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن سخاوی مطبوعہ بیروت)

کہ جس شخص نے ایک مومن کی تاریخ لکھی گویا اسے زندہ کر دیا اور جس نے یہ تاریخ پڑھی گویا اسے اس مومن کی زیارت نصیب ہوئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس مضمون کو ایک جگہ یوں بیان فرمایا ہے۔

”خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو ضائع نہیں کرتا اور اُن کو دوسرے کے آگے ہاتھ پسارنے سے محفوظ رکھتا ہے۔ بھلا اتنے جو انبیاء ہوئے ہیں، اولیاء گزرے ہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ بھیک مانگا کرتے تھے؟ یا اُن کی اولاد پر یہ مصیبت پڑی ہو کہ وہ دربدر خاک بسر ٹکڑے کے واسطے پھرتے ہوں؟ ہرگز نہیں۔ میرا تو اعتقاد ہے کہ ایک آدمی باخدا اور سچا متقی ہو تو اس کی سات پشت تک بھی خدا رحمت اور برکت کا ہاتھ رکھتا اور اُن کی خود حفاظت فرماتا ہے“ (ملفوظات جلد 3 ص 182)

بعدازاں خلفائے احمدیت نے مختلف مواقع پر اپنے بزرگوں کے حالات زندگی جمع کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے تو صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حالات زندگی مدون کرنے کی تحریک فرمائی۔ مگر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ اور ہمارے موجودہ پیارے امام حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے ہر فرد کو اپنے خاندان کے پاک اور نیک نمونہ والے بزرگوں کے حالات اکٹھے کرنے کی تلقین فرمائی تا آئندہ نسلیں ان کے واقعات اور فرمودات کو حرز جاں بنا سکیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

''میں نے اس سے پہلے اپنے افریقہ کے دورے میں ایک ہدایت دی تھی معلوم نہیں کس حد تک اُس پر عمل ہوا کہ یہ ایک ایسا اچھا خلق ہے اپنے بزرگوں کی نیکیوں کو یاد رکھنا اور اُن کے احسانات کو یاد رکھ کر اُن کے لئے دُعائیں کرنا۔ اس خلق کو ہمیں صرف اجتماعی طور پر نہیں بلکہ ہر گھر میں رائج کرنا چاہئے...... **ہر خاندان کو اپنے بزرگوں کی تاریخ اکٹھا کرنے کی طرف متوجہ ہونا چاہئے** اور اُس تاریخ کو اُن کی بڑائی کے لئے شائع کرنے کی خاطر نہیں بلکہ اپنے آپ کو بڑائی عطا کرنے کے لئے۔ اُن کی مثالوں کو زندہ کرنے کے لئے، اُن کے واقعات کو محفوظ کریں اور پھر اپنی نسلوں کو بتایا کریں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو تمہارے آباؤاجداد تھے۔ کن حالات میں کس طرح وہ لوگ خدمت دین کیا کرتے تھے، کس طرح وہ چلا کرتے تھے، کس طرح بیٹھا کرتے تھے، اوڑھنا بچھونا کیا تھا، اُن کے انداز کیا تھے؟...... کاش سارے خاندان دنیا کے اسی طرح اپنے بزرگوں کو یاد رکھیں اور اپنے بزرگوں کے تذکرے اپنے خاندان میں اپنے بچوں سے کیا کریں۔ بعض اُن میں سے ایسے بھی ہوں گے جن کو یہ استطاعت ہوگی کہ وہ ان واقعات کو چھپوا دیں کتابی صورت میں لیکن ان کو میں ایک بات کی تنبیہہ کرنا چاہتا ہوں کہ بسا اوقات ایسے واقعات اکٹھے کرنے والے احتیاط سے کام نہیں لیتے۔ بعض ایسی روایات بیان کر دیتے ہیں اپنی یادداشت کی غلطی کی وجہ سے جو بعض دوسری روایات سے ٹکرا جاتی ہیں۔ بعض ایسی باتیں بیان کر دیتے ہیں جو کم عمری کی وجہ سے ناسمجھی کے نتیجے میں وہ صحیح پہچان نہیں سکے...... ان بزرگوں کے حالات اس نیت سے چھپوانے ہوں کہ باقی

بھی استفادہ کریں تو ان کا اخلاقی اور جماعتی فرض ہے کہ وہ نظام جماعت سے پہلے اس کی اجازت لیں اور علماء ان کتب کو پڑھ کر اچھی طرح اس بات کا جائزہ لے لیں کہ کوئی ایسی بات نہیں جو کسی پہلو سے بھی جماعت کے لئے مضر ہو یا غلط دعوے کئے گئے ہوں یا ضرورت سے بڑھ کر فاخرانہ انداز اختیار کیا گیا ہو جبکہ بڑائیوں کے بیان میں عاجزانہ طریق اختیار کرنا چاہئے۔تو کئی قسم کے خطرات لاحق ہوتے ہیں ایسی باتوں میں۔اس لئے ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ یہ کام کریں اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ اگر اس نسل میں ایسے ذکر زندہ ہو گئے اللہ تعالیٰ آپ کے ذکر کو بھی بلند کرے گا اور آپ یاد رکھیں کہ اگلی نسلیں اسی طرح پیار اور محبت سے اپنے سر آپ کے احسان کے سامنے جھکاتے ہوئے آپ کا مقدس ذکر کیا کریں گی اور آپ کی نیکیوں کو ہمیشہ زندہ رکھیں گی'‘

(خطبات طاہر جلد 8 ص 176-178)

پھر آپؒ نے فرمایا۔

’’گزشتہ چند سالوں میں میں نے جماعتوں کو بار بار نصیحت کی کہ وہ سارے خاندان جن کے آباء واجداد میں صحابہ یا بزرگ تابعین تھے ان کو چاہئے کہ اپنے خاندان کا ذکر خیر اپنی آئندہ نسلوں میں جاری کریں......سب سے زیادہ زور اس بات پر ہونا چاہئے کہ آنے والی نسلوں کو اپنے بزرگ آباء واجداد کے اعلیٰ کردار اور اعلیٰ اخلاق کا علم ہو، ان کی قربانیوں کا علم ہو‘‘

(خطبہ جمعہ فرمودہ 30 اپریل 1993ء)

پھر ہمبرگ جرمنی میں واقفین نو بچوں کی کلاس میں فرمایا۔

’’اپنے اپنے خاندانوں کی تاریخ زندہ رکھیں اور اپنے خاندانوں کی تاریخ، احمدیت سے شروع کریں۔ وہ کب احمدی ہوئے۔ پھر انہوں نے کیا کیا قربانیوں کیں، کیا کیا تکلیفیں اٹھائیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر کیا فضل فرمائے۔ یہ ساری سچی کہانیاں ہیں اور بڑی دلچسپ اور دردناک بھی ہیں۔ یہ ساری باتیں یاد رکھو گے تو زندہ رہو گے ورنہ مٹی میں مل جاؤ گے اگلی نسلوں کو پتہ ہی کوئی نہیں ہوگا کہ کن کی نسلیں ہیں۔ کہاں کہاں سے آئے ہیں ان کی کیا نیک روایات ہیں‘‘

(الفضل انٹرنیشنل 7 جون 1996ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ فرمودہ 17 اکتوبر 2003ء میں فرمایا کہ

’’حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی اس پیاری جماعت میں ایسے ہزاروں لاکھوں نمونے بکھرے پڑے ہیں .... جنہوں نے اپنے اخلاص اور قربانیوں کے بڑے اعلیٰ معیار قائم کئے ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں جن کے وفا، اخلاص، تعلق، محبت، اطاعت کے واقعات سامنے نہیں آئے۔ یہ لوگ خاموشی سے آئے اور محبت و تعلق، وفا اور اطاعت کی مثالیں رقم کرتے ہوئے خاموشی سے چلے گئے۔ ایسے مخلصین کی اولادوں کو چاہئے کہ اپنے ایسے بزرگوں کے واقعات قلمبند کریں اور جماعت کے پاس محفوظ کروائیں اور اپنے خاندانوں میں بھی ان روایتوں کو جاری کریں اور اپنی نسلوں کو بھی بتاتے رہیں کہ ہمارے بزرگوں نے یہ مثالیں قائم کی ہیں اور ان کو ہم نے جاری رکھنا ہے۔ جہاں ہم ان بزرگوں پر رشک کرتے ہیں کہ کس طرح وہ قربانیاں کرکے امام الزمان کی دعاؤں کے وارث ہوئے وہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ آج بھی ان دعاؤں کو سمیٹنے کے مواقع موجود ہیں۔ آئیں اور ان وفاؤں، اخلاص، اطاعت، تعلق اور محبت کی مثالیں قائم کرتے چلے جائیں اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وراث بنتے چلے جائیں۔ یاد رکھیں جب تک یہ مثالیں قائم ہوتی رہیں گی زمینی مخالفتیں ہمارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتیں۔‘‘

(خطبات مسرور جلد اول صفحہ 412-413)

پھر اسی طرح کے بزرگوں میں سے ایک بزرگ حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب کے ذکر میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ کیا پیارا ماحول تھا ان بزرگوں کی وجہ سے ربوہ کا پُرسکون ماحول تھا۔ آپ فرماتے ہیں۔

’’جب بھی پُرانے بزرگوں کے بارہ میں انسان سوچنا شروع کرتا ہے تو خاص طور پر ربوہ کے ان ایام کے بارہ میں جب ربوہ کا خالصتاً اپنا ماحول تھا۔ کسی غیر کی بلاوجہ ہمارے معاملات میں دخل اندازی نہ تھی۔ سوائے ٹاؤن کمیٹی کے دفاتر کے یا سرگودھا روڈ پر پولیس چوکی کے۔ اہل ربوہ کا

پولیس چوکی سے تو کم ہی واسطہ پڑتا تھا۔ البتہ ٹاؤن کمیٹی سے واسطہ رہتا تھا۔ اور اس کا انتظام بھی جماعت کے بزرگوں کے ہاتھوں میں تھا۔ اس لئے اہل ربوہ کو دنیاداری کی باتوں کا کم ہی علم تھا جس کی وجہ سے ربوہ میں ایک پُرسکون ماحول تھا۔''

(حیات خالدص 7)

برادرم مکرم ظہیر احمد باجوہ صاحب (واقف زندگی) نائب امیر جماعت احمدیہ امریکہ نے انہی امور کی تعمیل کا ارادہ کیا کیونکہ گوان کے خاندان میں احمدیت آپ کے دادا کی وجہ سے آ چکی تھی مگر اس خاندان کی جماعت احمدیہ میں پہچان ان کے والد محترم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب بنے جن کو نصف صدی سے زائد مختلف اہم عہدوں پر جماعت احمدیہ کی خدمت کی توفیق ملی اور خوب نام کمایا اور جماعت کی نیک نامی کا موجب بنے۔

مکرم ظہیر احمد باجوہ صاحب نے قریباً ایک سال قبل اپنی اس خواہش کا اظہار مکرم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب ناظر دیوان سے کیا۔ آپ کی نظر انتخاب خاکسار پر پڑی اور آپ نے خاکسار سے فون پر رابطہ کر کے کتاب لکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی۔ خاکسار نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کہ ''جس نے ایک مومن کی تاریخ لکھی گویا اسے زندہ کر دیا'' اور خلفاء عظام کے ارشادات کی تکمیل کے لیے فوراً اس کام کا بیڑا اُٹھایا اور یہ نیت بھی تھی کہ جس شخص نے 50 سے زائد سال جماعت کے اہم عہدوں پر خدمات انجام دی ہیں لازماً اس کی تاریخ سے مجھے بھی اپنے آپ کو سنوارنے کا موقع ملے گا۔

سیرت نگاری اور تاریخ نویسی مختلف انواع کی تصانیف میں سے سب سے مشکل اور دقت طلب کام ہے۔ مختلف کتب و رسائل اور اخبارات کی ورق گردانی کرنی پڑتی ہے۔ افراد خاندان کے اندر اور باہر رابطے کرنے پڑتے ہیں۔ جن کی سوانح حیات لکھنی مقصود ہو ان کے حلقہ احباب سے ذاتی ملاقاتیں کرنی پڑتی ہیں۔ ان کی ماضی کی بیتی ہوئی یادوں کو تازہ کرنے کے لئے مختلف حیلے اپنانے پڑتے ہیں کیونکہ بعض یادیں ذہن کے کسی گوشے میں گم ہوتی ہیں اس گوشے سے کسی یاد کو

زبان پر لانا اپنے آپ کو جان جوکھوں میں ڈالنے سے کم کام نہیں ہے۔ان مشکل مراحل سے اس لئے بھی گزرنا پڑتا ہے کہ اس بزرگ کی کوئی ادا، کوئی حرکت، کوئی واقعہ یا کوئی قول لکھنے سے نہ رہ جائے۔شاید اس کی کوئی ایک ادا کسی کی زندگی کے لئے Turning Point کی حیثیت رکھتی ہو اور ایک احمدی جہاں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء کے تیار کردہ پھولوں کے گلدستہ کا ایک پھول ہوتا ہے اُسی طرح وہ اپنی ذات میں اپنی حرکات وسکنات اور عادات وخصائل کے لحاظ سے پھولوں کا الگ گلدستہ ہے۔ یہ گلدستہ تیار کرنا سیرت نگار کے لئے بہت مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

''یہ بات ظاہر ہے کہ جب تک کسی شخص کے سوانح کا پورا نقشہ کھینچ کر نہ دکھلا یا جائے تب تک چند سطریں جو اجمالی طور پر ہوں کچھ بھی فائدہ پبلک کو نہیں پہنچا سکتیں اور ان کے لکھنے سے کوئی نتیجہ معتد بہ پیدا نہیں ہوتا۔سوانح نویسی سے اصل مطلب تو یہ ہے کہ تا اس زمانے کے لوگ یا آنے والی نسلیں ان لوگوں کے واقعات زندگی پر غور کر کے کچھ نمونہ ان کے اخلاق یا ہمت یا زہد وتقویٰ یا علم ومعرفت یا تائید دین یا ہمدردی نوع انسان یا کسی اور قسم کی قابل تعریف ترقی کا اپنے لئے حاصل کریں اور کم سے کم یہ کہ قوم کے اولوالعزم لوگوں کے حالات معلوم کر کے اس شوکت اور شان کے قائل ہو جائیں جو اسلام کے عمائد میں ہمیشہ سے پائی جاتی رہی ہے تا اس کو حمایت قوم میں مخالفین کے سامنے پیش کر سکیں اور یا یہ کہ ان لوگوں کے مرتبت یا صدق اور کذب کی نسبت کچھ رائے قائم کر سکیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے امور کے لئے کسی قدر مفصل واقعات کے جاننے کی ہر ایک کو ضرورت ہوتی ہے۔اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک نامور انسان کے واقعات پڑھنے کے وقت نہایت شوق سے اس شخص کے سوانح کو پڑھنا شروع کرتا ہے اور دل میں جوش رکھتا ہے کہ اس کے کامل حالات پر اطلاع پا کر اس سے کچھ فائدہ اٹھائے۔تب اگر ایسا اتفاق ہو کہ سوانح نویس نے نہایت اجمال پر کفایت کی ہو اور لائف کے نقشہ کو صفائی سے نہ دکھلا یا ہو تو یہ شخص نہایت ملول خاطر اور منقبض ہو جاتا ہے۔اور بسا اوقات اپنے دل میں ایسے سوانح نویس پر اعتراض بھی کرتا ہے اور

درحقیقت وہ اس اعتراض کا حق بھی رکھتا ہے۔ کیونکہ اس وقت نہایت اشتیاق کی وجہ سے اس کی مثال ایسی ہوتی ہے کہ جیسے ایک بھوکے کے آگے خوان نعمت رکھا جائے اور معاً ایک لقمہ کے اٹھانے کے ساتھ ہی اس خوان کو اٹھا لیا جائے۔ اس لئے ان بزرگوں کا یہ فرض ہے جو سوانح نویسی کے لئے قلم اٹھاویں کہ اپنی کتاب کو مفید عام اور ہردلعزیز اور مقبول انام بنانے کے لئے نامور انسانوں کے سوانح کو صبر اور فراخ حوصلگی کے ساتھ اس قدر بسط سے لکھیں اور ان کی لائف کو ایسے طور سے مکمل کر کے دکھلاویں کہ اس کا پڑھنا ان کی ملاقات کا قائم مقام ہو جائے۔ تا اگر ایسی خوش بیانی سے کسی کا وقت خوش ہو تو اس سوانح نویس کی دنیا اور آخرت کی بہبودی کے لئے دعا بھی کرے اور صفحات تاریخ پر نظر ڈالنے والے خوب جانتے ہیں کہ جن بزرگ محققوں نے نیک نیتی اور افادہ عام کے لئے قوم کے ممتاز شخصوں کے تذکرے لکھے ہیں انہوں نے ایسا ہی کیا ہے‘‘

(کتاب البریہ، روحانی خزائن جلد 13 ص 159-162 حاشیہ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس وضع کردہ اصول کو مدنظر رکھ کر خاکسار نے بسط کے ساتھ مکرم بزرگوارم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب کے سوانح لکھنے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اس حقیر سی سعی کو قبول فرمائے اور یہ سوانح مکرم باجوہ صاحب کی اولاد اور افراد خاندان کے لئے ازدیاد ایمان کا باعث بنے۔ آمین

خاکسار مکرم باجوہ صاحب کی سیرت و سوانح تحریر کر کے اس نتیجہ پر پہنچا ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ مکرم باجوہ صاحب حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے درج ذیل ارشاد کے تحت واقفین زندگی کے اس گروہ میں شامل تھے جنہوں نے اپنی جان، مال، وقت اور عزت کو ہر آن اسلام اور احمدیت کے لئے قربان کیے رکھا۔

آپ فرماتے ہیں۔

’’ہمیں تو ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے کہ جہاں ان کو کھڑا کیا جائے، وہ وہاں سے ایک قدم بھی نہ ہلیں۔ سوائے اس کے کہ ان کی لاش ایک فٹ ہماری طرف گرے تو گرے۔ لیکن زندہ

انسان کا قدم ایک فٹ آگے پڑے، پیچھے نہ آئے۔ہمیں تو ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے اور یہی لوگ ہیں، جو قوموں کی بنیاد کا کام دیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے متعلق فرماتا ہے کہ ان میں سے ہر آدمی کفن بردوش ہے۔فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے اسلام کی راہ میں اپنی جانیں دے دی ہیں اور کچھ انتظار کر رہے ہیں۔یہ وقف ہے، جو دنیا میں تغیر پیدا کیا کرتا ہے''

(خطبہ جمعہ 25 جنوری 1946ء از تحریک جدید ایک الٰہی تحریک جلد 2 ص 669)

مجھے اس بات پر بھی فخر محسوس ہو رہا ہے کہ مجھے بحیثیت نائب ناظر اصلاح وارشاد مرکزیہ اپنے ہم منصب جو نائب ناظر اصلاح وارشاد مرکزیہ کے عہدہ پر بھی فائز رہ چکے ہیں۔قلم آزمائی کرنے کا موقع ملا۔

اس مائدہ کی تیاری میں بہت سے احباب نے تعاون فرمایا۔جن میں مکرم میجر (ر) مبارک احمد باجوہ صاحب، برادرم انصر احمد بھٹی صاحب،، مکرم محمد حسین صاحب مربی سلسلہ اور مکرم مرزا محمد احسن بیگ صاحب شامل ہیں۔ برادرم مکرم محمد محمود طاہر صاحب نے مسودہ میں بعض مفید مشورے دیئے اور سب سے آخر میں مکرم زاہد محمود صاحب مربی سلسلہ نے بہت باریک بینی سے اس کا مطالعہ کر کے مسودہ میں رہ جانے والی چھوٹی موٹی غلطیوں کی نہ صرف نشان دہی کی بلکہ اس کو کمپیوٹر میں درست بھی کیا۔اللہ تعالیٰ ان تمام کو احسن جزاء عطا فرمائے۔آمین

حنیف احمد محمود

27-05-13

انڈیکس

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
	حصہ اول	
1	**خاندانی پس منظر**	1
3	پس منظر	
4	خاندان کا اثر ورسوخ	
5	خاندان میں احمدیت	
7	بیعت کے بعد مخالفت	
9	گاؤں میں احمدیہ مسجد کی تعمیر	
9	ایک دلچسپ اور ایمان افروز تقابلی موازنہ	
10	احمدیت سے محبت اور دیانتداری خاندان کے ہر فرد کی لازم جزو تھی	
11	چوہدری شیر محمد صاحب کی اولاد	
12	چوہدری ظہور باجوہ صاحب کی پیدائش اور تعلیم	
13	تعلیم میں مخالفت کا سامنا	
15	**شادی اور اولاد**	2
17	شادی	
19	اولاد	

	شجرہ نسب	
3	**اولاد کی تربیت کے اچھوتے طریق اور اولاد کو نصائح**	21
	اولاد سے پیار اور تربیت کے انداز	23
	اولاد کو نصائح	23
	تربیت اولاد کا اچھوتا طریق اور سالگرہ کے موقع پر بچوں کو خطوط	24
	ظہیر باجوہ صاحب کا وقف اور والد کی خوشی	37
4	**اخلاقیات**	41
	اخلاقیات	43
	غرباء پروری	44
	خدمت خلق اور مستحق کو اس کا حق دلانا	45
	عیادت وتعزیت	46
	مہمان نوازی	46
	کفایت شعاری	48
	قواعد وضوابط وقانون کی پابندی	49
	صاف گوئی	49
	دفتری امور میں مداخلت سے ممانعت	50
	شادی بیاہ کے موقع پر سادگی کو رواج دینا	50
	مالی قربانی میں پیش پیش	51
	اشاعت دین میں مالی قربانی	52

53	مساجد کی صفائی	
53	نمازوں کے پابند	
54	قرآن کریم سے محبت	
55	سلسلہ کی کتب کا مطالعہ	
57	**عزیز واقارب سے حسن سلوک**	5
59	معاشرت	
59	سسرال کا احترام	
60	عزیز واقارب سے حسن سلوک	
60	خاندان میں مقام	
61	خاندان کی پہچان	
63	**خدمات**	6
65	جماعتی عہدے	
66	الشرکۃ الاسلامیہ کے چیئرمین	
67	اورینٹل اینڈ ریلجس پبلشنگ کارپوریشن کے ڈائریکٹر	
67	جلسہ سالانہ میں بطور نائب افسر خدمات	
68	سندھ کی اسٹیٹس پر خدمات	
68	مجلس خدام الاحمدیہ میں بطور مہتمم وقار عمل خدمات	
69	گاؤں کے نمبردار کے طور پر خدمات	
71	**اعزازات**	7

73	بیوت الحمد کمیٹی کا پہلا صدر	
73	پہلی مجلس انتخاب خلافت میں شمولیت	
74	مجالس شوریٰ میں نمائندگی کی سعادت	
77	قوائد صدر انجمن کی نظر ثانی	
77	مجلش شوریٰ کی صدارت کی سعادت	
78	حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی نمائندگی میں دورہ ضلع ساہیوال	
79	بیت اقصیٰ ربوہ تعمیر کمیٹی کی ممبر شپ	
80	حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے سفر یورپ سے مراجعت پر استقبالیہ میں شمولیت	
80	حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے سفر یورپ وافریقہ سے مراجعت پر استقبالیہ میں شمولیت	
81	حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے دورہ 1980 سے واپسی پر استقبال کرنے کی سعادت	
81	گلشن احمد نرسری کے افتتاح میں شرکت	
83	**لندن میں خدمات**	8
85	لندن کے لئے پہلا تقرر اور خدمات	
88	یورپ کی روحانی فتح کے لئے مبلغین کی روانگی	
88	انگلستان اور پریس میں چرچہ	
90	مصر کے اخبارات میں ذکر	
93	حافظ قدرت اللہ صاحب کو الوداعیہ	
93	ایک دلچسپ مکالمہ	
94	ایک اہم تقریب میں لیکچر	
95	حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کو الوداعیہ	

	لندن میں مزید مساعی	95
	لندن میں دوسری بار تقرر	96
	انگلستان روانگی	96
	بیت الفضل میں استقبالیہ	97
	مبلغین سلسلہ کی سہ روزہ کانفرنس	99
	مقدس وجود کے نام سے جانوروں کو موسوم کرنا مناسب نہیں	100
	عیدالاضحیٰ اور دوسرے سالانہ اجتماع کی صدارت	101
	لندن میں مبلغین کی تاریخی کانفرنس	102
	ایک رپورٹ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا تبصرہ	104
	حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کی طرف سے ذکر خیر	105
9	**بادشاہوں، سفیروں اور حکومتی اہلکاروں سے ملاقاتیں**	107
	وزیراعظم سیلون کی خدمت میں قرآن کریم کا تحفہ	109
	شاہ ایران کو قرآن کریم کا تحفہ	109
	انڈونیشیا کے سفیر سے ملاقات	110
	ایک اور جماعتی وفد میں نمائندگی	110
	کمشنر سرگودھا ڈویژن سے ملاقات	110
	کرنل ڈگلس سے ملاقاتیں	111
10	**خلفاء کے ساتھ دوروں میں ہمرکابی کا شرف**	119
	دو خلفاء کے ساتھ پاکستان میں دوروں میں معیت	121

	بیرون ممالک دورہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی معیت کا شرف	122
	بیرون ملک خلیفۃ المسیح کے ساتھ ہم رکابی کا ایک اور شرف	125
	خطرناک حادثہ اور افراد قافلہ کی معجزانہ رنگ میں حفاظت	126
11	**خادم اور مخدوم کا پیار بھرا تعلق**	129
	نظام جماعت کی اطاعت	131
	جماعت کی خاطر غیرت	131
	خلفائے احمدیت کا محبت بھرا سلوک	132
	خلیفۃ المسیح کے محبت بھرے سلوک کا ایک اور انداز	135
	افراد خاندان حضرت مسیح موعودؑ سے محبت	137
	تبلیغ سے لگاؤ اور افسران کی اطاعت	138
	ایک ایمان افروز روایت	140
12	**قید و بند کی صعوبتیں اور اسیری کی سعادت**	143
	پہلا مقدمہ 1975ء میں	146
	اسیری پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی فکرمندی	147
	دوسرا مقدمہ 6 اپریل 1982ء میں	148
	تیسرا مقدمہ 17 نومبر 1982ء میں	150
	چوتھا مقدمہ 26 جون 1984ء میں	150
	حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی طرف سے اس کیس کی تفصیل	154
	اسیری کا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی زبانی ذکر	157

	حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی طرف سے باجوہ صاحب کا ذکر خیر	159
	ایک نادر تحریر	161
	احمدیت ترقی کرے گی اور دشمن تباہ ہوگا	162
	دوران اسیری آپ کا کردار	163
	اسیری کے دوران جیل سے بیٹے کو خط	164
	69دن اسیری	165
13	**تبرکات ونوادرات**	167
	خلیفۃ المسیح کے خطوط	169
	آٹوگرافس	174
	خطوط	177
	منظوم کلام	182
14	**کہانی اپنی زبانی**	185
	انٹرویو	187
	چند منتشر یادیں	198
15	**علالت اور وفات**	205
	آخری علالت	207
	وفات	207
	الفضل میں وفات کی اطلاع	207

	لندن میں نماز جنازہ غائب	211
	قراردادہائے تعزیت	212
	حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کا خراج تحسین اور کتبہ	215
16	**اُذْکُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاکُمْ خراج عقیدت**	217
	حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز	219
	مکرم حافظ مظفر احمد صاحب ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد مقامی	219
	مکرم چوہدری محمد علی صاحب وکیل التصنیف	223
	مکرم بشیر احمد رفیق صاحب سابق امام بیت الفضل لندن حال شکاگو	223
	مکرم نصر اللہ خان ناصر صاحب ایم اے شاہد مربی سلسلہ	235
	مکرم محمد لطیف احمد صاحب اسسٹنٹ پرائیوٹ سیکرٹری	236
	مکرم سید کمال یوسف صاحب سابق مبلغ سکنڈے نیویا	241
	مکرم مولانا محمد اعظم اکسیر صاحب نگران شعبہ تخصص مربیان ربوہ	242
	مکرم چوہدری رشید الدین صاحب مربی سلسلہ نظارت امور عامہ	243
	مکرم پروفیسر محمد خالد گورائیہ صاحب نائب صدر عمومی	251
	مکرم انجینئر محمد سعید احمد سابق سیکرٹری وقف نو اور زعیم اعلیٰ انصار اللہ لاہور چھاؤنی	255
	مکرم پروفیسر محمد سلطان اکبر صاحب	256
	محترمہ شمیم ریاض صاحبہ بیگم کرنل ریاض ورک صاحب	258
	لخت جگر کے جذبات اپنے ابا مرحوم کے بارہ میں	259

	حصہ دوم	273
	سلطان القلم کی معاونت (خطوط و مضامین)	275
17	**تربیتی مضامین**	277
	اللہ کا عبد شکور	277
	خیر البشرؐ کا اسوہ کامل	284
	اسلام کا مقرر کردہ اصول جنگ	289
	الہام ۔ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ	298
18	**ایک ایمان افروز کتاب کی تیاری**	310
19	**تربیتی اعلانات**	312
20	**تبلیغی مضامین**	314
	شریعت کے نام پر انتشار کیوں؟	314
	پاکستان کی رؤیت ہلال کمیٹی	319
	تضاد فکر و نظر	321
	ڈاکٹر اسرار احمد کا انتباہ	325
	خدا پر فیصلہ چھوڑنے پر اسرار کیوں؟	329
21	**تردید عیسائیت بارے مضامین**	333
	کیا بائیبل الہامی کتاب ہے؟	333

339	الوہیت مسیح کی تردید	
343	**خطوط**	22
343	جماعت اسلامی کی مغالطہ انگیزیاں	
351	انتخابات پر ایک نظر	
354	فاصلوں اور کالجوں کے مسائل کا حل	
357	نقد ضمانت جمع کرانے کی تجویز	
358	ایں کار از تو آئد	
359	سوچنے کی بات	
360	صراط مستقیم سے ہٹانے کی اختراح	
361	توجہ طلب	
362	اے اہل دیں!	
364	اختلاف رائے پر جوتوں کی سزا	
365	نہ کریں گے نہ کرنے دیں گے	
366	معنی خیز تبصرہ	
368	دو دن کا فرق کیوں؟	
369	جھوٹ ضرب جھوٹ	
370	علماء کا الٹی میٹم	
371	پنجاب کا مقدمہ	
372	جیو اور جینے دو	

374	عامل بابا کا دعویٰ	
374	عبدالقادر کی غیر سیاسی باتیں	
381	**زراعت**	23
394	**غیر مطبوعہ مضامین**	24
394	بڑھتی ہوئی عالمگیر بے چینی کی وجہ اور ان کا علاج	
414	حسد	
417	**اضافہ جات**	25
	شجرہ نسب	26

انگریزی مضامین

S.No	Topic	Page
1	Atonement	1
2	Islam and Racialism	8
3	Eid-ul-Adha sermon	18
4	Pilgrimage and Eid-ul-Adha	28

حصہ اول

خاندانی پس منظر

۞ پس منظر

۞ خاندان کا اثر ورسوخ

۞ خاندان میں احمدیت

۞ بیعت کے بعد مخالفت

۞ گاؤں میں احمدیہ مسجد کی تعمیر

۞ ایک دلچسپ اور ایمان افروز تقابلی موازنہ

۞ خاندان میں احمدیت سے محبت

۞ چوہدری شیر محمد صاحب کی اولاد

۞ چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب کی پیدائش اور تعلیم

۞ تعلیم میں مخالفت کا سامنا

پس منظر

مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب مرحوم کا تعلق نالہ ڈیک کے کنارے قاضی پہاڑنگ تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ کے باجوہ خاندان سے تھا۔ والد کا نام چوہدری شیر محمد صاحب باجوہ جبکہ دادا کا نام چوہدری علی بخش صاحب تھا۔ جہاں سے آپ کے آباءواجداد نہر لوئر جہلم کے آبادکاروں کے چکوک (چک کی جمع) میں زمین حاصل کر کے علاقہ سرگودھا میں منتقل ہوئے۔ آپ کے والد محترم چوہدری شیر محمد صاحب باجوہ علاقہ کے بااثر زمیندار اور اپنے گاؤں چک 33 جنوبی ضلع سرگودھا کے نمبردار تھے۔ مکرم چوہدری شیر محمد صاحب باجوہ کے بارہ میں روایت ہے کہ وہ گھوڑی پر سوار ہو کر پکا نسوانہ ضلع چنیوٹ سے ہوتے دریائے چناب کو عبور کرتے اور چنیوٹ، فیصل آباد کا سفر کرتے۔ چوہدری صاحب کا قیام عام طور پر پکا نسوانہ اور لولہ شریف ہوا کرتا تھا اس علاقہ میں احمدیت کی نشوونما بھی انہی کے ذریعہ ہوئی۔

مکرم میجر (ر) چوہدری مبارک احمد باجوہ صاحب (برادر اصغر مکرم باجوہ صاحب) بیان کرتے ہیں۔

چوہدری علی بخش موضع قاضی پہاڑنگ تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ 1902ء میں نہر لوئر جہلم کے ذریعہ علاقہ کرانہ بار کی آبادکاری گھوڑی پال سکیم کے تحت عمل میں آئی تو چوہدری علی بخش صاحب 8 افراد سمیت (جو کہ قاضی پہاڑنگ اور اردگرد کے موضعات سے تعلق رکھنے والے تھے اور گورنمنٹ کی شرائط کے مطابق گھوڑی ان کے نام الاٹ ہو سکتی تھی) سیالکوٹ سے سرگودھا آ کر آباد ہو گئے۔

گاؤں کی آبادکاری بھی ایک مشکل کام تھا۔ سارا علاقہ بن کے گھنے درختوں سے ڈھکا پڑا تھا۔ انہیں کاٹنا اور کاشتکاری کے لئے زمین ہموار کرنا کوئی آسان کام نہ تھا جبکہ اس سارے کام کے لئے جدید دور جیسی کسی قسم کی مشینری مہیا نہ تھی لیکن نوجوانوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی جسمانی اور ذہنی نشوونما کے لئے کھیل کے میدان کا مناسب بندوبست تھا۔ گاؤں میں کھیل کود کے حوالہ سے

ایک کلب بھی قائم تھی جس کی کارکردگی اتنی اچھی تھی کہ ضلع بھر میں فٹ بال اور رسہ کشی میں یہ کلب اول قرار پائی اور انعام کی حقدار ٹھہری۔

مکرم پروفیسر محمد خالد گورائیہ صاحب نائب صدر عمومی جن کا آپ کے خاندان کے ساتھ بہت گہرا پیار بھرا تعلق تھا آپ کے خاندان کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں۔

تحدیث نعمت کے طور پر یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ابا جان کی اکثر رشتہ داریاں گوجرانوالہ، سیالکوٹ ،شیخوپورہ ، نارووال اور سرگودھا میں خدا کے فضل سے معروف زمیندار خاندانوں کے ساتھ تھیں جن میں سے اکثر کا جماعت احمدیہ کے ابتدائی مخلص خاندانوں سے تعلق تھا، سب ہی تقریبا ذیلدار، سفید پوش اور نمبرداروں کے خاندان تھے جو اپنے اپنے علاقہ میں خاصے اثر ورسوخ والے تھے۔

پنجاب کے زمینداروں کی وہ تمام اعلیٰ روایات جن کا مشاہدہ ہم نے اپنے بچپن میں کیا تھا جہاں رشتوں کی پہچان تھی ، احترام تھا، بزرگوں کی عزت ،محبت اور پیار، اخلاص کا تعلق تھا، ایک دوسرے کے ساتھ نرمی سے پیش آنا اور قربانی واحسان کرنا، درگزر کرنا مہمان نوازی کی اعلی روایات ہمارے کلچر کا حصہ ہوتی تھیں، وہ ان سب (باجوہ فیملی کے) خاندانوں میں موجود تھی۔ ہمارے یہ گھر اپنے اپنے علاقہ میں نہ صرف اپنے گاؤں بلکہ آس پاس کے دیہات کے لوگوں کی مصیبتوں ، دکھوں کو دور کرنے اور لڑائی جھگڑے دور کر کے امن وآشتی کا گہوارہ بنانے کا موجب ہوتے تھے اور ہمارے بزرگ اپنے اپنے ڈیرہ پر دن رات لوگوں کے مسائل حل کرتے نظر آتے تھے۔

خاندان کا اثر ورسوخ

چوہدری علی بخش صاحب اپنے علاقہ میں ایک مقام رکھتے تھے اور آپ کا ایک اثر ورسوخ تھا۔لوگ دادرسی کے لئے آپ کے پاس آتے تھے۔حتی کہ بعض لوگ اپنے فیصلہ جات کے لئے آپ سے رجوع کرتے۔آپ کا علاقے میں بھی اثر ورسوخ اس قدر راہ پا گیا کہ عدالتیں بھی اپنے

مستغیث سے کہا کرتی تھیں کہ آپ یہاں فیصلہ لینے کی بجائے چوہدری علی بخش صاحب کے پاس چلے جائیں۔مکرم میجر مبارک احمد صاحب نے ایک روایت مکرم مقبول احمد چیمہ صاحب کے حوالہ سے سنائی کہ ایک دفعہ ایک فریق آپ کو عدالت میں سفارش کی غرض سے لے کر جانا چاہتا تھا۔مگر آپ دیگر مصروفیات کی وجہ سے نہ جاسکتے تھے۔آپ نے اس فریق کو اپنی چھڑی دے کر کہا کہ جاؤ ''یہ چھڑی لے جاؤ اور مجسٹریٹ کو پیش کر دو اور کہو کہ چوہدری علی بخش نے بھجوائی ہے۔''

خاندان میں احمدیت

حضرت مولوی غلام رسول راجیکی ؓ صاحب خاندان میں احمدیت کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں۔

چوہدری علی بخش صاحب تعلیم یافتہ اور حد درجہ کے متعصب اور مخالفِ احمدیت تھے۔اور ان کے لڑکے مکرم چوہدری شیر محمد صاحب احمدی ہو چکے تھے۔دونوں کے درمیان مذہبی اعتبار سے بہت انشقاق اور اختلاف رہتا تھا۔جب میں چک نمبر 33 گیا اور چوہدری شیر محمد صاحب کی تحریک پر میں ان کے مکان کے صحن میں تقریر کرتا تو چوہدری علی بخش صاحب کمرے کے اندر چھپ جاتے اور جب میں اندر جا کر ان سے گفتگو کرنا چاہتا تو باہر چلے جاتے۔علماء سوء اور متعصب پیروں اور سجادہ نشینوں سے وہ بے حد متاثر تھے اور کسی احمدی کو ملنا یا اس کی باتیں سننا ان کو ہرگز گوارا نہ تھا۔

ایک دن جب میں صحن میں لوگوں کے سامنے تصوّف کے مسائل اور روحانی حقائق بیان کر رہا تھا اور وہ کمرے کے اندر تھے تو بعض باتیں ان کے کان میں بھی پڑیں۔ہدایت کا وقت قریب تھا، وہ ان باتوں سے متاثر ہوئے اور جب ہم حسبِ پروگرام چک نمبر 43 میں چوہدری غلام حیدر صاحب احمدی کے ہاں جانے لگے اور گھوڑیوں پر سوار ہونے کو تھے کہ چوہدری علی بخش صاحب نے ایک آدمی کے ذریعہ پیغام بھجوایا کہ مولوی صاحب! اگر آج رات یہاں ٹھہر جائیں تو میں ان کی تقریر تصوّف اور فلسفہ ایمان پر سن کر حضرت مرزا صاحب اور اپنے پیروں کی تعلیم میں موازنہ کروں گا۔

یہ پیغام سن کر سب احباب کو خوشی ہوئی اور میں نے ایک دن کے لئے اپنی روانگی ملتوی کر دی اور چوہدری غلام حیدر صاحب کو اس سے اطلاع دے دی۔چنانچہ وہ بھی چک نمبر 43 سے میری

تقریر سننے کے لئے گئے۔ رات کو میں نے تین گھنٹے تک فلسفہ ایمان اور مسائل تصوّف پر تقریر کی۔ جس کو سن کر چوہدری علی بخش نے کہا کہ اگر میں ایک دن اور ٹھہر جاؤں تو وہ جلسہ سالانہ پر قادیان جانے کا وعدہ کرتے ہیں۔ اس پر احباب نے خواہش کی کہ اب جبکہ چوہدری صاحب بہت کچھ نرم ہو چکے ہیں مزید ایک دن کے لئے ٹھہر کر اس موقع سے فائدہ اٹھاؤں۔ چنانچہ میں ٹھہر گیا اور چوہدری صاحب اس دن کی تقریر اور گفتگو سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بعض دوسرے دوستوں کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد سب نے بیعت کر لی۔ **فالحمدللہ علیٰ ذالک**

(حیات قدسی صفحہ 564)

مکرم میجر (ر) مبارک احمد باجوہ صاحب اس واقعہ کی تفصیل میں تحریر فرماتے ہیں۔

امرِ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا غلام رسول راجیکیؓ کا گاؤں میں آنا کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا۔ چوہدری علی بخش صاحب کی بیعت کے مذکورہ واقعہ سے قبل بھی حضرت مولانا گاؤں میں آیا کرتے تھے لیکن بابا کرم دین کشمیریؓ (صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام) کے مہمان کے طور پر۔ حضرت بابا کرم دین کشمیریؓ 1928ء میں نارووال سے چک 33 جنوبی سرگودھا تشریف لائے۔ گاؤں میں ان کی کوئی واقفیت یا رشتہ داری نہ تھی۔ گاؤں سے باہر گھنے درختوں کے نیچے کھڈی لگا کر کپڑے بُنا کرتے تھے اور یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔ کھڈی پر ہی ان کا قیام ہوتا، نمازیں اور دیگر عبادات بھی وہیں پر ادا ہوتیں۔

حضرت بابا کرم دین کشمیریؓ کے معمولات زندگی میں صوم وصلوۃ کی پابندی کا عنصر تو غالب تھا مگر کھڈی کی حد تک۔ کبھی وہ نماز ادا کرنے گاؤں کی مسجد میں نہ گئے مگر حضرت مولاناؓ کی موجودگی میں کھڈی پر باجماعت نماز کا اہتمام ہوتا اور یہی بات بعد میں رونما ہونے والے واقعات کی پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

حضرت بابا کرم دین کشمیریؓ کی ذات سے تو کسی کو کوئی سروکار نہ تھا مگر ان کا گاؤں کی مسجد میں جا کر نماز نہ پڑھنا اور کبھی کبھار اپنے مہمان کے ساتھ کھڈی پر نماز باجماعت کا اہتمام کرنا لوگوں

کو کھٹکنے لگا اور اسی جرم کی شکایت گاؤں کے نمبردار چوہدری علی بخش صاحب کے سامنے کی گئی۔ چنانچہ آپ نے حضرت بابا کرم دین کشمیریؓ کو بلا کر ان کے مہمان بارے وضاحت طلب کی۔تو حضرت بابا کرم دین کشمیریؓ نے بتایا کہ مہمان ان کے پیر بھائی ہیں اور کبھی کبھار ملنے آجاتے ہیں۔ حضرت بابا کرم دینؓ کو نمبردار صاحب کا حکم ہوا کہ آئندہ آپ کا پیر بھائی آئے تو وہ میرا مہمان ہوگا کھڈی پر مہمان کو ٹھہرانا درست نہ ہے۔

حضرت مولانا غلام رسول راجیکیؓ جب اس واقعہ کے بعد بابا کرم دین کشمیریؓ سے ملنے آئے تو حسب حکم حاکم چوہدری علی بخش صاحب کے مہمان بنے۔حضرت مولانا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ چوہدری علی بخش صاحب گدی نشینوں سے متاثر اور جماعت کے عقائد بارے حد درجہ متعصب تھے جب انہیں مولانا کے عقائد بارے تفصیلی تعارف ہوا تو ان کی کیا حالت ہوگی کہ مہمان بھی ایسا جسے خود دعوت دے کر بلایا مگر عقائد بارے مولانا کی بات سننے سے انکار۔حضرت مولاناؓ کو اور کوئی کام نہ تھا چنانچہ اندر باہر کی کھینچا تانی شروع ہوگئی۔بحث مباحثہ کا سلسلہ تو بند نہ ہو سکا مگر چوہدری علی بخش صاحب اپنے آپ کو اندر بند کر لیتے۔ساتھ ہی تمام کھڑکیاں دروازے بھی بند تا کہ باہر کی آواز اندر نہ آ سکے۔چوہدری علی بخش صاحب کے اکلوتے بیٹے چوہدری شیر محمد صاحب اپنے باپ کی طبیعت کے برعکس دلیل کے قائل تھے۔خود بھی دلیل سے بات کرتے اور دوسرے کی دلیل کو توجہ سے سنتے اور دلیل میں وزن کی پہچان کی اہلیت رکھتے تھے۔چنانچہ حضرت مولانا اور مخالف علماء کے دلائل سننے کے بعد والد محترم چوہدری شیر محمد صاحب نے بیعت کر لی۔یہ اوائل زمانہ خلافت ثانیہ کی بات ہے۔بعد میں دادا چوہدری علی بخش صاحب نے بھی بیعت کر لی۔

بیعت کے بعد مخالفت

بظاہر مخالفت کوئی نہ تھی۔گاؤں میں دو اہم عہدے تھے۔ایک نمبرداری کا جو کہ دادا چوہدری علی بخش صاحب کے پاس تھی۔دوسرا عہدہ مسجد کے امور بارے ذمہ داری تھی جو کہ دادا کے چھوٹے بھائی چوہدری شاہ محمد (مولوی) کے پاس تھی۔انہیں گاؤں کے تمام لوگ مولوی کہہ کر ہی بلاتے

تھے۔تعویذ لکھنا اور دم وغیرہ کرنا بھی ان کے نجی مشاغل میں شامل تھا جس کا اہتمام وہ باقاعدگی سے کیا کرتے تھے۔ روزانہ صبح کے وقت اور عصر کی نماز کے بعد لوگ آتے اور اپنی ضرورت کے مطابق تعویذ لکھواتے اور دم کرواتے ۔ بظاہر کسی قسم کی مخالفت کی بجائے ان دونوں بھائیوں سے لوگ افسوس کرتے کہ چھوٹے چوہدری صاحب نے احمدیت قبول کرنے میں جلد بازی کا مظاہرہ کیا ہے۔اس کے بعد کھلم کھلا مناظرے/مباحثے شروع ہو گئے جن کے نتیجے میں جماعت احمدیہ کی مخالفت شروع ہوگئی۔ چوہدری شیر محمد صاحب یا بابا کرم دین ؒ کی ذاتی مخالفت کوئی نہ تھی۔ بعد میں جب چوہدری علی بخش صاحب نے بھی بیعت کر لی تو ساتھ کچھ اور لوگوں نے بھی بیعت کی تو ظاہر مخالفت پھر بھی کوئی نہ تھی مگر اندر ہی اندر گھسر پُسر شروع ہوگئی ۔کافی عرصہ تک ایک ہی مسجد میں باری باری نمازیں پڑھ لی جاتیں مگر آہستہ آہستہ مخالفت اس انداز میں ظاہر ہونا شروع ہوئی کہ جمعہ کا خطبہ لمبا کر دیا یا نماز کے بعد مسجد کو جلد خالی نہ کرنا جس کا مقصد تنگ کرنا تھا۔ چنانچہ رفع شر کے لئے چوہدری علی بخش صاحب نے اپنے ڈیرہ کے ایک حصہ میں الگ مسجد بنالی تاکہ کوئی بدمزگی پیدا نہ ہو۔ ان حالات میں مولوی شاہ محمد کی احمدیہ جماعت کے بارے میں مخالفانہ سوچ کی وجہ سے ہم خیال لوگ ان کے ساتھ مل گئے اور چھپی ہوئی مخالفت آہستہ آہستہ ظاہر ہونا شروع ہوئی ایسے حالات میں مولوی شاہ محمد کے بڑے بیٹے چوہدری محمد عالم صاحب نے بھی بیعت کر لی تو غصہ اور مخالفت کا دبا ہوا لاوا پھٹ گیا۔مولوی شاہ محمد نے پہلے اپنے بھتیجے (چوہدری شیر محمد) اور پھر اپنے بھائی کا صدمہ برداشت کیا۔اب اپنے بیٹے کی بیعت کو برداشت نہ کر سکے۔اپنے بیٹے کو مارا پیٹا۔ گھر سے نکال دیا اور جائیداد سے بے دخل کر دیا اور کہا کہ اب تو مرزا کی دی ہوئی زمین ہی کاشت کرے گا۔میری زمین سے تیرا کوئی واسطہ نہیں۔

جہاں تک چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب کی ذات کا تعلق ہے وہ تو مخالفت سے بالا بالا گاؤں سے باہر اپنی تعلیم مکمل کر کے GHQ دلّی میں ملازم ہو گئے ۔ پھر وہیں سے زندگی وقف کر کے جماعت کی خدمت میں مصروف ہو گئے ۔ 1953 کے فسادات میں کوئی خاص مخالفت نہ تھی

مذہبی خیالات میں واضح اختلاف کا مباحثوں اور مناظروں کی صورت میں اظہار بھی ہوتا مگر دکھاوے کی حد تک ۔ باہمی اخوت اور رواداری کا رشتہ بھی قائم رہا۔ 1974ء کے بعد مخالفت کھلم کھلا ہونے لگی اور گاؤں کے اندر ختم نبوت کی تنظیم قائم ہوئی جس میں زیادہ حصہ مولوی شاہ محمد کی اولاد کا تھا۔ مخالفت کا یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

گاؤں میں احمدیہ مسجد کی تعمیر

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ مخالفت کی وجہ سے چوہدری علی بخش صاحب نے اپنے ڈیرہ کے ایک کونہ میں کچی مسجد بنوائی ۔ پھر 1954ء میں والدمحترم چوہدری شیر محمد صاحب کے زمانہ میں بیت الذکر کو پختہ تعمیر کیا گیا جس میں تمام احباب جماعت نے حصہ لیا۔ والدمحترم چوہدری شیر محمد صاحب نے اپنے تمام کمانے والے بیٹوں کو ایک ماہ کی تنخواہ مسجد کی تعمیر میں ادا کرنے کا خط بذریعہ سیکرٹری مال لکھوایا اور یہ رقم سیکرٹری مال نے ہی وصول کر کے مسجد کی تعمیر پر خرچ کی ۔

ایک دلچسپ اور ایمان افروز تقابلی موازنہ

چوہدری علی بخش صاحب کی بیعت کے بعد خاندان کو جس مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اس کی ایک جھلک گزشتہ صفحوں پر بیان ہو چکی ہے لیکن اس مخالفت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے الٰہی جماعتوں سے وعدوں کے مطابق انگنت انعامات اس خاندان پر نازل ہوئے اور آج تک ہو رہے ہیں۔ سیالکوٹ سے مہاجر ہو کر 22 خاندانوں پر مشتمل یہ ایک چھوٹی سی بستی چک 33 قائم ہوئی تھی۔ جن میں سے چار خاندانوں نے احمدیت قبول کر لی اور 18 خاندانوں نے مخالفت کی ۔ ان چار خاندانوں نے اپنے خدا سے تعلق کو آہستہ آہستہ بڑھایا۔ احمدیت کی ترقی کے لئے چندہ جات دینے کا سلسلہ شروع کیا اور خلیفۃ المسیح کی ہر آواز پر حسب توفیق لبیک کہا اور آج 80 سال گزرنے کے بعد ان خاندانوں کی قربانیوں کی اللہ تعالیٰ نے لاج رکھی اور مادی اور روحانی لحاظ سے انہیں بڑھایا

اور مالوں میں ترقی دی۔

آج ان 4 گھرانوں کے تعلیم یافتہ افراد کی تعداد 18 خاندانوں کے تعلیم یافتہ افراد سے زیادہ ہے۔ان 4 خاندانوں میں سول اور فوج میں ملازمین کی تعداد 18 گھرانوں کے سول وفوج میں ملازمین کی تعداد سے زیادہ ہے۔ان 4 گھرانوں میں سے بیرون ملک جانے والے افراد کی تعداد 18 گھرانوں کے بیرون ملک جانے والے افراد سے زیادہ ہے۔

یہ چار خاندان اپنے دیگر وسائل کی وجہ سے اپنی زمینوں پر انحصار نہیں کر رہے جبکہ باقی 18 خاندان ابھی بھی اپنی زمین پر انحصار کرتے ہیں۔ان 4 گھرانوں کے گاؤں سے باہر بڑے شہروں میں اپنے ذاتی مکانات کی تعداد باقی 18 خاندانوں کے مکانات سے زیادہ ہے۔

یہ ایک ایسا دلچسپ اور ایمان افروز تقابلی موازنہ ہے جو اس خاندان کی قربانیوں کی وجہ سے خاندان باجوہ کے لئے باعث فخر و اعزاز ہے۔

اس سے قبل مخالفت میں پیش پیش رہنے والے مولوی شاہ محمد کے بیٹے چوہدری محمد عالم صاحب کی بیعت کا ذکر ہو چکا ہے اور یہ بھی ہم پڑھ آئے ہیں کہ مولوی شاہ محمد نے اپنے بیٹے کو جائیداد سے عاق کر دیا تھا۔خدا کی قدرت کہ ایک سال کے اندر اندر مولوی شاہ محمد کے اسی بیٹے کو خدا نے اپنے باپ کی زمین سے زیادہ زمین کاشت کے لئے دے دی۔ پھر بعد میں اسی بیٹے کی زرخرید زمین اپنے باپ کی زمین کے برابر ہوگئی اور بعد میں یہ وقت بھی آیا کہ مولوی شاہ محمد نے جائیداد تقسیم کرتے وقت اپنے دو بیٹوں کو 20،20 ایکڑ زمین دی جبکہ اس بیعت کرنے والے کو 10 ایکڑ اور ساتھ کہا کہ تیرے پر پہلے ہی اللہ کے فضل بہت زیادہ ہیں۔

احمدیت سے محبت اور دیانت داری خاندان کے ہر فرد کی لازم جزو تھی

مکرم انجینئر محمود مجیب اصغر صاحب بیان کرتے ہیں کہ

مکرم باجوہ صاحب کے بھائی مکرم مشتاق احمد باجوہ صاحب پنڈ دادنخان میں اسسٹنٹ

ڈائریکٹر بیسک ڈیموکریسی (ADBS) متعین تھے۔مکرم باجوہ صاحب انہیں ملنے کے لئے تشریف لے گئے۔کچھ دن اپنے بھائی کے ہاں قیام کرنے کے بعد جب ربوہ واپس آنے لگے تو بھائی سے کہا کہ مجھے اسٹیشن پر چھوڑ آئیں (آپ کے پاس سرکاری گاڑی تھی) مکرم مشتاق باجوہ صاحب نے تانگہ منگوایا اور خود چھوڑنے کے لئے ساتھ آئے۔مکرم باجوہ صاحب نے پوچھا کہ آپ کے گھر میں جیپ بھی کھڑی تھی۔تانگہ کیوں منگوایا۔مکرم مشتاق صاحب نے عرض کیا۔ بھائی! وہ سرکاری گاڑی ہے اسے میں اپنے ذاتی کام کے لئے استعمال نہیں کرتا۔

اس واقعہ سے ان کے خاندان کے بلند مقام کا پتہ چلتا ہے۔

مکرم چوہدری شیر محمد صاحب باجوہ کی اولاد

مکرم چوہدری شیر محمد صاحب نے دوشادیاں کیں۔پہلی بیوی کا نام محترمہ شریف بیگم صاحبہ تھا جو چوہدری منصب دادخان صاحب آف دھرگ تحصیل نارووال ضلع سیالکوٹ (حال نارووال) کی بیٹی تھیں۔آپ کے بطن سے آٹھ بیٹے ہوئے۔مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب اور مکرم چوہدری نذیر احمد باجوہ صاحب توام پیدا ہوئے تھے تاہم مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب بڑے تھے۔باقی سات بچوں کے نام درج ذیل ہیں۔

2۔مکرم چوہدری نذیر احمد باجوہ صاحب (مرحوم) ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر

3۔مکرم کرنل (ر) چوہدری محمد صفدر باجوہ صاحب (مرحوم) لاہور

4۔مکرم چوہدری بشیر اصغر باجوہ صاحب (مرحوم) آف لندن

5۔مکرم چوہدری مشتاق احمد باجوہ صاحب (مرحوم) لاہور

6۔مکرم چوہدری محمود احمد باجوہ صاحب ریٹائرڈ گروپ کیپٹن لاہور

7۔مکرم چوہدری محمد اسلم باجوہ صاحب (مرحوم) ایڈووکیٹ سرگودھا

8۔مکرم چوہدری محمد سلیم ناصر باجوہ صاحب لاہور

محترمہ شریف بیگم صاحبہ کی وفات کے بعد آپ نے مکرمہ زینب بی بی بنت مکرم ملک غلام علی

کھوکھر صاحب گجرات سے دوسری شادی کی جو مکرم ملک عبد الرحمن صاحب خادم کی چچازاد بہن تھیں۔جن کے بطن سے چار بیٹے اور تین بیٹیاں ہوئیں۔

1۔مکرم چوہدری مسعود احمد باجوہ صاحب آسٹریلیا

2۔مکرمہ مبارکہ بیگم صاحبہ (مرحومہ) زوجہ کرم چوہدری منور احمد بھٹی صاحب آف ربوہ

3۔مکرم میجر (ر) چوہدری مبشر احمد باجوہ صاحب مرحوم سرگودھا

4۔مکرم میجر (ر) چوہدری مبارک احمد باجوہ صاحب چک 33 جنولی سرگودھا

5۔مکرمہ بشریٰ بیگم صاحبہ زوجہ مکرم رانا عثمان احمد صاحب آسٹریلیا

6۔مکرمہ بشارت بیگم صاحبہ آسٹریلیا

7۔مکرم چوہدری منور احمد باجوہ صاحب لندن

مکرم باجوہ صاحب کی پیدائش اور تعلیم

آپ 1919ء میں چک 33 جنوبی سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم گاؤں کے پرائمری سکول میں حاصل کی ۔میٹرک کی تعلیم کے لئے قریب ترین ہائی سکول لالیاں تھا جو کہ گاؤں سے 10 میل کے فاصلے پر تھا۔چنانچہ پرائمری کلاس کے بعد لالیاں ہائی سکول میں داخلہ لے لیا۔اس زمانہ میں وسائل آمدورفت محدود تھے جس کی وجہ سے روزانہ آنا جانا تو مشکل تھا چنانچہ بورڈنگ ہاؤس میں رہ کر تعلیم مکمل کی۔ایف اے بہاولپور اور بی اے فیصل آباد سے 1939ء میں پاس کرنے کے بعد GHQ دلّی میں ملازمت اختیار کر لیا۔

گاؤں میں پرائمری سکول بارے یہ وضاحت بیان کر دینا بھی مناسب ہے کہ اس زمانہ میں سکول کی کوئی عمارت نہ تھی۔گاؤں کے نمبردار چوہدری علی بخش صاحب نے تعلیم میں ذاتی دلچسپی کی بنا پر ضلعی انتظامیہ سے سکول منظور کروایا۔آپ قاضی پہاڑ نگ کے نزدیک موضع علی پور سیداں سے ایک تعلیم یافتہ استاد جو کہ علم طب کے ماہر بھی تھے چک 33 جنولی سرگودھا اپنے ساتھ لائے۔ان کا نام سید کرامت علی شاہ تھا جو کہ 1950ء کی دہائی تک گاؤں کے لوگوں کی طبی اور بچوں کی تعلیم کی

کفالت کرتے رہے۔سکول کے لئے چوہدری علی بخش صاحب کا نمبرداری ڈیرہ یا گاؤں کا قبرستان استعمال ہوتا تھا جہاں گھنے درختوں کا ذخیرہ ہوتا تھا۔

تعلیم میں مخالفت کا سامنا

مکرم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب بیان کرتے ہیں۔

ایف اے کے دوران جب آپ بہاولپور میں زیر تعلیم تھے اور ہوسٹل میں قیام تھا تو آپ کو دیگر احمدی طلبہ کے ساتھ مخالفین کی طرف سے شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا حتی کہ غیر احمدی طلبہ نے مذہبی تشدد پسندوں کے زیر اثر آ کر Mess میں احمدیوں کے لئے برتن الگ کر دیئے۔آپ کہا کرتے تھے کہ چونکہ احمدی طلبہ کی تعداد کم تھی جب ہمارے برتن الگ کر دیئے گئے تو ہمیں وقت پر کھانا مل جایا کرتا جبکہ دوسرے طلبہ کو اپنی باری کا انتظار کرنا پڑتا کیونکہ برتن طلبہ کی تعداد کی نسبت بہت کم تھے۔

باب نمبر 2

شادی اور اولاد

۞ شادی

۞ اولاد

۞ شجرہ نسب

شادی

مکرم باجوہ صاحب کی شادی محترمہ مشتاق زہرہ صاحبہ بنت مکرم چوہدری عنایت اللہ صاحب ذیلدار مرحوم دھرگ تحصیل نارووال ضلع سیالکوٹ (حال نارووال) سے مارچ 1944ء میں ہوئی۔ نکاح جماعت کے جید عالم، صاحب رؤیا و کشوف حضرت مولانا غلام رسول راجیکیؓ نے دھرگ میں پڑھایا جوان دنوں تبلیغ کی غرض سے اس علاقہ میں مقیم تھے اور دھرگ کے ارد گرد مختلف جگہوں پر وجد آفرین اور دلوں کو متاثر کرنے والے لیکچرز دے چکے تھے اور کئی دوست آپ کے لیکچرز سُن کر حلقہ بگوش احمدیت ہوئے تھے۔

آپؓ نے خود اپنی کتاب حیات قدسی میں اس سارے واقعہ کو زیر عنوان ''ایک تبشیری الہام'' کے تحت درج فرمایا ہے۔ اس واقعہ میں آپ کے والد محترم کے قبول احمدیت کا بھی ذکر ہے جو متعلقہ حصہ میں بیان ہو چکا ہے۔

آپؓ تحریر فرماتے ہیں کہ

ایک دفعہ خاکسار مرکزی ہدایت کے ماتحت موضع دھرگ میانہ ضلع سیالکوٹ بھیجا گیا۔ دھرگ کے ذیلدار مکرم چوہدری عنایت اللہ صاحب ایک مخلص اور بااثر احمدی ہیں ان کی صاحبزادی کی شادی عزیزم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ جو مکرم چوہدری شیر محمد صاحب ساکن چک نمبر 33 سرگودھا کے فرزند اور جناب چوہدری علی بخش صاحب کے پوتے ہیں سے قرار پائی تھی۔ دونوں خاندانوں سے میرے دیرینہ تعلقات تھے۔ بلکہ چوہدری علی بخش صاحب کی بیعت مع بعض دیگر افراد خاندان کے بفضلہٖ تعالیٰ میری کوشش سے ہی ہوئی تھی..........

دونوں خاندانوں کی خواہش تھی کہ نکاح میں پڑھاؤں انہوں نے زیادہ اصرار اس لئے بھی کیا کہ خاکسار حقیر خادم کو سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی صاحبزادی کے خطبہ نکاح پڑھانے کی سعادت بھی حاصل ہو چکی تھی۔

اس تقریب پر چوہدری عنایت اللہ صاحب نے بہت سے غیر احمدی سکھ اور عیسائیوں کو بھی

مدعو کیا۔ اور مجھے فرمایا کہ اس موقع پر ایسا خطبہ دیا جائے کہ سب مذاہب والے اس سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ ذیلدار صاحب کے گھر کے قریب ہی مسجد تھی میں اس میں چلا گیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ وہ اپنے خاص فضل سے مجھے ایسی تقریر کرنے کی توفیق دے جو سب سامعین کے لئے فائدہ بخش ہو۔ میں دعا کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہایت شیریں اور دل پسند لہجہ میں مجھ پر مندرجہ ذیل پنجابی منظوم کلام نازل ہوا۔

سبھو حمد خدائے نوں جیندی مثل نہ کو
اکوع اتے مجید نوں جس نے بخشی گو

اس الہام میں اکوع اور مجید کے متعلق مجھے تفہیم ہوئی کہ یہ زبان کے نیچے کی دو رگیں ہیں جو گویائی میں کام دیتی ہیں۔ اور دوسرے مصرعہ میں گو کا لفظ گویائی کا مخفف ہے۔ مجھے اس بشارت سے ایک گونہ تسلی ہوئی اور اس کے چند منٹ بعد مجھے خطبہ نکاح کے لئے بلایا گیا۔ حاضرین کی تعداد کئی سو تھی۔ خطبہ شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے روح القدس سے تائید فرمائی اور میری زبان پر فلسفہ نکاح اور حکمتِ تزویج کے متعلق ایسے معارف جاری ہوئے کہ تمام حاضرین نہایت محظوظ ہوئے اور بار بار اس بات کا اظہار کرنے لگے کہ ایسے حقائق اس سے پہلے سننے میں نہیں آئے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ فیض اور برکت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہے اور آپ علیہ السلام کی تعلیم کے ماتحت یہ معارف بیان کئے گئے ہیں۔

مجھے اس کامیابی پر اس لئے بھی زیادہ خوشی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت اقدس علیہ السلام اور آپ کے خلفاءِ عظام کی برکت سے قبل از وقت بذریعہ الہام مجھے بشارت دے کر میرے ایمان کو تازہ کیا۔ مجھے اس بات کا علم نہیں کہ زبان کے نیچے کس قسم کی رگیں ہیں جو گویائی میں مدد دیتی ہیں یا ان کا کیا نام ہے لیکن بذریعہ الہام مجھ پر یہی انکشاف ہوا۔

وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِاَسۡرَارِہٖ وَالشُّکۡرُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

(حیات قدسی ص563 تا565)

اولاد

اللہ تعالیٰ نے آپ کو محترمہ مشتاق زہرا صاحبہ کے بطن سے تین بیٹوں اور دو بیٹیوں سے نوازا۔ جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے تمام شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں اور پڑھ لکھ کر دنیا میں پھیلے اللہ تعالیٰ کے انعامات وافضال سے مستفیض ہو رہے ہیں۔

1۔ سب سے بڑے بیٹے مکرم منیر احمد باجوہ آف ڈیلس امریکہ ہیں۔ آپ جماعت کے مبارک نظام الوصیت سے منسلک ہیں۔ آپ کی شادی محترمہ متین باجوہ صاحبہ بنت مکرم چوہدری محمد نواز کاہلوں صاحب سے ہوئی۔ جن سے آپ کے درج ذیل دو بچے ہیں۔

- مکرمہ عائشہ باجوہ صاحب بعمر 35 سال زوجہ مکرم بلال خالد صاحب ابن مکرم خالد ہدایت بھٹی صاحب شاعر احمدیت ریٹائرڈ بنک آفیسرز ماڈل ٹاؤن لاہور۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین بچوں سے نواز رکھا ہے۔

i۔ زینا خالد	واقف نو	12 سال
ii۔ فراز خالد	واقف نو	8 سال
iii۔ حمزہ خالد	واقف نو	5 سال

- آپ کے دوسرے بیٹے مکرم یوسف باجوہ صاحب بعمر 33 سال ہیں جنہوں نے امریکن خاتون Lauren (لارن) نومبائع سے شادی کر رکھی ہے۔ جن سے ایک بیٹی عزیزہ لائلہ باجوہ بعمر ڈیڑھ سال ہے۔

2۔ مکرم باجوہ صاحب کے دوسرے بیٹے مکرم نصیر احمد باجوہ صاحب آف Footworth امریکہ ہیں جن کی شادی محترمہ نزہت باجوہ بنت مکرم میجر (ر) شریف احمد باجوہ صاحب برادر اصغر مکرم مشتاق احمد باجوہ صاحب سابق امام مسجد لندن سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو درج ذیل دو بچوں سے نوازا ہے۔

i۔ مکرمہ صوفیہ باجوہ بعمر 32 سال

ii۔مکرم حسنین باجوہ بعمر 30سال

3۔تیسرے نمبر پر مکرمہ امتہ الجمیل فریدہ باجوہ صاحبہ زوجہ مکرم شفقت محمود صاحب بہاولپور حال لاہور ہیں۔جن کے تین بچے ہیں۔

i۔مکرم حسن محمود بعمر 31سال

ii۔مکرمہ ہما نور بعمر 26سال

iii۔مکرم شوکت محمود بعمر 22سال

4۔ چوتھے نمبر پر آپ کی اولاد مکرمہ امتہ النصیر صاحبہ زوجہ مکرم سہیل خورشید باجوہ صاحب آف لاہور ہیں جن سے ایک بیٹی محترمہ حنا خورشید باجوہ بعمر 27سال ہیں۔

5۔مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب کے آخری فرزند مکرم ڈاکٹر ظہیر احمد باجوہ صاحب واقف زندگی ہیں۔آپ موصی ہیں اور امریکہ میں مختلف حیثیتوں میں جماعتی خدمات بجالانے کی توفیق ملتی رہی ہے۔آج کل نائب امیر جماعت احمدیہ امریکہ ہیں۔آپ کی شادی اپنی چچازاد محترمہ خالدہ باجوہ صاحبہ بنت مکرم محمود احمد باجوہ صاحب لاہور سے ہوئی۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک بیٹی محترمہ مناہل ظہیر صاحبہ بعمر 16سال سے نوازرکھا ہے۔آپ کی دو بچیاں وفات پا چکی ہیں۔

یوں محترم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب کی آگے دوسری نسل شروع ہو چکی ہے۔جس سے 3پوتے، 4پوتیاں، 2نواسے اور 2نواسیاں ہیں۔اللہ تعالیٰ تمام کو زندگی والا بنائے۔ مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب کے نام کو روشن کرنے والے ہوں اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے تعزیتی الفاظ ’’سلسلہ کو ان جیسے مخلص فدائی، خادم دین عطا فرمائے‘‘ کے اولین مخاطب ہوں۔آمین

باب نمبر 3

اولاد کی تربیت کے اچھوتے طریقے

اور

اولاد کو نصائح

۞ اولاد سے پیار اور تربیت کے انداز
۞ اولاد کو نصائح
۞ تربیت اولاد کا اچھوتا طریق اور سالگرہ کے موقع پر بچوں کو خطوط
۞ ظہیر باجوہ صاحب کا وقف اور والد کی خوشی

اولاد سے پیار اور تربیت کے انداز

اپنی اولاد سے کون پیار نہیں کرتا مگر آپ کا انداز بہت نرالا تھا آپ اپنی اولاد سے بہت پیار کرتے ۔ان کی عزت نفس کا خیال رکھتے ۔کبھی تم یا تو کہہ کر نہ بلاتے اور اَکْرِ مُوْ ااَوْ لَا دَ کُمْ کی تعلیم ہمیشہ مدنظر رہی ۔ بچوں سے مذاق بھی کرتے مگر رعب غالب رہتا۔ بچوں کو ڈانٹتے نہ تھے بلکہ حکمت کے ساتھ سمجھا دیتے ۔

بچوں کو کبھی اس امر کا احساس نہ ہونے دیا کہ ابا کی مربی ہونے کے ناطے تنخواہ کم ہے بلکہ عید اور دیگر خوشی کے مواقع پر بچوں کو ضرور نئے کپڑے اور جوتے لے کر دیتے تا عید کے روز دوستوں کے ساتھ میل ملاقات میں احساس محرومی نہ رہے ۔

محترمہ فریدہ صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ ابا اس قدر اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے کہ اگر خلیفۃ المسیح کے بعد کوئی رول ماڈل ہے تو ہمارے لئے ہمارے ابا تھے ۔اپنے نواسوں اور پوتوں سے بھی حددرجہ کا پیار تھا۔

اولاد کو نصائح

مکرم منیر احمد باجوہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ خاکسار جب لندن کے لئے روانہ ہونے لگا تو ابا نے مجھے یوں نصیحت فرمائی ۔

آپ جہاں کہیں بھی ہوں ۔جس ملک میں جائیں خواہ سیر پر ہی کیوں نہ گئے ہوں وہاں کی جماعت سے رابطے میں رہنا ہے۔ مسجد جائیں۔ مشن ہاؤس جا کر مربی صاحب سے علیک سلیک رکھیں۔

بیرون ملک جا کر پیسے کمانے میں کوئی حرج نہیں تاہم پیسے سے پیار نہ ہو۔خلافت سے اپنے تعلق کو مضبوط رکھیں ۔باقاعدگی سے حضور کو خطوط لکھ کر دُعا کی درخواست کرتے رہیں ۔

آپ کی اہلیہ محترمہ بیان کرتی ہیں کہ

بچوں کو بالعموم نصیحت کیا کرتے تھے کہ کبھی کسی کے آگے ہاتھ دراز نہ کرنا ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے مانگنا۔

آپ کی بیٹی محترمہ فریدہ صاحبہ نے بتلایا کہ

ابا جان ہمیں جو نصائح فرمایا کرتے تھے ان میں ایک یہ تھی کہ اولاد کو احساس کمتری نہ ہو۔

ہمیں اپنی سوچ ہمیشہ بلند رکھنے کی تلقین کرتے ۔ ربوہ سے باہر بڑے شہروں کی سیر وسیاحت کے لئے ہمیں بھجواتے ۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ لاہور میں ہارس اینڈ کیٹل شو دکھلانے کے لئے ہمیں بھجوایا تا دنیا سے آگاہی ہو۔ کہا کرتے تھے کہ ہر چیز سے آگاہی ہونی چاہئے ۔

پھر بیان کرتی ہیں کہ عاجزہ کی شادی پر مجھے یوں نصیحت کرتے ہوئے اپنے گھر سے رخصت کیا۔

فریدہ ! بڑے لاڈ پیار سے پالا ہے۔ اب ہمیشہ اپنے میاں کی طرف دیکھنا اور خاوند کی اطاعت مدنظر رہے۔

مکرم بزرگوارم ماسٹر محمد ابراہیم صاحب بھامبڑی نے مولف کتاب ہذا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ مکرم باجوہ صاحب نے اپنے بچوں کی ایسی کمال تربیت فرمائی کہ آج وہ دینی اور دنیاوی اعلیٰ عہدوں پر کام کررہے ہیں۔

تربیت اولاد کا ایک اچھوتا طریق

ہر والد کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی اولاد کی ایسی تربیت کی جائے کہ جس پر چل کر وہ بڑا ہوکر دین کی خدمت کرے اور دُنیا بھی کما سکے ۔مکرم باجوہ صاحب موصوف گو زمیندارہ ماحول میں بڑھے، پھلے پھولے جہاں اس زمانہ میں تعلیم کی طرف توجہ ذرا کم دی جاتی تھی ۔ تاہم باجوہ صاحب موصوف نے گھر میں نگرانی کا طریق جاری رکھا اور گھر سے باہر بھی نگرانی کرتے ۔ بیرون ملک جماعتی خدمات پر مامور رہ کر بھی اس عظیم شفیق باپ نے اپنے بچوں کی نگرانی کی ۔ ان دنوں فون تو ہوتے نہیں تھے۔ خطوط کے ذریعہ ہی رابطہ رہتا۔ باجوہ صاحب موصوف خطوط کے ذریعہ اپنی اہلیہ محترمہ سے تو رابطہ رکھتے ہی تھے اور بچوں کی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ دلاتے رہتے۔ آپ نے اپنے کم سن بچوں کو بھی مخاطب ہوکر خطوط لکھے اور ان کے ذریعہ ان کو اپنے خاندان کا تعارف کروایا اور اس کا نام عزت کے ساتھ زندہ رکھنے اور بڑے ہوکر جماعتی خدمات بجالانے کی طرف توجہ دلائی ۔ یہ خطوط مکرم باجوہ صاحب کے قلبی جذبات کے آئینہ دار ہیں جن سے ان کی جماعت اور خلافت سے محبت بھرپور طور سے عیاں ہوتی ہے۔

یہاں مکرم باجوہ صاحب موصوف کے اپنے بڑے بیٹے کرم منیر احمد باجوہ صاحب کے نام خلوص ومحبت سے بھرے تین خطوط نقل کئے جارہے ہیں جن میں سے دوخطوط آپ نے اپنے بیٹے کی دوسری اور تیسری سالگرہ پرتحریر کئے جونصائح سے بھرپور ہیں۔آج کی مادی دنیا میں سالگرہ کے موقع پر باپ اپنے بیٹے کو دنیاوی تحائف دیتا ہے اور Happy birthday to you کی صدائیں ہرطرف سے بلند ہوتی سنائی دیتی ہیں لیکن اس بزرگ ہستی نے اگرتحفہ دیا تو نصائح سے بھرپور خطوط کا جنہیں بچہ اپنی کم سنی کی عمر میں پڑھ بھی نہیں سکتا تھا۔

لیکن ان کے اثرات اتنے دیرپا اور لازوال ہیں کہ نصف صدی سے زائد عرصہ گزرجانے کے بعد جب بیٹا منیر تنہائی میں ابا کی یادوں میں کھویا ان خطوط کو پڑھتا ہوگا تو روح وجد میں آجاتی ہوگی۔ابا کے لئے دعائیں نکلتی ہوں گی اور یہ نصائح آج بھی طبیعت پر اثر پیدا کرتی ہوں گی۔جبکہ ڈبوں میں بند قیمتی سے قیمتی تحفہ بھی چند دنوں ،ہفتوں یا مہینوں کا مہمان ہوتا ہے مگر یہ خطوط آج بھی نہ صرف بیٹے منیر کے لئے سرمایہ حیات ہیں بلکہ تمام بہن بھائیوں اور ہم سب احباب جماعت کے لئے مشعل راہ بھی ہیں۔

- آپ اپنے پہلے خط میں اپنے بیٹے سے اس وقت مخاطب ہیں جب اس کی عمر دوسال تھی۔یہ خط محررہ 27 ستمبر 1948ء کا ہے۔آپ تحریر کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

عزیزم منیر! ہمیشہ خدا کی حفظ وامان میں رہو

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں یہ خط لندن کے دارالتبلیغ 63 میلر وز روڈ۔ایس ڈبلیو۔18 (16 گریسن ہال روڈ) سے لکھ رہا ہوں۔آج تم اپنی زندگی کے دوسال پورے کررہے ہو اور جب میں یہ خط ختم کروں گا تو تم اپنی امی کے پاس تیسرے سال میں قدم رکھ چکے ہوگے۔میری دعا ہے کہ خالق حقیقی تمہیں لمبی بامراد زندگی عطا فرمائے اور تم ہمیشہ ہی اس کی رضا کی راہوں پر چل کر اس کی خوشنودی

حاصل کرو۔تمہارے دل میں اسلام اور احمدیت کے لئے غیرت ہو اور اگر کبھی اس گلشن کی آبیاری کے لئے تمہارے خون کی ضرورت ہو تو تمہارا قدم لغزش نہ کھائے۔ بلکہ نہایت خندہ پیشانی سے اس آواز پر لبیک کہو۔ایسے مواقع ہمیشہ نہیں آیا کرتے۔

ماں بچے کی بہتر معلم ہوتی ہے۔ جوں جوں تم بڑھے ہو گے تمہاری امی تمہیں خاندانی حالات بتائے گی اور تم اپنی خداداد ذہانت اور فراست سے بھی معلوم کر لو گے۔ میں اس وقت صرف اتنا لکھ دیتا ہوں کہ تمہارے خون میں دنیوی وجاہت اور نیکی اور تقویٰ یعنی انسان کی زندگی کے دونوں پہلو موجود ہیں۔اپنے ذہن کے مطابق دونوں پہلوؤں کو ترقی دینا تمہارے اختیار میں ہے۔مگر خدا کرے کہ تم دین کو چھوڑ کر دنیا کو کبھی اختیار نہ کرو۔ میں اس بات پر گواہ ہوں کہ تمہارے پڑدادا یعنی میرے دادا مرحوم (اللہ تعالیٰ ان کے درجات ہمیشہ بلند کرتا رہے) نے دین کو دنیا پر ترجیح دی۔تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دونوں نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔ ہم معمولی زمیندار ہیں اور زمینداروں کی حالت کبھی ایک جیسی نہیں رہتی۔ میری پڑھائی کا زمانہ انتہائی اقتصادی بدحالی کا تھا۔ مگر ان کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے کبھی ہاتھ تنگ نہ ہونے دیا اور میں نے اپنے کانوں سے لوگوں کو یہ معجزہ تسلیم کرتے سنا ہے۔پس تم ان کے نقش قدم پر چلو۔ان کے پوتوں کی بہت سی اولاد ہو گی مگر تم خوش قسمت ہو کہ تمہیں انہوں نے اپنے ہاتھوں میں لیا۔ یہ نعمت کسی دوسرے کو نصیب نہیں۔ پس تمہاری ذمہ داری بھی دوسروں سے زیادہ ہے۔انہیں میرے ساتھ بہت محبت تھی بلکہ اس میں کوئی مضائقہ نہ ہوگا اگر میں یہ کہہ دوں کہ ہم سب بھائیوں میں سے میرے ساتھ زیادہ محبت کرتے تھے۔ان کے پاس مجھے تمہاری امی کے ساتھ رہنے کا موقع نہیں ملا۔اس لئے اپنے متعلق تمہاری امی ہی تمہیں بتا سکتی ہے۔مگر میرا اندازہ ہے کہ تمہاری امی بھی انہیں بہت عزیز تھی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں ان کی کوئی خدمت نہیں کر سکا۔آخری وقت بھی ان کے پاس موجود نہ تھا اور یہ حسرت مجھے ہمیشہ ہی رہے گی۔ میرے اعمال بھی ایسے نہیں ہیں کہ ان کی روح دیکھ کر خوش ہو۔اللہ تعالیٰ مجھے بخشے۔میری خواہش ہے کہ تم ان کے نقش قدم پر چل کر ان کی روح کو خوش کرو۔

دنیا کے جس حصہ میں تم اس وقت ہوا سے آج سے کچھ عرصہ پہلے (14 اگست) ہندوستان کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ مگر 14 اگست سے دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ تم اس وقت پاکستان میں ہو۔ تم جب بڑے ہو گے تو تاریخ کی کتابوں میں ان ایام کے حالات پڑھو گے تو عین ممکن ہے کہ موجودہ نسل پر لعنت بھیجو، سینکڑوں ہزاروں لوگ موجود ہوں گے جن سے تم موجودہ ایام کے قیامت خیز حالات زبانی سنو گے۔ وہ حالات ایسے بھیانک ہیں کہ ان کے تصور سے بھی جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور انسانیت شرم کے مارے پانی پانی ہو جاتی ہے ...... مسلمانوں پر ایسی مصیبت شاید پہلے کبھی نہ آئی ہوگی۔ میں ان سارے حالات کا اعادہ کرنا نہیں چاہتا ان کی ضرورت نہیں کیونکہ تم یقیناً وہ سنو گے اور پڑھو گے۔ میرا دل بھی اس دردناک داستان کو چھیڑنے کو نہیں چاہتا۔ صوبہ پنجاب کی تقسیم کے ساتھ ہمارا مرکز ''قادیان'' بجائے پاکستان میں آنے کے ہندوستان میں دے دیا گیا ہے اور یہ فیصلہ انگریزوں کے انصاف کی چادر پر بہت ہی بدنما دھبہ رہے گا۔ کیونکہ ایک انگریز نے خیانت کی۔ بددیانتی کی۔ دوقوموں نے اتفاق کر کے اس کو منصف تسلیم کیا۔ اس کم بخت نے اس اعتماد کا ناجائز فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کے گلے پر چھری پھیر دی۔ جس قوم کو اس نے خوش کیا۔ انہوں نے اتنا ظلم ہی کافی نہ سمجھا بلکہ مسلمانوں کو مٹانے کی ٹھان لی۔ لاتعداد بچوں اور بیگناہ عورتوں کو شہادت کا جام پلایا۔ ہزاروں عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔ وہ طوفان بدتمیزی روا رکھا کہ مقتولین کی صحیح تعداد تو کبھی بھی معلوم نہ ہو سکے گی۔ نقصان کا اندازہ بھی کبھی نہ ہو سکے گا۔ خدا تعالیٰ خود اس قوم سے بدلہ لے۔ ہماری جماعت یعنی جماعت احمدیہ اگرچہ سیاسیات میں حصہ نہیں لیتی اور ہمارا مرکز مذہبی مرکز ہے نہ کہ سیاسی اور جماعت نے اس احسان فراموش قوم پر کئی بار احسانات بھی کئے ہوئے ہیں مگر ان لوگوں نے قادیان کے اردگرد بھی مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ قادیان کی حد میں داخل ہو گئے اور شاید اس وقت کہ جب میں یہ خط لکھ رہا ہوں قادیان پر بھی حملہ ہو چکا ہو۔

قادیان خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ مرکز ہے۔ الہام میں اسے ''تخت گاہ رسول'' کہا گیا ہے۔

اس میں پیارے مسیح کا گھر ہے جس کے متعلق الہام تھا ''اِنِّی اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ''
قادیان کا چپہ چپہ شعائر اللہ میں داخل ہے۔اس کی ہر اینٹ سے ہمیں محبت ہے۔ یہاں اس زمانہ
کے ہادی اور مرسل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مزار ہے۔بہشتی مقبرہ ہے جہاں سینکڑوں صحابی
آرام کی نیند سو رہے ہیں۔تمہارے پڑ دادا اور ان کی رفیقہ حیات بھی وہاں محو خواب ہیں۔مسجد
مبارک، مسجد اقصی اور منارۃ المسیح ایسے شعائر اللہ ہیں۔ہم اس بستی کو کسی حالت میں چھوڑ نہیں سکتے
مگر اب حالات ایسے ہو رہے ہیں کہ شاید عارضی طور پر دارالامان ہمارے ہاتھ سے چلا جائے۔
حکومت جس کا کام ظالم کے ہاتھ کو روکنا ہوتا ہے اب ظالموں کی پشت پناہ بنی ہوئی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات میں ان حالات کی طرف اشارہ موجود تھا مگر ہم لوگوں نے اپنے اندر وہ تبدیلی پیدا نہ کی جو ہمارا آقا پیدا کرنا چاہتا تھا۔جماعت قربانی تو کرتی رہی مگر رفتار میں زیادہ ترقی نہ کی۔اس لئے ہمیں یہ دن دیکھنے نصیب ہوئے۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود (رضی اللہ عنہ) نے بار بار اس امر کی طرف توجہ دلائی۔حضور نے ایک خطبہ جمعہ میں فرمایا تھا کہ جو کچھ دیکھ رہا ہوں اس کا اظہار اس لئے نہیں کرتا کہ تم میں سے اکثر صدمہ سے ہی نہ مرجائیں چنانچہ یہ الفاظ ہم نے اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھے ہیں۔اخبار الفضل میں حضرت خلیفۃ المسیح کا پیغام شائع ہوا ہے۔جو میں درج ذیل کرتا ہوں۔

کیا آپ سچے احمدی ہیں؟

(1) اگر آپ سچے احمدی ہیں تو آج ہی سے اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں، دعاؤں پر زور دیں۔نمازوں پر زور دیں۔اگر آپ کی بیوی نماز میں کمزور ہے اسے سمجھائیں۔باز نہ آئے طلاق دے دیں۔اگر آپ کا خاوند نماز میں کمزور ہے اسے سمجھائیں اگر اصلاح نہ کرے تو اس سے خلع کرالیں۔اگر آپ کے بچے نماز میں کمزور ہیں تو ان کا اس وقت تک کے لئے مقاطعہ کر دیں کہ وہ اپنی اصلاح کریں۔

(2) جب موقع ملے نفلی روزے رکھیں اور اگر گزشتہ رمضانوں کے روزوں میں سے کوئی کمی

رہ گئی ہوتو جلد سے جلد وہ قرضہ اتاریں۔

(3) ان دنوں مسلمانوں پر بڑی مصیبت آئی ہوئی ہے آپ اس مصیبت میں حکومت اور افراد کی پوری امداد کریں۔

(4) آج ہی اپنے دل میں عہد کرلیں کہ قادیان کی حفاظت کرتے چلے جانا ہے اوراس بارہ میں جو سکیم بنی ہے اس پر فوراً عمل شروع کردیں۔ وہ سکیم دوسری جگہ درج ہے اوراگر ہندوستانی حکومت کے دباؤ سے ہمیں قادیان خدانخواستہ خالی کرنا پڑے تو ہراک احمدی قسم کھائے کہ وہ اسے واپس لے کر چھوڑے گا اوراگر اس میں دیر ہو تو ہر بچہ جب جوان ہو اس سے قسم لی جایا کرے۔ یادرکھو! قادیان خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ مرکز ہے اور ضرور تمہارے پاس رہنا چاہئے اور رہے گا انشاءاللہ۔ اگر عارضی طور پر کوئی روک پیدا ہو تو ہمارا فرض ہے کہ ہم ہر وقت اسے اپنی آنکھوں کے سامنے رکھیں۔

(5) اس مصیبت کے وقت میں زیادہ کماؤ، کم خرچ کرو۔ زیادہ سے زیادہ چندہ دو۔ اب کم سے کم چندہ پچاس فیصد آمد ہونی چاہئے اس سے زیادہ جتنی خدا تعالیٰ توفیق دے۔

(6) ہر ایک احمدی کو اجڑے ہوئے احمدیوں کو بسانے کے لئے پورا زور لگانا چاہئے۔ مگر تمہاری ہمدردی صرف احمدیوں سے نہیں ہونی چاہئے۔

ہر مسلمان کی ہمدردی تمہارا نصب العین ہونا چاہئے۔ اس وقت اختلافات پر زور دینا یا احمدی غیر احمدی میں فرق کرنا ایک قومی غداری ہے جن مسلمانوں پر ظلم ہوا ہے ان کے عقیدے یا فرقے کی وجہ سے نہیں ہوا۔ اس لئے ہوا ہے کہ وہ اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی امت کہتے تھے پس ظالموں نے ان آدمیوں پر ظلم نہیں کیا بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر ظلم کیا ہے۔ اور جن پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی وجہ سے ظلم ہوا۔ ہماری عقیدت اور ہمارے ایمان کا تقاضا ہے کہ ہم اس کی مدد کریں تا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر کسی کا احسان نہ رہے۔

(7) تم کبھی غریب اور بے کس پر ظلم نہ کرو۔ ہر ہندو اور سکھ بھی خدا تعالیٰ کا بندہ ہے اس کے بھائیوں نے اگر غلطی کی ہے تو ہم کو سوچنا چاہئے کہ کیا بھائی کی غلطی یاد رکھنے کے قابل ہے یا آسمانی

باپ کا رشتہ؟ ہم سب اپنے آسمانی باپ کے ذریعہ سے بھائی بھائی ہیں یعنی ان تمام اختلافات کے باوجود ایک ہندو بھی ہمارا بھائی ہے اور ایک سکھ بھی ہمارا بھائی ہے ہم اس کو ظلم نہیں کرنے دیں گے مگر ہم اس پر ظلم ہونے بھی نہ دیں گے۔ پھر یہ بھی سوچو کہ کسی دن یہی لوگ جب اسلام میں داخل ہو کر اسلام کی ترقی کا موجب ہوں گے۔ کل جس باغ کے پھل ملنے والے ہیں ہم اسے کیوں اجاڑیں۔

والسلام مرزا محمود احمد

14 ستمبر 1947ء

وہ حفاظت کی سکیم جس کا اس پیغام میں ذکر ہے یہ ہے:

قادیان کی حفاظت

حال کی شوریٰ میں یہ فیصلہ ہوا ہے کہ تمام جماعتیں اپنے 18 سال سے 55 سال کی عمر کے مردوں کی فہرست بنا کر ان کو آٹھ حصوں میں تقسیم کر دیں اور 8 /1 حصہ آدمی قرعہ ڈال کر فوراً قادیان کی حفاظت کے لئے بھجوا دیں۔ کیا آپ نے یہ کام شروع کر دیا ہے۔ قادیان سے دفاتر اور کارکنوں کا ایک بڑا حصہ فوراً نکلوانا ضروری ہے گزشتہ تین ماہ سے انہوں نے دن رات کام کیا ہے اور سب کام سلسلہ کے بند ہیں اس لئے فوراً نئے فیصلہ کے ماتحت باہر سے آدمی جانے چاہئیں۔ قادیان کی مرد آبادی کا 1/5 ہر وقت قادیان رہے گا۔ اس طرح قادیان پر پھر بھی دوسروں سے زیادہ بوجھ رہے گا۔ یہ وقت دیر کا نہیں فوراً اس انتظام کے ماتحت آدمی بجھوایئے اس میں مرضی کا سوال نہیں جبراً ہر شخص کو یہ خدمت دینی ہوگی اور تین ماہ تک یہ خدمت کرنی ہوگی۔ ہر تین ماہ کے بعد یہ ڈیوٹی بدلتی رہے گی۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

میرے لخت جگر! یہ پڑھ کر تم یہ اندازہ کر سکو گے کہ ہم کن حالات سے گزر رہے ہیں اور کس قسم

کی قربانی درکار ہے۔ یہ زندگی چندروزہ ہے دائمی زندگی اس کے بعد شروع ہوگئی اور وہی بہتر ہے۔ خدا شاہد ہے کہ کبھی تصور بھی نہ ہوسکتا تھا کہ ہم پر قادیان کو چھوڑنے کا وقت آئے گا مگر حالات ایسے پیدا ہو گئے ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ کاش میں اس وقت قادیان دارالامان ہوتا اور اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ ان کی تکلیف کی گھڑیوں میں شامل ہوتا مگر سات ہزار میل دور بیٹھا صرف دعا ہی کرسکتا ہوں اور اکثر خدا تعالیٰ اپنے گناہ گار بندوں کی بھی سن لیتا ہے۔ پرسوں یہ پیغام یہاں پہنچا ہے اسی وقت خدا تعالیٰ کو گواہ ٹھہرا کر یہ عہد کیا تھا کہ اگر قادیان دارالامان ہمارے ہاتھ سے چلا گیا تو اسے واپس لینا ہے کیونکہ یہ ہمارے لئے مقدر ہو چکا ہے لیکن زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ عین ممکن ہے کہ باوجود جدوجہد کے وہ دن ہماری زندگیوں میں نہ آئے تو میرے لخت جگر! میں اپنا عہد امانت کی شکل میں تمہارے سپرد کرتا ہوں کہ حضرت خلیفۃ المسیح کے ارشاد مبارک کے مطابق جوانی میں قدم رکھتے ہی یہ قسم کھانا کہ قادیان دارالامان ہمارا ہے اور واپس لینا ہے۔ اس کے لئے ہر ممکن تگ ودو کرنا اور اپنے باپ اور اپنی امی کو حشر کے دن بادشاہوں کے بادشاہ کے دربار میں رسوا نہ کرنا۔

میرے بیٹے! تم بڑھو۔ پھلو پھولو۔ خدا تعالیٰ کا سایہ تمہارے سروں پر ہو۔ دست سوال کسی کے آگے دراز نہ کرنا سوائے علیم وکریم خدا کے کہ وہ خزانوں کا مالک ہے اور باقی سب اس کی مخلوق ہیں۔

والسلام

تمہارا ابا ظہور احمد باجوہ

27-09-47

دوسرا خط

پہلے خط کو ماں نے پڑھ کر سینے سے لگایا ہوگا۔ نجانے کتنی دعائیں اپنے بچے کو دے کر اس خط کو بطور امانت اپنے بچے کے لئے سنبھالا ہوگا۔ ابھی اس خط کی بازگشت خاندان کے اندر سنائی دے رہی تھی کہ بیٹے منیر کے نام مورخہ 31 مئی 1948ء کو دوسرا خط بھی تحریر کردیا۔ جس کی عبارت یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم وعلی عبدہ المسیح الموعود

عزیزم منیر! سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آٹھ ماہ کا عرصہ ہوا ہے کہ میں نے آپ کے نام ایک خط لکھا تھا۔ وہ خط اس وقت تمہاری امی کے پاس بطور امانت موجود ہے جب تم ذرا بڑے ہو گے وہ تمہیں مل جائے گا۔ یہ میرا دوسرا خط ہے ان خطوط سے میری غرض یہ ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔ تمہاری امی اور میری یہ دلی خواہش، تمنا اور دعا ہے کہ ہم تمہیں پھلتا پھولتا دیکھیں مگر خدا تعالیٰ کے اسرار کریم نہیں پا سکتے اس لئے اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ شاید ہمارے پیدا کرنے والے مالک و آقا کو کچھ اور ہی منظور ہو اور اس وقت کے آنے سے پہلے ہی جس کے دیکھنے کی ہماری تمنا اور خواہش ہے ہم دونوں ہی یا ہم میں سے کوئی ایک اس جہاں میں نہ ہو۔ اگر ہم دونوں یا ہم میں سے کوئی ایک اس دن تک زندہ رہے تو موجودہ دور کے المناک حالات تم اپنے کانوں سے سن لو گے۔ پھر بھی میں یہ چاہتا ہوں کہ بعض ایسے واقعات جنہوں نے ہماری زندگیوں میں غیر معمولی اثر پیدا کیا ہے یا کرنے والے ہیں وہ اپنے ہاتھ سے تمہارے لئے ابھی سے قلمبند کر دوں۔

ہم لوگ جو احمدی کہلاتے ہیں محض خدا تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے کی غرض سے اس زمانہ کے ہادی اور مرسل حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لائے۔ ہمارا مرکز قادیان ہے۔ جس کو وحی الٰہی میں ''تخت گاہ رسول'' لکھا گیا ہے۔ یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مولد و مسکن ہے وہی پاک قصبہ اب آپ کی ابدی آرامگاہ ہے اور حضور کے علاوہ ہزاروں پاک مرد و زن وہاں آرام کی نیند سو رہے ہیں اپنے آقا کے قرب میں۔ قادیان شعائر اللہ میں سے ہے۔ مگر جیسا کہ میں اپنے پہلے خط میں لکھ چکا ہوں اس کے چھوٹ جانے کے خطرہ کا اظہار کرتے ہوئے اب یہ پاک زمین ہمارے ہاتھوں سے اس لحاظ سے چھن چکی ہے کہ جہاں ہماری حکومت اور دبدبہ تھا۔ وہاں اب چند احمدی درویشوں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ سارا قصبہ سکھوں اور اغیار کے قبضہ میں ہے۔

دارالمسیح اوراس کے ارد گرد تھوڑا سا حصہ ہمارے درویشوں کے پاس ہے وہ مساجد جن میں خدا تعالیٰ کا نام بلند ہوتا تھا اب غیر آباد پڑی ہیں بعض حصے مسمار بھی کر دیئے گئے ہیں بعض گند سے اٹی پڑی ہیں۔ خدائے واحد وقہار کا گھر اوراس کا یہ حشر! توبہ۔ خدا تعالیٰ کا خوف کس طرح ان نابکار لوگوں کے دلوں سے اٹھ گیا ہے۔

احمدی درویشوں کی تعداد 313 ہے یہ اس لئے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کفار مکہ کے ساتھ بدر کے مقام پر جنگ لڑی تھی اس میں مسلمانوں کی تعداد 313 تھی اور دشمن جو ہزاروں کی تعداد میں تھے خائب وخاسر ہوئے تھے۔ پس یہ عہد اسلامی تاریخ میں مبارک ہے ہمارے یہ درویش قادیان میں موت کو اپنی عیش وعشرت میں ترجیح دیتے ہوئے وہاں مکین ہیں اور دن رات موت کے منہ میں رہتے ہیں۔ کفار جس وقت چاہیں حملہ کر دیں بعض اوقات ان 313 میں سے بعض ایسے درویش جن کی باہر زیادہ ضرورت ہوتی ہے بلا لئے جاتے ہیں مگر بڑی مشکلات کے بعد۔ ان کے امیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک صحابی مولوی عبدالرحمن صاحب جٹ ہیں۔ ان کی زندگی قابل رشک ہے 11 مئی کو 34 افراد کا ایک قافلہ لاہور سے اس ارادہ کے ساتھ قادیان پہنچا ہے کہ تا تین ماہ دیار مسیح میں رہیں گے یا جب تک حکم نہ ملے ان میں بعض صحابہ بھی ہیں۔ بھائی عبدالرحیم صاحب قادیانی، بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی، منشی محمد الدین صاحب نام ہیں۔ ان کے ہاتھ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود (رضی اللہ عنہ) نے قادیان کے درویشوں کے نام ایک پیغام بھیجا ہے جس کی نقل میں نیچے درج کر رہا ہوں تم دیکھو گے کہ ان الفاظ میں کیا تاثیر ہے اور کتنے محبت سے بھرے ہوئے یہ چند الفاظ ہیں۔ ہمارے پیارے آقا کی دلی کیفیت کا آئینہ ہیں یہ الفاظ۔ میرے لخت جگر منیر! احمدیت کا سلسلہ قیامت تک رہے گا اوراس میں خلفاء بھی ہوتے رہیں گے مگر ایسا اولوالعزم خلیفہ کبھی نہ ہوگا۔ وہ لوگ بڑے ہی خوش قسمت ہیں جنہوں نے اس مصلح موعود کا زمانہ پایا اور میری دعا ہے کہ جس طرح تم سیدنا محمود کے زمانے میں پیدا ہوئے ہو تمہیں بڑے ہو کر اس مامور کی قیادت میں اسلامی فوج کے سپاہی بننے کا فخر حاصل ہو۔ آمین۔ اے میرے خدا! میرے آقا کو

غیر معمولی طور پر لمبی زندگی عطا فرما اس کی زندگی ہماری زندگیوں پر ممتد ہو آمین ۔ پیغام کی نقل یہ ہے۔عزیزم مولوی عبدالرحمن صاحب واصحاب صفّہ قادیان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کچھ صحابہ اور کچھ اور لوگ جو جوارِ مسیح موعود علیہ السلام کو دنیاوی زندگی پر فضیلت دیتے ہیں قادیان آ رہے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان کا قادیان آنا مبارک کرے۔ کچھ لوگ جو اور نہیں ٹھہر سکتے۔ واپس آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قربانی کو قبول کرے اور باہر آ کر بھی نیکی پر قائم رہنے اور قادیان رہنے کے ثواب کو بڑھانے کی انہیں توفیق بخشے۔ آپ لوگ جوارِ مسیح میں بیٹھے ہیں اور ہم مجبوراً باہر ہیں اور اس دن کے امیدوار ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی کامیاب طور پر وہاں آنے کی توفیق بخشے اور ہماری جلاوطنی کے دن چھوٹے کرے۔ آمین ۔ اگر سلسلہ کی ضروریات مجبور نہ کرتیں تو میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہوتا۔ لیکن زخمی دل اور افسردہ افکار کے ساتھ آپ سے دُور قادیان سے باہر بیٹھا ہوں ۔ نا معلوم وہ دن کب آتا ہے کہ میں اس مقام پر پہنچ سکوں جو خدا تعالیٰ کے رسول کی تخت گاہ ہے اور احمدیوں کا دائمی مرکز۔ آپ لوگ وہ ہیں جو ہزاروں سال تک احمدی تاریخ میں خوشی اور فخر کے ساتھ یاد رکھے جائیں گے اور آپ کی اولادیں عزت کی نگاہ سے دیکھی جائیں گی اور خدا تعالیٰ کی برکات کی وارث ہوں گی ۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا فضل بلا وجہ کسی کو نہیں چنتا اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کی اس قربانی کو بھی ضائع نہ ہونے دے اور برکتوں سے اپنا خانہ اعمال بھرتا چلا جائے اور کبھی ایسی ٹھوکر آپ کو نہ لگے۔ جو اس قربانی کو ضائع کر دے۔ اللھم آمین

آپ لوگ دعاؤں میں لگے رہیں تا خدا تعالیٰ جلد قادیان پھر ہمارے ہاتھوں میں دے اور پھر قادیان اور اس کے نواح میں احمدی ہی احمدی نظر آئیں۔ اللھم آمین

والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد

کاش میں بھی اس وقت قادیان میں ہوتا اور حضرت خلیفۃ المسیح کے اس خط کا مخاطب ہوتا۔ مگر سوائے سات ہزار میل دور بیٹھے کڑھنے کے اور کچھ نہیں کر سکتا۔

اے میرے عزیز! میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر تمہاری زندگی میں تمہیں ان درویشوں سے واسطہ پڑے۔ تو ان کے منصب اور فخر کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان سے معاملہ کرنا۔ خدا تعالیٰ نے ان کو عزت دی ہے اور ان کی اولادوں کو بھی عزت دی ہے ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی عزت کریں اور ان کی اولادوں کی بھی عزت کریں۔ دنیاداروں کو یہ لوگ پاگل اور دیوانے نظر آتے ہیں مگر دنیا کو ہم بتائیں کہ یہ درویش کہلانے والے خدا تعالیٰ کی نگاہ میں مقبول ہیں اور ہمارے لئے قابل صد رشک۔ انہوں نے اپنی قربانی سے اس زمانہ میں اسلام کے نام کو زندہ رکھا ہے اور حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا نمونہ دکھایا ہے۔ احمدیت کی آئندہ آنے والی نسلوں کا فرض ہے کہ ان درویشوں پر بجا طور پر فخر کریں نہ صرف ان کے نام ہی عزت اور فخر کے ساتھ لیں بلکہ فی الواقع ان کا احترام اور عزت قائم کریں۔

خدا تعالیٰ تمہیں اس کی توفیق دے اور تم خدا تعالیٰ کی حفظ وامان میں رہو۔ آمین

والسلام

تمہارا ابا (ظہور احمد باجوہ) از لندن

31/5/48

تیسرا خط

مکرم باجوہ صاحب موصوف نے تیسرا خط اپنے بیٹے کو (جب وہ تین سال کے تھے) فلارنس اٹلی سے مورخہ 27 ستمبر 1949ء کو تحریر کیا۔ آپ اپنے بیٹے سے مخاطب ہو کر لکھتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم وعلی عبدہ المسیح الموعود

میرے پیارے منیر! ہمیشہ خدا تعالیٰ کی امان میں رہو۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج تم اپنی زندگی کی تین بہاریں پوری کر چکے ہو۔میری دعا ہے کہ مولا کریم ہمیں تمہاری ایسی سینکڑوں بہاریں دکھائے۔آمین

تم سلامت رہو تا قیامت

خدا کرے قیامت نہ ہو

میں یہ چند حروف ملک اٹلی کے شہر فلارنس سے لکھ رہا ہوں۔ میں حضرت خلیفۃ المسیح کے ارشادمبارک کے ماتحت ایک ضروری اور اہم کام کے لئے یہاں اس ملک میں تھوڑے عرصے کے لئے آیا ہوں یہاں سے واپس انگلستان جانے کے بعد غالباً پاکستان کو واپسی ہوگی۔تمہیں اس دن چھوڑ کر آیا تھا تمہاری شکل بھی اچھی طرح نہ دیکھی تھی۔اس بات سے تمہاری امی مجھ سے ش کی بھی تھیں اور شاید اب بھی ہیں۔

اب میں نے مختلف ممالک دیکھ لئے ہیں اور مختلف لوگ بھی۔ پہلے صرف دوسروں سے سنا تھا مگر اب تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ بغیر محنت کے انسان زندگی میں آرام حاصل نہیں کرسکتا اور نہ ہی عزت۔اس لئے تم بچپن سے ہی محنت اور سادہ زندگی کے عادی بنو۔محنت اور سادگی ابتدا میں مشکل مسئلہ ہوں گی۔مگر استقلال سے اگر تم ان پر کاربند رہے تو یہی مشکل بعد میں آسانیاں پیدا کردے گی۔جولوگ بچپن کی عمر کو آرام میں گزارتے ہیں وہ آخری حصہ میں تکلیف اٹھاتے ہیں۔بہتر ہے کہ ابتداء میں تکلیف اٹھا کر علم حاصل کرو اور پھر اپنے اس خداداد علم کے چشمہ سے پیاسی دنیا کی پیاس بجھاؤ۔

یہ دنیا چندروزہ ہے آخر میں فنا ہے۔اصل زندگی وہی ہے جو اس کے بعد شروع ہوئی ہے۔ جس کے لئے ہم زادراہ تیار کرنے کے واسطے اس دنیا میں آتے ہیں۔اس لئے خدا کرے کہ اس فانی دنیا کی محبت کبھی تمہارے دل میں پیدا نہ ہو خدا تعالیٰ کی محبت کے ساتھ اپنے دل کو روشن کرو کہ وہی ملجاؤ ماوٰی ہے۔اپنی ہر ضرورت اسی سے طلب کرو کہ اس کے بغیر کوئی سہارا نہیں یہی کامیابی اور خوشی کا بڑا گر ہے۔خدا کرے کہ تم اپنی ابتدائی زندگی میں اس کو سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہو۔

مجھے اس سفر کے دوران میں ہی اخبار الفضل دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ایک پرچہ میں حضرت خلیفۃ المسیح کا تازہ کلام شائع ہوا ہے۔

میں اپنے ذوق کے مطابق تمہارے لئے چند اشعار اس نظم میں سے لکھتا ہوں۔

ذکرِ خدا پر زور دے ظلمتِ دل مٹائے جا
گوہر شب چراغ بن دنیا میں جگمگائے جا

خدا تعالیٰ اور بندے کا تعلق تنگی میں، آسائش میں، عسر میں، یسر میں یہ ہو کہ بندہ ہر حالت میں خدا تعالیٰ کی رضا میں راضی ہو۔

جو لگے تیرے ہاتھ سے زخم نہیں، علاج ہے
میرا نہ کچھ خیال کر زخم یوں ہی لگائے جا

زندگی کا مقصد اور احمدی نوجوانوں کے لئے مشعل راہ۔

منزلِ عشق ہے کٹھن راہ میں راہزن بھی ہیں
پیچھے نہ مڑ کے دیکھ تو آگے قدم بڑھائے جا
عشق کی سوزشیں بڑھا جنگ کے شعلوں کو دبا
پانی بھی سب طرف چھڑک آگ بھی تو بجھائے جا

منیر! میری دعا ہے۔خدا تعالیٰ تمہیں ایسا ہی بنائے۔آمین

والسلام

تمہارا ابا ظہور احمد باجوہ

27/9/48

مکرم ظہیر احمد باجوہ صاحب کا وقف اور والد کی خوشی

مکرم ظہیر احمد باجوہ صاحب اپنے وقف کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں۔

ایک دفعہ حضرت نواب مبارکہ بیگم رضی اللہ عنہا نے 1970ء میں میری امی سے کہا کہ ظہیر کو وقف کر دیں اور امی اس بات کا تذکرہ اکثر مجھ سے کرتی رہتی تھیں۔اس پر میں نے 1983ء میں

وقف کا خط حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کو لکھ دیا۔ میری عمر اس وقت 24 سال تھی۔ میری پیدائش 1958ء کی ہے۔

میرے خط کا جواب حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی طرف سے آیا تو وہ دفتر امور عامہ کے پاس چلا گیا اور ابا نے روٹین کی ڈاک میں اسے کھول لیا۔ دفتر سے فارغ ہو کر جب گھر آئے تو سب سے پہلے مجھے مخاطب ہو کر فرمایا۔

ظہیر! مجھے معاف کر دو میں نے تمہارا خط کھول لیا ہے۔ میں روٹین کی ڈاک کھول رہا تھا تو اس میں تمہارا خط بھی کھل گیا۔

پھر میری گردن کو پکڑ کر دونوں طرف چوما اور وقف قبول ہونے پر مبارکباد دی۔

امی کو بھی میرے وقف کا اس وقت علم ہوا۔ آپ برجستہ بولیں کہ ایک بیٹے کو تو میرے پاس رہنے دیں۔ میری خواہش ہے کہ لاہور میں اس کا گھر ہو تو ابا مرحوم نے جواب دیا کہ اس کا بھی گھر ہو گا۔ وقف کے بعد میں امریکہ چلا آیا اور 1991ء میں مکان خریدنے کی توفیق ملی۔ انہی دنوں امی ابا دونوں امریکہ آرہے تھے مکان کو دیکھ کر والدہ محترمہ سے مخاطب ہو کر ابا نے فرمایا کہ آپ کہتی تھیں کہ ظہیر کا اپنا گھر ہو۔ دیکھو ظہیر کا اب اپنا گھر ہے۔

بچوں میں سے کسی کو بھی جماعتی خدمت کی توفیق ملتی تو ابا جان کو بہت خوشی ہوتی۔ امریکہ میں جب خدمات دینیہ میرے سپرد ہوئے تو ابا جان کو بہت خوشی ہوئی۔ امریکہ میں جب خدمات دینیہ میرے سپرد ہونے لگیں تو خاکسار نے ابا مرحوم کو دُعا کے لئے لکھا تو ابا جان نے درج ذیل خط مجھے لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

پیارے ظہیر! اللہ تعالیٰ کی حفظ و امان نصیب ہو

آپکا خط ملا۔ بڑی خوشی ہوئی کہ خدمت دین کی کوئی ڈیوٹی آپ کے سپرد ہونے والی ہے۔ اب تک تو شاید ہو چکی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ اخلاص اور محنت سے فرائض پورا کرنے کی توفیق دے۔ آمین

میں نے جب بی اے کیا تھا وہ زمانہ بڑی غربت کا تھا اور لوگوں کی آمدنی محدود ہوتی تھی۔ ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں کلرک کو 25 روپے ملا کرتے تھے۔ میں نے بھی سیالکوٹ میں نوکری شروع

کی اور پہلے مہینہ کی تنخواہ 16 روپے ملی۔ کیونکہ پورا مہینہ کام کیا تھا۔ اس وقت مجھے ابا جان نے فرمایا اپنی والدہ کا ایک پیغام سن لو اور فرمایا کہ خواب میں تمہاری والدہ نے آپ کے لئے یہ پیغام دیا ہے کہ اگر ملازمت میں کبھی تنخواہ 100 روپے سے زائد ہو تو ساری تنخواہ کا 1/3 اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا کرو اور صرف 2/3 اپنا سمجھنا۔ میں سیالکوٹ چھوڑ کر جلد ہی نئی دہلی چلا گیا۔ جنگ کے دن تھے بھرتی کارکنوں کی ہوتی رہتی تھی دو تین ماہ کے بعد میری تنخواہ 120 ہوگئی۔ میں نے والدہ صاحب مرحومہ کی وصیت پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ جب میں وقف کر کے قادیان آ گیا تو ابا جی نے فرمایا کہ چونکہ آپ نے اب زندگی وقف کر دی ہے اس لئے 1/3 حصہ والی بات ختم سمجھیں کیونکہ یہ اقدام 1/3 حصہ آمد کا دینے سے آگے ہے اور اس میں دین کی خدمت کا اشارہ ہی معلوم ہوتا ہے۔

میں نے 1/3 دینے میں کوئی دقت محسوس نہ کی اور نہ ہی کبھی مال و دولت جمع کرنے کا خیال دل میں آیا ہے، نہ ہی مال و دولت سے پیار رہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے تمام ضروریات پوری ہوتی رہتی ہیں اور کبھی دولت کی خواہش پیدا نہیں ہوئی ہے۔ اور نہ ہی کبھی کسی مالی تحریک میں شامل ہونے سے مجھے مالی کمی محسوس ہوئی ہے نہ کبھی احساس کمتری ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ساری ضروریات پوری کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے لمبا عرصہ خدمت دین کی توفیق بخشی اور عزت دی۔ جب میں نے وقف کیا اس وقت حضور نے بہت دفعہ اپنے خطبات میں فرمایا تھا کہ **ایک وقت آئے گا کہ وقف خاندانوں کی عزت کا معیار ہوگا میں اس کا گواہ ہوں۔** مجھے بہت عزت ملی ہے میرے بچے اپنی اپنی جگہ خوشحال ہیں۔ آسودہ ہیں کوئی محتاج نہیں۔ باعزت زندگی گزار رہے ہیں۔ مجھے میرے بچوں کی طرف سے کوئی تکلیف نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ آپ اپنے اپنے کاروبار میں مطمئن ہیں۔ اللہ کرے آپ کبھی کسی کے محتاج نہ ہوں اور اس کی طرف سے آپ کو رزق حلال ملتا رہے۔ دین کی خدمت کرنے والے ہوں۔ بہن بھائی آپس میں پیار محبت سے رہیں۔ ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک ہوں اور اپنی سب حاجات خدا تعالیٰ سے مانگیں وہی حاجت روا ہے۔

1955ء میں حضرت صاحب علاج کے لئے یورپ تشریف لے گئے واپس آئے تو ایک دن عصر کی نماز پڑھا کر مجلس کے لئے بیٹھ گئے اور مجھے یاد فرمایا میں نماز میں دیر سے شامل ہوا تھا۔ کسی نے کہا کہ وہ دیر سے نماز میں شامل ہوئے تھے اس لئے نماز پوری کر رہے ہیں۔ میں نماز سے فارغ ہوا تو کسی نے کہا آپ کو یاد کیا گیا ہے۔ میں پاس چلا گیا تو فرمایا **میں بیٹھوں تو تم بھی میرے پاس آ کر بیٹھ جایا کرو۔** جب مجلس برخواست ہوئی تو ایک شخص میرے پاس آیا اور مجھے کہا۔

کیا میں آپ سے معانقہ کر سکتا ہوں؟ میں نے کہا کر لیں اس نے کہا کہ کیا آئندہ بھی ایسا کر سکتا ہوں۔ میں نے کہا کر سکتے ہیں۔ وہ جہلم کے پاس ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ جب بھی ربوہ آتے میں دفتر ہوں یا گھر پر وہ پہلے اڈہ سے اُتر کر میرے پاس آتے۔ معانقہ کر کے پھر اپنے گھر جاتے اور واپسی بھی ایسی ہی کرتے۔ میں نے ایک دن ان سے کہا کہ آپ یہ تکلیف کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا جس آدمی کو خلیفہ وقت بلا کر اپنے پاس بٹھائیں اس سے بڑا خوش قسمت اور کون ہو سکتا ہے۔ ایسے شخص کو ملنا بڑی خوش نصیبی ہے۔

والسلام ظہور احمد باجوہ

10-10-94

باب نمبر 4

اخلاقیات

- اخلاقیات
- غرباء پروری
- خدمت خلق
- عیادت وتعزیت
- مہمان نوازی
- کفایت شعاری
- قواعد وضوابط وقانون کی پابندی
- صاف گوئی
- دفتری امور میں مداخلت سے ممانعت
- شادی بیاہ پر سادگی
- مالی قربانی میں پیش پیش
- اشاعت دین میں مالی قربانی
- مساجد کی صفائی
- نمازوں کے پابند
- قرآن کریم سے محبت
- مطالعہ کتب

اخلاقیات

درمیانہ قد، کھلتا گندمی سفیدی مائل رنگ، دُبلا مگر متناسب جسم، خوش شکل، خوش لباس، سادہ اور درویشانہ مگر شگفتہ طبیعت، نہایت نفیس لباس زیب تن کئے ہوئے۔ عموماً سفید شلوار قمیض کلف لگے لباس میں ملبوس کبھی کبھار شیروانی بھی پہن لیتے۔

چہرہ پر سنجیدگی اور وقار کے نمایاں آثار، چال میانہ رو، کم گو، دھیما مزاج اور گفتار میں متانت اور وقار، دھیمی آواز میں کلام کرنے کے عادی مگر ہم ذوق لوگوں سے گھنٹوں گفتگو کرنے والے بے تکلف وفا شعار دوست اور مزاح والی طبیعت تھی، مزاح کرتے اور مذاق کو برداشت بھی کرتے۔ ہمدرد، مشفق، غریب پرور، ملنسار، ہر ایک سے محبت کرنے والے، غمگسار، غمخوار اور محسن، اقرباء کے حقوق اسلامی تعلیم کے مطابق ادا کرنے والے، اپنی بے پناہ خوبیوں کی وجہ سے ہر دلعزیز، صاحب الرائے مگر دوسروں کی رائے کا احترام کرنے والے، اختلاف رائے رکھنے والوں سے وسعت قلبی کا مظاہرہ کرنے والے، جوہر شناس، اپنے نفس پر ضبط کرنے کی قدرت رکھنے والے تھے۔ نافع الناس وجود، صاحب اثر اور رسوخ پیدا کرنے والے اور فٹ بال کے اچھے کھلاڑی تھے اور نوجوان کاشت کار کلب چک 33 کے ممبر بھی تھے۔

صاف دل، صاف زبان، صاف طبیعت کہ چالاکی، چاپلوسی، دنیا داری اور بناوٹ وظاہر داری اور مداہنت قریب بھی نہ پھٹکنے پائی۔ طبیعت میں تفاخر نام کی کوئی شے نہ تھی۔ عاجزی تھی اور کبھی بھی اس بات پر احساس محرومی نہ ہوا کہ یہ چیز میرے پاس نہیں دوسروں کے پاس ہے۔ مہمان نوازی اور غناء جیسی صفات سے متصف تھے۔ اشارۃً کبھی بھی کسی سے ذاتی ضرورت کا اظہار نہ کیا گویا خوددار تھے۔

آپ مثالی داعی الی اللہ تھے آپ کو اللہ تعالیٰ نے تبلیغ حق کا بے پناہ جذبہ عطا فرما رکھا تھا آپ کے ذریعہ سینکڑوں افراد نے احمدیت قبول کی۔

صبر و رضا کے پیکر، قناعت و اطاعت کا ایک نمونہ جن کی تمام تر کاوشوں اور جد و جہد کا

دائرہ اپنے خالق حقیقی کی رضا کا حصول اور اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیار و محبت اور عقیدت کا عملی اظہار ، تمام عمر تنگی و ترشی و آسائش میں شکر کی ایک زندہ مثال۔ فرمانبردار، شریف النفس ، صوم وصلوۃ کے پابند، نیک دل، خدا ترس ، راست گو، مستقل مزاج، تہجد کے پابند، دعا گو، مالی قربانی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے اور ابتلاؤں اور مشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

آپ کا طرّہ امتیاز اپنے مفوضہ کام کو نہایت توجہ، محنت، خوش اسلوبی، دیانتداری اور جلد سے جلد ادا کرنا تھا۔ آپ کی طبیعت کمانڈ (Command) کرنے والی تھی مگر جماعتی نظام میں تمام زندگی عجز و انکساری کے ساتھ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا پر عمل کرتے ہوئے گزاری۔ جماعت سے ، نظام جماعت سے اتنی گہری محبت کی کہ کبھی کہیں کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ خلافت سے غیر معمولی محبت اور فدائیت رکھنے والے، غیور۔ اپنے اعلیٰ اخلاق سے ہر ایک کا دل جیتا۔ حقوق اللہ، حقوق العباد بہت محنت سے اپنی ہمدردانہ طبیعت کے پیش نظر بجالاتے رہے۔

غیر معمولی ذہانت کے مالک، بالغ النظر، انتظامی امور میں آپ کی نظر اتنی گہری ہوتی کہ بعض اوقات حیرت ہوتی کہ ایسی سادہ طبیعت کا انسان مگر اصولی اور انتظامی امور میں اتنا ذہین اور دور رس کہ قابل رشک، دفتر کی بات بھی گھر نہ کرتے۔

آپ طبعًا صفائی پسند تھے۔ طبیعت میں بہت نفاست تھی۔ گھر میں اپنی اشیاء Proper جگہ پر رکھتے۔ روٹین ورک کے عادی تھے گھر میں مہمان بھی آئے ہوتے تو روٹین کے کاموں میں خلل نہ آنے پاتا۔ کبھی کبھار گھر کے کام کاج خود بھی کر لیتے۔

غرض اعلیٰ اخلاق کے مالک اور نیک صفت انسان تھے۔ آپ نے کامیاب زندگی گزاری اور اپنی کامیاب زندگی میں جو کہا خود اس پر پہلے عمل کیا۔

غرباء پروری

آپ غریب پرور تو تھے ہی۔ یتامیٰ ، مساکین، بیواؤں اور غرباء سے بہت عزت سے پیش

آتے۔اوراکثر قرآنی حکم ’’سِرًا‘‘ کوپیش نظر رکھتے۔اس کی ایک وجہ یہ تھی کے غرباء کی عزت نفس قائم رہے۔آپ کے بھانجے مکرم انصر احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ آپ کی وفات پر جب مرد اورخواتین تعزیت کے لئے گھر آنے لگیں تو اس وقت ایسی خواتین کوبھی دیکھا گیا جن کوممانی جان پہچانتی نہ تھیں وہ خواتین ممانی سے اس امر کا اظہار کر رہی تھیں کہ باجوہ صاحب بہت مشفق اور غریب پرور تھے۔انہوں نے تو ہمارے بچوں کے وظیفے لگائے ہوئے تھے اور فلاں موقع پر انہوں نے ہماری مدد کی تھی۔اگر کسی کومعمولی رقم کی عدم ادائیگی پر اجتماعی انتظام کی طرف سے سزا کا ذرا بھی احتمال ہوتا تو فوراً اپنی جیب سے ادا کر کے اس غریب کے ایمان کی حفاظت کرتے۔

مکرم میجر (ر) چوہدری مبارک احمد باجوہ صاحب تحریر کرتے ہیں

غریبوں سے ان کا سلوک ہمدردانہ ہوتا۔ان کی ذاتی زرعی زمین سے ان کی ذات کو اتنا فائدہ نہ تھا جتنا دوسرے لوگوں کو ہوتا تھا۔گاؤں کے امام مسجد کو ہر سال ایک جوڑا کپڑوں کا اور مٹھائی کا ایک ڈبہ عید پر دیا کرتے جس کا اظہار مجھ سے خود گاؤں کے امام نے کیا۔

خدمت خلق اور مستحق کو اس کا حق دلانا

خدمت خلق کا جذبہ بھی آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔بے نفس ہوکر صرف رضائے باری تعالیٰ کے حصول کے لئے مخلوق کی خدمت کرتے۔

مکرم انجینئر محمود مجیب اصغر صاحب بیان کرتے ہیں۔

خاکسار کے ابا مکرم ماسٹر فضل الرحمن صاحب نے دارالصدر میں مکرم باجوہ صاحب (مرحوم) کے گھر کے پاس ہی مکان تعمیر کرنے کے لئے پلاٹ خریدنا چاہا۔مالک کافی مہنگی زمین فروخت کر رہا تھا۔آپ نے اس میں مداخلت کی اور مالک زمین سے مخاطب ہوکر فرمایا۔کافی لمبا عرصہ سے میں یہ پلاٹ خالی پڑا دیکھ رہا ہوں۔کوئی تمہیں اس کا 30 ہزار دینے کو تیار نہیں تھا اب تم اس کا 65 ہزار ان سے وصول کر رہے ہو۔چنانچہ آپ کی مداخلت سے مالک مکان کم قیمت پر پلاٹ فروخت کرنے پر مجبور ہو گیا۔آپ اس وقت ناظر امور عامہ تھے۔

عیادت وتعزیت

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مومن کو 7 باتوں کے کرنے اور 7 باتوں سے رُکنے کی نصیحت فرمائی ہے۔مکرم باجوہ صاحب کی زندگی ان 14 اوامر ونواہی کے مطابق تھی۔جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا۔ان میں عیادت، جنازہ میں شرکت شامل ہے۔(بخاری کتاب الادب)

آپ ممکن کوشش کرتے کہ بیمار کی تیمارداری اور عیادت کی جائے اور جنازہ میں شرکت اور گھر والوں سے تعزیت کرنا بھی آپ کی زندگی میں شامل تھا۔

الفضل میں شائع ہونے والے دعائیہ اعلانات ضرور پڑھتے اور نہ صرف خود دعا کرتے بلکہ اولاد اور عزیز واقارب کو بھی دعا کے لئے کہتے اور اگر ممکن ہو سکے تو عیادت یا تعزیت بھی کرتے۔ مؤلف کتاب ہذا اس بات کا گواہ ہے۔خاکسار کے آپ سے خاص مراسم بھی نہ تھے مگر میرے ابا جان مکرم چوہدری نذیر احمد صاحب سیالکوٹی کی وفات کی اطلاع الفضل سے پڑھ کر امریکہ سے خط کے ذریعہ میرے تایا جان سے آپ نے تعزیت کی اور لکھا کہ

''میں مرحوم کے بچوں میں سے کسی کو ذاتی طور پر نہیں جانتا۔آپ ان کے ساتھ میری طرف سے تعزیت کر دیں۔میں شکر گزار رہوں گا۔سرکاری ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد مرحوم نے خدمت دین کی اچھی مثال قائم کی ہے امید ہے ان کی اولاد بھی اس معاملے میں ان کے نقش قدم پر چلے گی۔''

مہمان نوازی

مکرم منیر احمد باجوہ صاحب بیان کرتے ہیں۔

ابا بہت مہمان نواز تھے کوئی دن ایسا نہ ہوتا کہ گھر میں مہمان نہ ہوتا آپ مہمان کو دیکھ کر خوشی محسوس کرتے تھے۔ابا نے جب نیا گھر بنایا تو اس گھر میں ہم امی ابا اور 5 بہن بھائیوں کے علاوہ 16 افراد رہائش رکھے ہوئے تھے۔جن میں مختلف عزیز واقارب شامل تھے جو ربوہ تعلیم حاصل

کرنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ان دنوں میرے ایک چچا جان (جو ابّا جان کی دوسری والدہ سے تھے) بھی رہائش پذیر تھے۔ چونکہ مکان نیا نیا بنا تھا ہمیں بھی بہت خوشی تھی کہ اب ہمیں الگ الگ کمرہ میسر آئے گا جیسے نو جوانی میں اس امر کی خواہش بھی ہوتی ہے کہ علیحدہ کمرہ ہو۔ میرا اپنے اس چچا سے اس بات پر معمولی جھگڑا ہو گیا۔ میں کہوں کہ یہ میرا کمرہ ہے۔ وہ کہیں کہ اس میں میں نے رہنا ہے اس دوران میں نے بچپنے میں چچا جان سے کہہ دیا کہ گھر تو ہمارا ہے آپ کیوں اس کمرہ میں رہائش اختیار کرنے پر بضد ہیں۔ اس پر وہ ناراض ہو کر گاؤں واپس چلے گئے۔ دو چار روز جب ابا مرحوم کی چچا جان سے ملاقات نہ ہوئی تو ابا نے چچا بارے پوچھا جب انہیں یہ علم ہوا کہ وہ ناراض ہو کر واپس گھر چلے گئے ہیں تو مجھے کرایہ دے کر اس ہدایت کے ساتھ گاؤں بھجوایا کہ جاؤ اور جو بھی بن پڑے اپنے چچا کو اپنے ساتھ واپس لاؤ۔

اسی طرح ٹرینیڈاڈ سے مکرم حنیف یعقوب صاحب جامعہ میں تدریس کی غرض سے آئے ان کے لئے ماحول مختلف تھا کھانا اپنی پسند کا نہ تھا۔ ویسے بھی چھوٹی عمر کے تھے۔ اپنی طبیعت سے موافق حالات نہ پا کر انہوں نے تدریس مکمل کئے بغیر واپسی کا ارادہ کر لیا جب ابا مرحوم کو اس بات کا علم ہوا تو آپ ان کو اپنے گھر لے آئے۔ ان کی رہائش کے لئے آسانیاں پیدا کیں۔ کھانا پسند کا تیار کروا کر دیتے رہے۔ انہوں نے چار سال تک ہمارے گھر میں مقیم رہ کر جامعہ کی تعلیم مکمل کی اور مبلغ بن کر اپنے ملک کو واپس لوٹے اور اب الحمدللہ کامیاب مبلغ ہیں۔

مکرم میجر (ر) مبارک احمد باجوہ صاحب نے مؤلف کتاب ہذا کو بتلایا کہ ابا جان نے ایک دفعہ بھائی جان ظہور باجوہ صاحب کے گھر رنگ برنگی پاؤں والی چار پائیاں دیکھ کر 300 روپے دے کر بھائی جان کو ہدایت فرمائی کہ اس کی 20 چار پائیاں خرید لیں۔ بھائی جان نے ابا جان کو کہا کہ 20 چار پائیاں میری فیملی کی ضرورت سے بہت زیادہ ہیں۔ مگر ابا جان 20 چار پائیاں خریدنے پر مصر رہے۔

بعد میں ہم نے دیکھا کہ گاؤں سے، سیالکوٹ سے اور دوسرے علاقوں سے مہمانوں کا

تانتا بندھا رہتا تھا۔ میں نے 4 سال آپ کے ہاں قیام کر کے کالج کی تعلیم حاصل کیا۔ میں نے نہیں دیکھا کہ 7، 8 افراد سے کم آپ کے ہاں مہمان ہوں۔ بعد میں میں ملازم ہو گیا۔ میری تنخواہ بھائی جان کے الاؤنس سے زیادہ تھی۔ مجھے حیرانگی ہوتی تھی کہ کس طرح اسقدر قلیل آمد میں آپ روزانہ ہی 7، 8 افراد کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔

کفایت شعاری

آپ کی ایک خوبی کفایت شعاری تھی۔ آپ کی یہ عادت گھر کے اخراجات میں بھی نظر آئی اور جماعتی کاموں میں بھی۔ گو آپ کفایت شعار تھے مگر دل کے بہت کھلے تھے، کنجوس نہ تھے۔ ضرورت کی ہر چیز خریدتے مگر غیر ضروری اشیاء خریدنے سے اجتناب کرتے اور جماعتی امور میں ایسے طریق اپناتے جن سے سلسلہ کی رقم زیادہ خرچ نہ ہو۔

1970ء کے یورپ اور افریقہ کے دورہ پر آپ کے چھوٹے بھائی مکرم محمد سلیم باجوہ صاحب کو بھی ساتھ جانے کا موقع ملا۔

دورہ پر جانے سے قبل آپ نے بھائی کو نصیحت کی کہ سفر میں اپنے ساتھ ایسے کپڑے رکھ لینا جو استری نہ کرنے پڑیں Wash n Wear کپڑا ہو جو دھویا اور پہن لیا۔ استری کرنے سے جماعت پر بوجھ بھی بڑھے گا اور وقت کا ضیاع بھی۔

مکرم منیر احمد باجوہ صاحب کفایت شعاری کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں۔

کفایت شعاری اور جماعت کی رقوم کی حفاظت اور احتیاط کے ساتھ استعمال کا یہ عالم تھا کہ لندن کا موسم تو ٹھنڈا ہے ہی اور برفباری بھی ہوتی ہے اور سرما موسم میں تو سردی بہت بڑھ جاتی ہے جبکہ گھر میں Heating کا انتظام نہ تھا۔ گھر میں کوئلہ جلتا تھا اور ہفتے میں ایک دن گرم پانی نہانے کے لئے میسر ہوتا۔ جب مشن ہاؤس میں پہلی دفعہ گیس ہیٹر لگے تو ہم بہت خوش ہوئے کہ اب اس موسم میں کسی حد تک سردی سے نجات مل جائے گی۔ جب اس کا بل آیا جو آج کے دور کے حساب سے بہت معمولی چند پونڈ تھا تو آپ نے گیس کٹوا دی کہ جماعت یہ خرچ برداشت نہیں کر سکتی۔

قواعد وضوابط وقانون کی پابندی

مکرم ظہیر احمد باجوہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ ابا جان کی زندگی بہت منظم تھی اور جماعتی قواعد وضوابط اور ملکی قوانین کی سختی سے پابندی کرتے تھے اور ہم سب سے بھی کرواتے۔ میں نے بارہا دیکھا کہ فیملی میں بھی چونکہ آپ بڑے اور صاحب الرائے تھے اور سچی بات کہنے اور سننے کے ناطے سے خاندان میں بھی ایک مقام رکھتے تھے۔ خاندان کے اکثر فیصلے کرتے یا خاندان میں کثرت رائے سے ہونے والے فیصلے کی پابندی کرواتے۔ مجھے یاد ہے ایک وقت شادی کے اخراجات کی فہرست گورنمنٹ کو بھجوانی ہوتی تھی۔ اکثر لوگ اس کی پرواہ نہ کرتے تھے مگر آپ نے باقاعدگی سے اپنے بچوں کی شادیوں کے اخراجات کی فہرست ڈپٹی کمشنر کو بھجوائی۔ اسی طرح TV کا لائسنس وغیرہ سال بہ سال ضرور بنواتے۔

صاف گوئی

مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب خود ہی ایک واقعہ تحریر کرتے ہیں۔

غالباً 1952ء یا 1953ء کا ذکر ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ تعلیم الاسلام کالج لاہور کے پرنسپل تھے۔ میں لندن میں امام بیت الفضل۔ ان کی طرف سے مجھے ایک خط ملا جس میں بعض اشیاء بھجوانے کے لئے کہا تھا جن کی قیمت میرے ایک سال کے الاؤنس سے بھی زیادہ تھی میں نے خط لکھا کہ اگر میں ایک سال محض ہوا پر گزارہ کروں تو بھی تعمیل ارشاد نہیں کرسکتا۔ میرے ایک ساتھی نے ایسا خط لکھنے سے منع کیا کہ صاحبزادہ صاحب کو اس طرح نہ لکھیں مگر مجھے مشورہ دینے والے بھی میری طرح تہی دست تھے۔ بیم ورجا کے ملے جلے جذبات کے ساتھ میں نے ردعمل کا انتظار کیا۔ نہ صرف جواب آیا بلکہ جواب حوصلہ افزا تھا۔ آپ نے لکھا تھا کہ دفتری کلرک کی غلطی نے یہ تاثر پیدا کیا کہ شاید میں نے بل ادا کرنا ہے حالانکہ ایسا نہیں، حقیقت صرف اتنی تھی کہ ایک ایسی فرم کو کالج کی طرف سے بعض اشیاء کی فراہمی کے لئے لکھا گیا ہے جس سے پہلے بھی سامان آتا ہے۔ کلرک کو یہ کہا گیا تھا کہ آپ کو لکھ دے کہ فرم کو کہہ کر جلدی

بھجوا دیں، ادائیگی پہلے بھی قانون کے مطابق بنک کے ذریعہ ہوتی ہے اب بھی ہوگی۔اس خط کی جان ایک فقرہ تھا جس کے اصل الفاظ تو تیس سال گزرنے کے بعد صحیح یاد نہیں مگر اس قسم کے تھے کہ

''آپ کی صاف گوئی سے خوشی ہوئی ہے۔ میں بھی واقف زندگی ہوں آپ کی حالت قیاس کر سکتا ہوں''

مجھے اس سے ازحد اطمینان ہوا اور وقف کے کٹھن مراحل بھی بہت آسان ہو گئے،،

(حیات ناصر جلد اول ص 214-215)

دفتری امور میں مداخلت کی ممانعت

آپ کے بیٹے مکرم منیر احمد باجوہ صاحب بیان کرتے ہیں۔

ابا جان کی جب بطور ناظر امور عامہ تقرری ہوئی تو خاکسار لندن میں ملازمت کر رہا تھا۔ اور اس کی اطلاع سب سے پہلے مجھے جماعت کے جنرل سیکرٹری مکرم چوہدری عبدالرحمن صاحب نے دی۔ کچھ دنوں کے بعد ابا جان کا مجھے خط آیا جس میں لکھا تھا کہ اب کچھ لوگ بحیثیت ناظر امور عامہ میرے فیصلہ جات پر مجھ سے نالاں ہوں گے ممکن ہے وہ شکایت لے کر آپ کے پاس آئیں بھی اور مجھے بُرا بھلا بھی کہیں۔ آپ نے ہمیشہ تحمل سے کام لینا ہے اور جواب میں بُرا بھلا نہیں کہنا۔ ہاں بعض لوگ سفارش کروانے کی غرض سے بھی آئیں گے۔ آپ کی طرف سے ہرگز کوئی سفارشی فون یا چھٹی نہ آئے۔ میں پسند نہیں کرتا کہ آپ میں سے کوئی میرے دفتری معاملات میں مداخلت کرے۔

شادی بیاہ کے موقع پر سادگی کو رواج دینا

جاٹ برادری میں شادی بیاہ اور دیگر خوشی و غمی کے مواقع پر رسم و رواج عام ہیں مگر آپ کا گھر مکمل اسلامی تعلیمات کی تصویر پیش کرتا رہا تمام بچوں کی شادیوں پر سادگی کو رواج دیا اور ہر قسم کی غیر اسلامی رسم و بدعت سے نہ صرف خود دور رہے بلکہ اہل خانہ اور تمام افراد خاندان کو ان سے مجتنب رہنے کی تلقین کی۔

آپ کی بیگم صاحبہ بیان کرتی ہیں۔

مکرم باجوہ صاحب کو ایک دفعہ اوپر تلے دو بچوں کی شادی کرنی پڑی۔ پہلے نصیر بیٹے کی شادی ہوئی کچھ عرصہ بعد فریدہ بیٹی کی شادی تھی ہم تیاریوں میں مصروف تھے کہ آپ کے ایک بہت ہی قریبی دوست مکرم چوہدری خورشید احمد صاحب آف گوجرانوالہ ایک خطیر رقم (کوئی 40 ہزار کے لگ بھگ ہوگی) لے کر آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ چوہدری صاحب آپ نے ابھی بیٹی کی شادی کی ہے۔ اب بیٹے کی شادی کر رہے ہیں۔ آپ کو لازماً کچھ رقم کی ضرورت ہوگی یہ رقم رکھیں اپنے استعمال میں لے آئیں آپ نے جب واپس کرنی ہو، کر دیں میری طرف سے یہ قرضہ حسنہ ہے میں آپ سے کبھی بھی واپسی کا مطالبہ نہیں کروں گا۔

آپ نے یہ کہتے ہوئے یہ رقم لینے سے انکار کر دیا کہ قرض لے کر بچوں کی شادیاں نہیں کرتے جتنی طاقت ہو اس کے مطابق خوشی کر لیں۔ آج لوگ بھاری رقم قرض اٹھا کر شادیاں کرتے ہیں کہ معاشرہ میں، برادری میں ہماری عزت رہ جائے۔ ہماری ناک نہ کٹے مگر آپ نے شادیاں سادگی سے کر دیں اور قرض لینا پسند نہ کیا۔

مالی قربانی میں پیش پیش

آپ جان، مال، وقت اور عزت کی قربانی کے ہر میدان میں صف اول میں نظر آئے۔ مالی جہاد میں بھی نہ صرف آپ نے خود حصہ لیا بلکہ اپنے بچوں کو اس کی مسلسل تلقین کرتے رہے۔ اپنی ہر آمد پر حصہ وصیت ادا فرماتے اور دربار خلافت سے جو بھی تحریک ہوتی۔ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا کی عملی تصویر بن جاتے۔

تحریک جدید کی مالی خدمت میں ''پانچ ہزاری مجاہدین'' میں آپ کو 5501 کمپیوٹر نمبر تخصیص ہوا۔ آپ نے اپنی دادی اور والدہ کی طرف سے بھی چندہ درج ذیل تفصیل کے ساتھ ادا فرمایا۔

5763	5501	چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ (لندن)	284 روپے
5764	5501A	منجانب دادی مرحومہ چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ	284 روپے

5765 5501B منجانب والدہ مرحومہ چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ 84روپے

(پانچ ہزاری مجاہدین ص 789 زیر عنوان لندن افراد یورپ)

اشاعت دین میں مالی قربانی

1948ء کا سال یورپ میں نشاۃ ثانیہ کے لئے بہت اہمیت کا حامل ہے جب مجاہد سوئٹرز لینڈ مکرم شیخ ناصر احمد صاحب نے لسانی اور قلمی لحاظ کے ذریعہ نہ صرف سوئٹرز لینڈ میں بلکہ جرمنی اور دیگر ممالک میں بھی پیغام حق پہنچایا۔ آپ نے رسالہ ''الاسلام'' کے اجراء کے ساتھ ساتھ بہت سے تبلیغی ٹریکٹ شائع کئے۔ آپ نے جرمن زبان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت، مقام، اعلان قبر مسیح، کرسمس اور سال نو کے پیغامات پر ٹریکٹ شائع کروا کر نہ صرف ملک میں تقسیم کئے بلکہ ان اخبارات ورسائل کو بھی بھجوائے جن میں احمدیہ مشن سوئٹرز لینڈ کی نسبت مضامین شائع ہوئے تھے۔

ان ٹریکٹوں میں سے ایک ٹریکٹ کا نام ''ندائے آسمانی'' تھا۔ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے چھ مختلف اقتباسات جمع کئے گئے تھے۔ یہ ٹریکٹ بھی بذریعہ ڈاک ممتاز شخصیتوں کو بھجوایا گیا تھا۔ اس ٹریکٹ کے اخراجات کا بڑا حصہ مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب مربی انگلستان نے اپنے دادا مرحوم کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے ادا کئے۔

(تاریخ احمدیت جلد 12 ص91)

مکرم ظہیر احمد باجوہ صاحب نے ابا مرحوم کے چندہ کی کیفیت کچھ یوں بیان کی۔ اس کا کچھ حصہ مکرم باجوہ صاحب کے خط بنام مکرم ظہیر احمد صاحب میں بھی درج ہے۔

ابا جان سرکاری ملازم تھے۔ گو گریجویٹ تھے مگر تکبر نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ اس زمانہ میں گریجویشن بہت کم لوگوں کی تھی۔ ابو کی تنخواہ 60 روپے سالانہ تھی۔ ابو دہلی سے 33 چک آئے ہوئے تھے۔ دادا نے ابو سے مخاطب ہو کر کہا کہ بیٹا! آج رات آپ کی والدہ سے خواب میں ملاقات ہوئی ہے انہوں نے کہا کہ اگر بیٹے ظہور باجوہ کی تنخواہ 100 روپے ہو جائے تو وہ

1/3 چندہ دیا کرے۔

ابو نے سوچا کہ 6روپے سالانہ ترقی ہے۔100 روپے تنخواہ ہوتے بھی 7 سال لگ جائیں گے کیا اتنی دیر انتظار کرنا پڑے گا؟ اپنی والدہ کے پیغام پر پورا اُترنے کے لئے ابا جان نے دعا شروع کردی۔

ابو رخصتوں کے بعد جب دہلی گئے تو ترقی کا Notification جاری ہو چکا تھا اور تنخواہ 100 روپے ہو چکی تھی۔ آپ نے فوراً 1/3 چندہ کی ادائیگی شروع کردی۔ گو آپ کی وصیت 1/3 حصہ کی نہ تھی۔

مساجد کی صفائی

آپ باوجود اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے کے مساجد کی صفائی خود کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ مکرم انصر احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ بیت الانوار میں نماز کے دوران آپ کے ایک نواسے نے پیشاب کردیا۔ آپ نے نمازیوں کے جانے کے بعد میرے ابا کے ساتھ مل کر پوری مسجد کو پانی سے دھویا حالانکہ آپ اپنے رتبہ کے اعتبار سے خادم بیت الذکر کو بھی کہہ سکتے تھے۔

نمازوں کی پابندی

آپ نمازوں کے پابند تھے اور سردی گرمی ہر موسم میں مسجد میں جا کر نماز باجماعت پڑھنے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ نماز میں خشوع والحاح سے ادا ہوتیں۔

مکرم چوہدری لطیف احمد کاہلوں صاحب سابق ناظم تشخیص جائیداد بیان کرتے ہیں کہ 1971ء میں جب آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی نمائندگی میں ضلع ساہیوال کا دورہ کیا۔ خاکسار ساہیوال میں بطور مربی خدمات بجالا رہا تھا۔ اس دورہ میں مکرم باجوہ صاحب موصوف کو بہت قریب سے دیکھنے اور پڑھنے کا موقع ملا۔ میں نے دیکھا کہ آپ اگر کسی جگہ پر مقیم ہوتے تو مسجد میں آ کر نماز پڑھتے اور دوران سفر اول وقت میں نماز پڑھنے کے عادی تھے۔

آپ کی اہلیہ محترمہ بیان کرتی ہیں کہ باجوہ صاحب کو اللہ پر توکل خود بھی تھا اور ہمیں بھی اس کی بہت نصیحت کیا کرتے تھے کہ دست دراز کرنا ہو تو صرف اور صرف خدا کے آگے کریں۔اس کے لئے خود بھی نمازی تھے اور ہماری نمازوں کی بھی نگرانی فرماتے تھے۔اپنے خدا سے اس قدر تعلق تھا کہ سچی خوابیں آتی گو اس کا اظہار بہت کم کرتے۔آپ نے خدا تعالیٰ کی رضا سے معمور زندگی گزاری۔

آپ کے داماد مکرم شفقت محمود صاحب آف لاہور نے آپ کی نمازوں کے حوالہ سے ایک واقعہ یوں بیان کیا کہ

1995ء کی بات ہے جب ابا سسر کو انجائنا کی تکلیف ہوئی۔ساتھ نمونیا کی بھی شکایت تھی۔آپ ان دنوں بہت تکلیف میں تھے۔کمزوری کے باعث اٹھنا تو درکنار، ہلنا بھی مشکل تھا اور بات بھی بہت مشکل سے کرتے تھے۔آپ فضل عمر ہسپتال ربوہ میں بغرض علاج داخل تھے کہ مجھے اشارہ سے کہا کہ مجھے اٹھاؤ۔میں نے لیٹے رہنے پر اصرار کیا مگر آپ نے دوبارہ اٹھانے کا اشارہ کیا۔تب میں نے آپ کو اٹھا کر تکیہ کے سہارے چارپائی پر بٹھا دیا۔آپ کے ہاتھوں میں طاقت نہ تھی مگر میں نے محسوس کیا کہ آپ تیمم کر رہے ہیں اور نماز کی تیاری میں ہیں۔اس وقت کمزوری سے آپ کی کیفیت یہ تھی کہ چمچ سے کھانا کھلانا پڑتا تھا۔مگر اس کمزوری کے باوجو نماز کی ادائیگی میں حرج نہ آنے دیا۔

قرآن کریم سے محبت

آپ گھر میں باقاعدگی سے تلاوت مع ترجمہ کرنے کے عادی تو تھے ہی آپ کی تمام زندگی قرآنی احکام پر عمل کرتے گزری۔قرآن کریم سے حد درجہ کا پیار تھا۔مکرم انجینئر محمود مجیب اصغر صاحب بیان کرتے ہیں کہ گو ہمارا زیادہ وقت ملازمت کے سلسلے میں ربوہ سے باہر گزرا ہے تاہم ہمارا گھر مکرم باجوہ صاحب کے گھر کے آمنے سامنے ہونے کے ناطے میں نے اکثر دیکھا کہ آپ رمضان میں صبح 9 بجے کے قریب بیت الانوار میں باوجود دیگر جماعتی مصروفیات کے قرآن کریم کا

درس سنے آیا کرتے تھے ہاتھ میں قرآن کریم ہوتا۔ ان دنوں مختلف مساجد میں رمضان میں صبح کے وقت درس ہوا کرتے تھے۔

سلسلہ کی کتب کا مطالعہ

گو آپ دنیاوی وجاہت والی اعلیٰ Post چھوڑ کر جماعت کی خدمت کے لئے چلے آئے اور زندگی وقف کر کے اپنے آپ کو خلیفۃ المسیح کی خدمت میں پیش کر دیا۔ سلسلہ کی کتب پڑھنے کا شوق تو پیدائش سے تھا ہی تاہم وقف کرنے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام، خلفاء اور سلسلہ کی کتب کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا۔ مطالعہ میں بڑی گہری نظر تھی۔

الفضل اور دیگر جماعتی جرائد کا بھی مطالعہ باقاعدگی سے کرتے اور اپنی اولاد کو بھی اس کی نصیحت فرماتے۔ اپنی ڈائری روزانہ لکھا کرتے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے 1955ء کے جلسہ سالانہ کے پہلے روز مورخہ 26 دسمبر کو اپنے افتتاحی خطاب میں احباب جماعت کو بالخصوص نوجوانوں کو بعض اہم تربیتی امور کی طرف توجہ دلائی تھی ان میں سے ایک اہم امر گھروں میں دینی مطالعہ کر کے اپنے علم کو نہ صرف بڑھانا بلکہ غیروں کے سوالات کے جوابات دینے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا تھا۔ اس کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضورؓ نے نہایت ہی محبت بھرے انداز میں مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب امام بیت الفضل لندن کا تذکرہ فرمایا کہ وہ جامعہ احمدیہ کے بھی پڑھے نہیں ہیں مگر خود مطالعہ کر کے اور تیاری کر کے سوالات کے جوابات دیتے ہیں کہ حیرانگی ہوتی ہے۔

آپؓ فرماتے ہیں کہ

”اصل چیز تو یہ ہے کہ قرآن شریف اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی کتابیں پڑھ پڑھ کے آپ لوگ خود اپنی تعلیم اتنی مکمل کریں کہ اپنے گھروں میں ہی ہر شخص واقف ہو جائے۔ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اصحاب تھے وہ کون سے شاہد پاس تھے؟ بس ایک آگ ان کے دلوں میں لگی ہوئی تھی۔ وہ آگ لگ جائے تو سب کام آپ ہی آپ ہو جاتے ہیں۔ میں نے دیکھا

ہے کہ جو لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی کتابوں کو غور سے پڑھتے ہیں سلسلہ کا لٹریچر غور سے پڑھتے ہیں قرآن شریف وحدیث غور سے پڑھتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کو کوئی بڑا علم آتا ہو وہ دنیا کے بڑے سے بڑے عالم پر غالب آجاتے ہیں اور کوئی شخص ان کے سامنے کھڑا نہیں ہوسکتا۔ مجھے یاد ہے لندن میں ہمارے مبلغ ہوتے تھے چوہدری ظہور احمد باجوہ وہ آجکل ناظر رشد واصلاح ہیں ان کے ساتھ بعض دفعہ لوگوں کی گفتگو ہوتی تھی بعض دفعہ انگریزوں کی اور بعض دفعہ جو بڑے بڑے ہوشیار اور جہاندیدہ پیغامی مبلغ وہاں ہیں ان کی۔ جب وہ سوال وجواب آتا تو ہمیشہ ان کا خط پڑھ کر میرا دل کانپتا تھا کہ یہ کوئی غلطی نہ کر بیٹھیں مگر ہمیشہ ہی میں نے دیکھا کہ جب میں ان کا جواب پڑھتا تھا تو دل خوش ہو جاتا تھا وہ ایسا مکمل اور اعلیٰ جواب ہوتا تھا کہ میرا دل مانتا تھا کہ اس شخص کی اللہ تعالیٰ نے مدد کی ہے۔ تو سلسلہ کا لٹریچر پڑھو۔ عام طور پر سلسلہ کا لٹریچر چھاپنے والوں کو شکایتیں ہیں کہ لوگ ہم سے کتابیں نہیں لیتے۔ حالانکہ یادرکھو۔ روٹی نہ لو تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن سلسلہ کی کتابیں لینا اور ان کو پڑھنا بڑی اہم چیز ہے۔ پس ان کتابوں کو پڑھو۔ تاکہ اپنی زندگی میں خود بھی فائدہ اٹھاؤ اور اپنی بعد میں آنے والی نسلوں کو بھی فائدہ پہنچاؤ۔‘‘

(الفضل 10 فروری 1956ء)

باب نمبر 5

عزیز و اقارب سے حسن سلوک

- معاشرت
- سسرال کا احترام
- عزیز و اقارب سے حسن سلوک
- خاندان میں مقام
- خاندان کی پہچان

معاشرت

عزیز و اقارب سے حسن سلوک میں سب سے پہلے اپنی اہلیہ سے معاشرت آتی ہے جس کے بارے قرآنی حکم ہے وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کہ اپنی بیویوں سے نیک سلوک کے ساتھ زندگی بسر کرو۔

مکرم باجوہ صاحب موصوف اس معاملہ میں بھی نیکی کے اعلیٰ درجہ پر قائم تھے۔ آپ کی گھریلو زندگی بھی پُرسکون تھی۔ اپنی اہلیہ محترمہ سے تعلقات محبت، پیار و مودّت اور عزت و احترام پر مبنی تھے۔ نہایت محبت، شفقت اور یگانگت سے پیش آتے۔ بچوں سے بھی پیار کرتے گویا گھر کا ماحول حد درجہ خوشگوار ہوتا کبھی ناراض نہ ہوئے آپ کی اہلیہ محترمہ مشتاق زہرہ بیان کرتی ہیں کہ میں باجوہ صاحب سے 10 سال چھوٹی تھی۔ شادی سے پہلے باجوہ صاحب رشتہ میں فرسٹ کزن بھی تھے مگر تمام ازدواجی زندگی میں عاجزہ کی بہت عزت کی اور ساری عمر کبھی بھی تم کہہ کر نہ بلایا بلکہ بیگم صاحبہ کہہ کر بلاتے اور نہ ہی کبھی ڈانٹا۔ آپ کو پیسے سے پیار نہ تھا۔ ہر ماہ کے آغاز پر اپنا الاؤنس مجھے لا کر دیتے۔ رقم ہاتھ میں تھما کر کبھی نہ پوچھا کہ کہاں خرچ کی ہے۔ یہ نصیحت ضرور فرما دیتے کہ یہی میری آمد ہے اسی میں گزارا کرنا ہے اور ہم صبر و شکر کے ساتھ اس رقم پر گزارا کرتے اور اللہ تعالیٰ اتنی برکت ڈال دیتا کہ تمام ماہ باآسانی گزر بسر ہو جاتا۔

سسرال کا احترام

جیسا کہ ظاہر ہے کہ میاں بیوی کا رشتہ باہمی محبت اور مودّت کا رشتہ ہے اور ہر دو کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کے عزیز و اقارب سے احترام سے پیش آئیں۔ مکرم باجوہ صاحب مرحوم کے نزدیک اپنی اہلیہ محترمہ کے عزیز و اقارب قابل احترام رہے۔ تمام عزیز و اقارب سے حسن سلوک سے پیش آتے اور دل سے خیر خواہی کرتے۔ ان کے دکھ درد اور خوشیوں میں برابر کے شریک ہوتے۔

عزیز و اقارب سے حسن سلوک اور ان کی دلجوئی

مکرم باجوہ صاحب کی دو والدہ تھیں۔ حقیقی والدہ کی وفات کے بعد آپ کے ابا نے دوسری شادی کی جن سے 7 بچے ہوئے اور ایک ہی صحن میں دو والدات سے 15 بہن بھائی پل رہے تھے آپ چونکہ اپنے والد محترم کی سب سے بڑی اولاد تھے اور بہن بھائیوں میں سے سب سے بڑے تھے اس لئے آپ نے اپنے بڑے پن کو خوب نبھایا اور آپ اپنی دوسری والدہ اور ان کے بطن سے پیدا ہونے والی اولاد سے بہت پیار کرتے۔ کمال درجہ شفقت سے پیش آتے۔ ان کا بھلا سوچتے۔ ان کے لئے دعائیں کرتے ہمیشہ ان کے خیر خواہ رہے خود ان کی عزت کرتے اور اپنی اہلیہ محترمہ، بچوں اور دیگر عزیز و اقارب سے بھی ان کی عزت کرواتے حتیٰ کہ دوسری والدہ سے بہن بھائیوں کے سسرالیوں کے ساتھ بھی بہت اچھا برتاؤ کیا ہر ایک کو اس کا درجہ اور مقام دیتے اور ہر ایک کے معیار پر پورا اُترنے کی کوشش کرتے۔ مکرم انصر احمد بیان کرتے ہیں کہ ماموں کو میری والدہ سے بہت پیار تھا حالانکہ وہ دوسری والدہ سے تھیں مجھ سے بھی بہت پیار کرتے اتنا پیار کہ ہم آپ کو حقیقی ماموں سمجھتے رہے مجھے بہت بعد میں پتہ چلا کہ یہ میری دوسری نانی کی اولاد ہیں۔

آپ کی اہلیہ محترمہ بیان کرتی ہیں کہ

ایک دفعہ مکرم باجوہ صاحب نے شام کا کھانا نہ کھایا اور ان کے حصے کا آلو گوشت میں نے الگ رکھوا دیا اور اگلے روز دوپہر کو گرم کر کے ان کو دیا جبکہ اس روز گھر میں دال پکی ہوئی تھی اور عاجزہ نے اپنے ایک دیور کو تازہ پکی دال کے ساتھ روٹی دے دی۔ آپ یہ جان کر نالاں ہوئے اور کھانا نہ کھایا کہ میں گوشت کے ساتھ روٹی کھاؤں اور بھائی دال کے ساتھ۔ یہ حق تلفی ہے حالانکہ یہ بھائی دوسری والدہ سے تھے۔

خاندان میں مقام

آپ کے چھوٹے بھائی مکرم میجر (ر) مبارک احمد باجوہ خاندان میں آپ کا مقام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

1957ء میں والد صاحب کی وفات پر والد صاحب کی تمام تر ذمہ داریاں بھائی جان کے سپرد ہوئیں۔ ایک والدہ، بارہ بھائی اور تین بہنیں جن میں سے چھوٹے بھائیوں کی تعلیم ابھی تک نامکمل تھی بڑے بھائیوں میں سے بھی دو کی شادیاں ابھی ہونا باقی تھیں مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ نے یہ تمام ذمہ داریاں باطریق احسن سرانجام دیں اور تمام بھائی بہنوں میں باہمی پیار اور احترام کا رشتہ قائم رکھا۔ خاندان کے تمام امور ان کے مشورہ سے طے پاتے۔ والدہ کے ساتھ بھی ان کا سلوک عزت واحترام والا تھا۔ والدہ صاحب بھی ان کی بے حد عزت کرتیں اور ان کے مشورہ کو ہی صائب سمجھتیں۔

میرے نزدیک بھی بھائی جان کا ایک مقام تھا اس کی ایک وجہ تو والدہ محترمہ تھیں جو اِن سے پیار کرتی تھیں اور دوسری وجہ میرا ایک خواب تھا جس میں میں نے دیکھا کہ بھائی جان خطبہ جمعہ کے لئے مسجد مبارک ربوہ کے صحن کی باہر کی دیوار کے ساتھ بیٹھے ہیں اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ محراب سے اندر تشریف لاتے ہیں اور آ کر آپ کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں اور خطبہ جمعہ کے لئے کسی اور کو کہہ دیتے ہیں اور سارا خطبہ حضور، آپ کے ساتھ بیٹھ کر سنتے ہیں۔ اس سے مجھے یہ تاثر ملا کہ خلیفۃ المسیح کی ہمدردیاں اور محبتیں بھائی جان کے ساتھ ہیں۔

خاندان کی پہچان ظہور باجوہ صاحب

مکرم پروفیسر محمد خالد گورائیہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ

خلافت احمدیہ کی برکات کا ہی نتیجہ تھا کہ مکرم باجوہ صاحب کی شخصیت خلافت کی قربت کی وجہ سے نکھرتی چلی گئی اور انہیں جماعت احمدیہ کی تاریخ میں ایک وقف زندگی کے طور پر ایسی مثالی خدمت کی توفیق ملی کہ ان کی آئندہ آنے والی نسلیں بھی بجا طور پر اس پر فخر اور رشک کریں گی۔

آپ کی وفات کے موقع پر بہت سے عزیز واقارب آپ کے گھر بیٹھے تھے جو دنیاوی طور پر Well Off اور اعلیٰ عہدوں پر فائز رہ چکے تھے، خاکسار نے عرض کی کہ آپ سب لوگ جو کچھ بھی ہو جماعت احمدیہ میں آپ کے خاندان کی پہچان ظہور احمد باجوہ تھے۔ آپ کی آئندہ آنے والی نسلیں بھی ان کا حوالہ دے کر اپنا تعارف کروایا کریں گی۔

باب نمبر 6

خدمات

- جماعتی عہدے
- الشرکتہ الاسلامیہ کے چیئرمین
- اورینٹل اینڈ ریلجس پبلشنگ کارپوریشن کے ڈائریکٹر
- نائب افسر جلسہ سالانہ
- سندھ کی اسٹیٹس پر خدمات
- مجلس خدام الاحمدیہ میں بطور مہتمم وقارعمل خدمات
- گاؤں کے نمبردار کے طور پر خدمات

جماعتی خدمات (عہدے)

اپریل 1945ء	بطور مبلغ انگلینڈ تقرر
جنوری 1946ء	بطور امام بیت الفضل لندن تقرری
فروری 1949ء	بطور اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری تقرر
جنوری 1950ء	بطور پروفیسر جامعۃ المبشرین تقرری
1955ء	لندن سے واپسی پر کچھ عرصہ بطور قائمقام وکیل التبشیر خدمات سرانجام دیں
6 نومبر 1955ء	آپ کی خدمات تحریک جدید سے صدر انجمن کو منتقل ہوئیں اور
تا 1960ء	حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے آپ کا تقرر بطور نائب ناظر اصلاح وارشاد کیا۔

(سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ 1955ء ص 97)

آپ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمدؓ کے نائب تھے۔ 1959ء میں محترم صاحبزادہ صاحب علالت کے باعث رخصت پر رہے اس دوران مکرم چوہدری صاحب موصوف نے بطور ناظر اصلاح وارشاد کام کیا۔

(سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ 1955ء ص 121)

یکم مارچ 1960ء	ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد
تا یکم جولائی 1961ء	(سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ 1960ء ص 96)
2 جولائی 1961ء	ناظر زراعت تقرر ہوا۔ آغاز پر جزوی انسپکٹر زراعت کا اضافی
تا 1969ء	چارج بھی آپ کے پاس رہا۔

(سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ 1961ء ص 42)

1966ء تا 1969ء	پرائیویٹ سیکرٹری، ناظر زراعت کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔
13 اکتوبر 1966ء تا 30 جون 1971ء	چیئر مین وڈائریکٹر الشرکۃ الاسلامیہ کا اضافی چارج بھی آپ کے پاس رہا۔

(تاریخ احمدیت جلد 17 ص 21-25)

یکم مئی 1969ء	ناظر صنعت وتجارت
2 مئی 1971ء	ناظر امور عامہ
تا 1984ء	اس دوران ڈائریکٹر اورینٹل اینڈ ریلجس پبلشنگ کارپوریشن لمٹیڈ کا اضافی چارج بھی آپ کے پاس تھا۔

(تاریخ احمدیت جلد 17 ص 36)

2 مئی 1978ء	ناظر امور خارجہ کا اضافی چارج بھی سپرد ہوا۔
3 اگست 1983ء تا 1995ء	ایڈیشنل ناظر تعلیم القرآن ووقف عارضی
اگست 1995ء	بطور ایڈیشنل ناظر اعلیٰ تقرری
دسمبر 1997ء تا وفات	صدر، صدر انجمن احمدیہ پاکستان

الشرکۃ الاسلامیہ کی بحیثیت چیئر مین اور ڈائریکٹر خدمات

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح موعود رضی اللہ عنہ نے مشاورت 1952ء میں فیصلہ فرمایا تھا کہ دینی لٹریچر کی اشاعت کے لئے دو کمپنیاں قائم کی جائیں۔اس ارشاد مبارک کے مطابق اس سال ''الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ'' اور ''دی اورنیٹل اینڈ ریلجس پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ'' کے نام سے دو اہم اشاعتی اداروں کا قیام عمل میں آیا۔

پہلی کمپنی الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ کے نام سے 27 فروری 1953ء کو قائم ہوئی۔ اس

اشاعتی ادارہ کے پہلے چیئرمین اور منیجنگ ڈائریکٹر حضرت مولانا جلال الدین شمسؓ تھے۔آپ کی وفات (13اکتوبر 1966ء) کے بعد مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب اس کے چیئرمین اور ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔آپ کو 30جون 1971ء تک تقریباً 5 سال یہ دینی خدمت بجالانے کی توفیق ملی۔

بعدازاں اس کا ایک بورڈ بنادیا گیا اور آپ اس کے ممبر رہے۔اس وقت آپ ناظر امور عامہ تھے۔

(تاریخ احمدیت جلد 17 ص 21-25)

آپ کے دور میں روحانی خزائن جلد 20 تا 23 اور مجموعہ اشتہارات جلد اول شائع ہوئیں۔
مجموعہ اشتہارات جلد اول کا پیش لفظ بھی آپ کا تحریر کردہ ہے۔

(تاریخ احمدیت جلد 17 ص 25-27)

اورینٹل اینڈ ریلجس پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ کی بطور ڈائریکٹر خدمات

آرپیکو(O.R.P.C.O) دوسرا اشاعتی ادارہ ہے جو 20اپریل 1953ء کو قائم ہوا۔ مکرم باجوہ صاحب موصوف کو اس کمپنی کا ڈائریکٹر رہنے کا بھی شرف حاصل ہے آپ اس وقت ناظر امور عامہ تھے۔

بعدازاں جب اس کمپنی کا بھی بورڈ بنادیا گیا تو آپ کو صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے نمائندہ کے طور پر بحیثیت ناظر امور عامہ اس کا ممبر رہنے کی سعادت حاصل رہی۔

(تاریخ احمدیت جلد 17 ص 36).

جلسہ سالانہ میں بطور نائب افسر خدمات

آپ کو 1967ء کے جلسہ سالانہ میں جو جنوری 1968ء کو منعقد ہوا تھا میں نائب افسر جلسہ گاہ کے طور پر کام کرنے کی توفیق ملی۔اس سال محترم سید میر داؤد احمد صاحب کے ساتھ درج ذیل 6 نائبین تھے۔

i۔ حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب بھٹی

ii۔ حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب

iii۔ محترم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب

iv۔ محترم پروفیسر محمد ابراہیم ناصر صاحب

v۔ محترم صوفی بشارت الرحمن صاحب

vi۔ محترم سید میر محمود احمد ناصر صاحب

(الفضل 10 جنوری 1968ء)

سندھ کی اسٹیٹس پر خدمات

آپ بطور ناظر زراعت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے مشورہ اور رہنمائی میں سندھ کی زمینوں کا دورہ بھی کرتے رہے۔ جہاں فصلوں کی کاشت کو بہتر کرنے، حسابات چیک کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کے دور میں احمد آباد اسٹیٹ میں مسجد اور مہمانوں کے لئے گیسٹ ہاؤس کی تعمیر عمل میں آئی۔

1960ء میں مکرم چوہدری ظہور احمد آڈیٹر آپ کے ہمراہ تھے۔ کثرت بارش کے سبب زمین پر گھوڑا چل نہیں سکتا تھا اس لئے آپ نے پیدل ہی دورہ کیا۔ فصلیں ملاحظہ کیں۔ باغ کا بھی معائنہ کیا اور اس کو وسیع کرنے اور آمد بڑھانے کی بھی اسکیم بنائی گئی۔

(سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ 1960 ص 42-43)

مجلس خدام الاحمدیہ میں بطور مہتمم وقارِ عمل خدمات

مجلس خدام الاحمدیہ میں آپ کو 1945-46ء میں بطور قائمقام مہتمم وقار عمل کی اس وقت توفیق ملی جب دوران سال جولائی 1945 کو مکرم شیخ ناصر احمد بطور مبلغ برطانیہ کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی منظوری سے آپ کو قائمقام مہتمم وقار عمل مقرر فرمایا۔

(تاریخ خدام الاحمدیہ جلد اول ص 94)

آپ نے نہایت مستعدی اور محنت سے اس اہم فریضہ کو نبھایا۔ اپنی نگرانی میں قادیان میں بہت اہم نوعیت کے وقارعمل کروائے اور قادیان میں مختلف تربیتی اجلاسات میں اپنے شعبہ کی اہمیت بھی اُجاگر کی جیسے 29 جولائی 1945ء کے ایک اجلاس میں آپ نے خدام کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ

''گلیوں اور مکانوں کی صفائی کا پورا پورا انتظام کریں۔ خدام اس جلسہ میں عزم کر کے اُٹھیں کہ وہ اپنے مکانوں کی صفائی کا آئندہ پورا خیال رکھیں گے۔''

(تاریخ خدام الاحمدیہ جلد اول ص506)

اسی سال مجلس خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع پر ''تلقین عمل'' کے پروگرام میں شمولیت اختیار کی اور پیش آنے والی مشکلات کا حل پیش کیا۔

(تاریخ خدام الااحمدیہ جلد اول ص528)

اس اجتماع میں آپ نے منتظم صفائی و آب رسانی کے فرائض سرانجام دیئے۔

(تاریخ خدام الاحمدیہ جلد اول ص540)

آپ چونکہ اسی سال بطور مبلغ برطانیہ کو روانہ ہو گئے ۔ مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے 9 مبلغین کی روانگی پر ایک دعوت کا اہتمام کیا اور ان کے اعزاز میں مکرم نواب عباس احمد خان صاحب معتمد نے ایک ایڈریس پیش کیا۔ جس میں آپ کی خدمات کو سراہتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ

''چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ اگر چہ بہت بعد میں آئے مگر اپنی خداداد ذہانت اور مخلصانہ کام کی بناء پر وقارعمل کا اہتمام حاصل کیا اور بہتوں سے آگے نکل گئے۔''

(تاریخ خدام الاحمدیہ جلد اول ص550)

گاؤں کے نمبردار کے طور پر فلاحی خدمات

مکرم میجر (ر) مبارک احمد باجوہ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ

والد محترم کی 1957ء میں وفات کے بعد آپ گاؤں کے نمبردار مقرر ہوئے اور تاحیات

اس عہدہ پر فائز رہے۔ وقف کی وجہ سے نمبرداری امور بذریعہ سربراہ نمبردار چلاتے رہے جو درج ذیل ہیں۔ چوہدری نذیر احمد صاحب باجوہ۔ چوہدری محمد اسلم باجوہ صاحب صدر جماعت چک 33۔ چوہدری محمد اعظم باجوہ صاحب اور چوہدری مسعود احمد باجوہ صاحب۔

آپ نے 45 سال نمبرداری دور میں گاؤں کے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ 1959ء میں ضلع کے ڈپٹی کمشنر کو گاؤں آنے کی دعوت دی اور گاؤں کے علاوہ اردگرد کے دیہات سے بھی لوگوں کو مدعو کیا۔ ڈپٹی کمشنر کے سامنے انہوں نے خود سپاس نامہ پیش کیا اور علاقہ میں پختہ سڑک اور بجلی کی سہولت کا مطالبہ کیا۔ اس کے علاوہ گاؤں میں ابتدائی طبی سہولیات کے علاوہ لڑکیوں کے لئے مڈل سکول کا مطالبہ کیا۔ پھر ان کاموں کی منظوری اور پیش رفت کے لئے یکے بعد دیگرے آنے والے ڈپٹی کمشنروں کو بھی گاؤں مدعو کر کے ان کاموں کی تکمیل کو یقینی بنایا۔

گاؤں کے تمام لوگ ان کی عزت واحترام بحیثیت انسان اور نمبردار کرتے رہے اور آج بھی انہیں احترام سے یاد کیا جاتا ہے۔

باب نمبر 7

اعزازات

- بیوت الحمد کمیٹی کے پہلے صدر
- پہلی مجلس انتخاب خلافت میں شمولیت
- مجالس شوریٰ میں نمائندگی کی سعادت
- حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی نمائندگی میں دورہ ضلع ساہیوال
- مسجد اقصیٰ ربوہ تعمیر کمیٹی کی ممبر شپ
- حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے سفر یورپ سے مراجعت پر استقبالیہ میں شمولیت
- حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے سفر یورپ وافریقہ سے مراجعت پر استقبالیہ میں شمولیت
- گلشن احمد نرسری کے افتتاح میں شمولیت

بیوت الحمد کمیٹی کے پہلے صدر ہونے کا اعزاز

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے خلافت پر متمکن ہونے کے معاً بعد مسجد بشارت سپین کا افتتاح فرمایا اور پاکستان واپسی پر اللہ کے گھر بنانے کے شکرانہ کے طور پر غرباء کے لئے گھر تعمیر کرنے کا ایک اہم منصوبہ کا اعلان فرمایا۔ (خطبہ جمعہ 29 اکتوبر 1982ء) اور اس مبارک منصوبہ کا نام بیوت الحمد سوسائٹی رکھا۔ مکرم مرزا محمد الدین ناز صاحب ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد تعلیم القرآن ووقف عارضی نے مؤلف کتاب ہذا کو بتایا کہ حضور نے اس کی Establishment کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی اور مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب ناظر امور عامہ کو اس اہم بابرکت بیوت الحمد کمیٹی کا پہلا صدر اور خاکسار کو سیکرٹری مقرر فرمایا۔ آپ اگست 1983ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔

1982ء میں اس اہم کام کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح کی رہنمائی میں مکرم باجوہ صاحب کی آبیاری سے آج 28 سال گزرنے پر یہ سوسائٹی وہ شاندار رنگ اختیار کر چکی ہے کہ ربوہ میں سو سے زائد مکانات تعمیر ہونے کے علاوہ پورے پاکستان میں غرباء کو مکانات کی تعمیر میں مدد دی جاتی ہے۔ بھارت میں بھی اس منصوبہ کے تحت مکانات تعمیر ہو چکے ہیں۔

انتخاب خلافت کا نظام اور پہلی مجلس انتخاب میں باجوہ صاحب کی شمولیت

1956ء کے جلسہ سالانہ کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری دن کے خطاب میں بعض اندرونی فتنوں کا ذکر کر کے ان کی روک تھام کے لئے مجلس انتخاب کا قیام فرمایا جس میں خلیفۃ المسیح کے انتخاب کا جامع پروگرام اور تفصیلی لائحہ عمل تھا اور ان عہدوں کا ذکر تھا جن پر فائز افراد مجلس انتخاب کے ممبر ز ہوں گے۔ ان کی ایک شق یوں تھی۔

"اسی طرح ایسے تمام مبلغ جو ایک سال تک غیر ملک میں کام کر آئے ہیں اور بعد میں سلسلہ کی طرف

سے ان پر کوئی الزام نہ آیا ہو، ایسے مبلغوں کی لسٹ شائع کرنا مجلس تحریک کا کام ہوگا اسی طرح ایسے مبلغ جنہوں نے پاکستان کے کسی ضلع یا صوبہ میں رئیس التبلیغ کے طور پر کم از کم ایک سال کام کیا ہو ان کی فہرست بنانا صدر انجمن احمدیہ کے ذمہ ہوگا'' (تاریخ احمدیت جلد 19 ص 160)

بعد ازاں مجلس مشاورت 1957ء نے اس لائحہ عمل کو منظور کیا اور ایک ریزولیوشن کے ذریعہ اسے حتمی شکل دی اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کی تعمیل میں اس وقت کے ناظر اعلیٰ حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب نے اراکین مجلس انتخاب خلافت کی جو مفصل فہرست مرتب کر کے جاری کی۔ اس کی کل دس شقیں تھیں۔ مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب کا نام دسویں شق کے انیسویں نمبر پر تھا۔ جبکہ ٹوٹل فہرست میں آپ کا نمبر 311 تھا۔ یہ شق یوں تھی۔

شق نمبر 10 ''ایسے تمام مبلغین سلسلہ احمدیہ جنہوں نے کم از کم ایک سال بیرونی ممالک میں کام کیا ہو اور بعد میں تحریک جدید نے کسی الزام کے ماتحت انہیں فارغ نہ کر دیا ہو''

نمبر شمار فہرست	نمبر شمار شق	نام
311	19	چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ

(تاریخ احمدیت جلد 19 ص 194-195)

اور یوں مکرم باجوہ صاحب موصوف کو پہلی مجلس انتخاب خلافت کے ممبر ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔

مجالس شوریٰ میں نمائندگی کی سعادت

جماعت احمدیہ میں مجلس مشاورت کا نظام، نظام خلافت کے تابع اور اس سے وابستہ رہتے ہوئے نہایت اہم نظام ہے جس میں خلیفۃ المسیح صاحب الرائے احباب سے مشورہ لیتے ہیں۔ اس کا باقاعدہ آغاز 1922ء کو ہوا۔ مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب کو لندن سے واپسی پر 1956ء سے اپنی وفات تک اس کی سالانہ مجلسوں میں مختلف حیثیتوں میں صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی نمائندگی میں شمولیت کی سعادت ملی۔ اس کا آغاز نائب ناظر اصلاح وارشاد کی حیثیت

سے 1956ء میں ہوا۔اس سال آپ ''سب کمیٹی رشد واصلاح اور امور عامہ'' میں بھی سیکرٹری مقرر ہوئے۔گو علالت طبع کے باعث آپ اس میں شامل نہ ہوسکے۔

(سالانہ رپورٹ شوریٰ 1956ء)

☆ 1957ء میں بحیثیت نائب ناظر اصلاح وارشاد شمولیت فرمائی۔

☆ 1958 - 1959ء میں بھی بطور نائب ناظر اصلاح وارشاد شامل ہوئے۔اور ہر دوسال آپ کو نظارت اصلاح وارشاد کی جانب سے سالانہ رپورٹ پیش کرنے کا بھی موقع ملا۔

(سالانہ رپورٹ شوریٰ 59-1958)

☆ 1960ء کی مجلس مشاورت میں قائمقام ناظر اصلاح وارشاد کی حیثیت سے صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی نمائندگی فرمائی۔اور ''سب کمیٹی تعلیم واصلاح'' میں بطور سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیئے۔

(سالانہ رپورٹ شوریٰ 1960ء ص18)

☆ 1961ء میں بحیثیت قائمقام ناظر اصلاح وارشاد شمولیت فرمائی اور ''سب کمیٹی نظارت علیا'' کے ممبر مقرر ہوئے۔

(سالانہ رپورٹ شوریٰ 1961 ص7)

☆ 1962ء میں ناظر اصلاح وارشاد اور ناظر زراعت کی حیثیت سے شمولیت فرمائی اور نظارت اصلاح وارشاد اور نظارت زراعت کی جانب سے سالانہ رپورٹس پڑھ کر سنانے کا موقع بھی میسر آیا۔

(سالانہ رپورٹ شوری 1962 ص14)

☆ 65-64-1963ء میں بحیثیت ناظر زراعت شمولیت فرمائی اور 1964ء میں ''سب کمیٹی بابت بجٹ انجمن بائے تحریک جدید، وقف جدید'' میں صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی نمائندگی کی توفیق پائی۔

(سالانہ رپورٹ شوری (1964ء ص96)

☆ 1966ء میں ناظر زراعت کے طور پر مجلس شوریٰ میں شامل ہوئے اور ''سب کمیٹی نظارت علیاء تعلیم'' میں سیکرٹری کے فرائض ادا فرمائے۔

(سالانہ رپورٹ شوریٰ 1966ء ص29)

☆ 69 - 68 -1967ء میں آنجناب کو ناظر زراعت کی حیثیت سے شمولیت کا موقع ملا۔ تاہم 1968ء کو سب کمیٹی اصلاح وارشاد کے سیکرٹری مقرر ہوئے اور آپ کو سب کمیٹی کی رپورٹ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ممبران شوریٰ کے سامنے پیش کرنے کا بھی موقع ملا۔

(سالانہ رپورٹ شوریٰ 1968ء ص92)

☆1970ء میں ناظر زراعت اور 1971ء میں ناظر صنعت وتجارت کی حیثیت سے صدر انجمن احمدیہ کی نمائندگی کرنے کا موقع ملا۔

☆ 1972ء میں آنجناب نے ناظر امور عامہ کی حیثیت سے مجلس شوریٰ میں شمولیت فرمائی۔ اس سال آپ کو ''سب کمیٹی نظارت اصلاح وارشاد وامور عامہ'' میں بطور ممبر شمولیت کا موقع ملا جس میں ربوہ کی آرائش وزیبائش وتزئین کا منصوبہ زیر بحث آیا۔

☆ 1973ء تا 1982ء آپ ناظر امور عامہ کے طور پر شامل ہوئے اور 1982ء میں سب کمیٹی نظارت علیاء، تعلیم وامور عامہ'' میں نہ صرف ممبر مقرر ہوئے بلکہ بطور سیکرٹری سب کمیٹی آپ کے دستخط رپورٹ پر موجود ہیں۔

(سالانہ رپورٹ مجلس مشاورت 1982ء ص116)

☆1983ء میں بحیثیت ناظر امور عامہ وخارجہ آپ نے شمولیت اختیار فرمائی۔

☆1984ء سے 1995ء تک آپ کا نام فہرست نمائندگان صدر انجمن احمدیہ میں بطور ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد تعلیم القرآن ووقف عارضی درج ہے۔ اس دوران 1988ء اور 1989ء میں ''سب کمیٹی نظارت اصلاح وارشاد'' میں بطور ممبر صدر انجمن احمدیہ نمائندگی کا موقع ملا۔ اس سال سب کمیٹی میں ایک تجویز دربارہ درستگی قرأت قرآن کریم اور ترویج تعلیم قرآن کریم تھی اور اگلے سال 1990ء میں آنجناب کو اس تجویز کے فیصلہ جات پر تعمیل بارے سالانہ رپورٹ بھی

پڑھنے کا موقع میسر آیا۔

☆1996-1997ءدوسال آپ نے ایڈیشنل ناظر اعلیٰ اور 1998ء سے 2001ء اپنی وفات تک بحیثیت صدر، صدر انجمن احمدیہ اس اہم جماعتی فورم میں شامل ہونے کی توفیق پائی۔

قواعد صدر انجمن احمدیہ کی نظر ثانی

1989 کی مجلس شوریٰ میں قواعد صدر انجمن احمدیہ پر نظر ثانی کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دینے کی درخواست کی گئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی منظوری سے صدر انجمن احمدیہ نے جو چھ ممبران پر مشتمل ایک سٹینڈنگ کمیٹی تشکیل دی۔ اس میں آپ کا نام دوسرے نمبر پر درج ہے۔

(سالانہ رپورٹ مجلس مشاورت 1990ء ص 31)

اس کمیٹی نے نہایت محنت سے غور وخوض کر کے پُرانے قواعد میں ترامیم کیں اور ترمیم شدہ قواعد حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی منظوری کے بعد طبع کروائے اور ان نئے قواعد کا پیش لفظ آپ ہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے جس پر آپ کے بطور صدر، صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ کے دستخط ثبت ہیں۔

کچھ عرصہ جناب سی اے رحمان ایڈووکیٹ کو بھی اس پر کام کرنے کا موقع ملا۔ خاکسار مؤلف کتاب ہذا چونکہ ان دنوں لاہور میں بطور مربی ضلع متعین تھا۔ نظارت اصلاح وارشاد کی ہدایت پر خاکسار کو بھی اس ترمیم شدہ مسودہ کے ایک حصہ کو Rewrite کرنے اور پروف ریڈنگ کرنے میں مکرم سی اے رحمان صاحب (مرحوم) کا ہاتھ بٹانے کا موقع ملا۔ **الحمدللہ علی ذالک**

مجلس شوریٰ کی صدارت کی سعادت

1998ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی نمائندگی میں آنمکرم کو مشاورت کے تینوں دن اجلاسات کی صدارت کی توفیق ملی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

’’جو بھی شوریٰ کی کارروائی کی صدارت کر رہا ہو وہ خلیفہ وقت کا نمائندہ ہوتا ہے‘‘

(الفضل انٹرنیشنل 9 مارچ 2007ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی نمائندگی میں دورہ ضلع ساہیوال

1971ء میں ملک کے مخدوش حالات کی وجہ سے ربوہ میں جماعت احمدیہ اپنا جلسہ سالانہ منعقد نہ کرسکی تھی اوراس سال احباب جماعت کی نہ زیارت مرکز ہوسکی اور نہ ہی اپنے پیارے آقا سے ملاقات۔ 1972ء کے آغاز پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے ناظران اورافسران صیغہ پر مشتمل وفود تمام پاکستان میں احباب جماعت کو خلیفۃ المسیح کا محبت بھرا اسلام گھر گھر پہنچانے کے لئے بجھوائے۔

مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب ناظر امور عامہ ضلع ساہیوال بھجوائے گئے۔آپ کے ہمراہ مکرم محمد اسلم شاد صاحب مہتمم اشاعت مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ(حال پرائیویٹ سیکرٹری ربوہ) تھے۔

ساہیوال میں اس وقت مکرم چوہدری لطیف احمد کاہلوں صاحب مربی تھے۔جبکہ اوکاڑہ میں جواس وقت ضلع ساہیوال کی تحصیل ہوا کرتی تھی مکرم محمد عبدالوہاب احمد صاحب مرحوم مربی تھے۔ اس دوران آنمکرم مرحوم نے گھر گھر کا دورہ کیااور حضور رحمہ اللہ کا سلام پہنچایا۔

واقفین زندگی سے محبت و پیار کا یہ عالم تھا کہ مکرم محمد عبدالوہاب احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ گھر گھر دورہ میں خاکسار گو آپ کے ہمراہ ہی تھا مگر حضور کے ارشاد کہ ’’گھر گھر جائیں ‘‘ کی تعمیل میں آپ میرے گھر بھی تشریف لائے اور ہاتھ میں پھلوں کا ٹوکرا تھا اور دعا کی درخواست کی۔

مکرم محمد اسلم شاد صاحب بیان کرتے ہیں کہ ہم نے تقریبا 15 دن ضلع ساہیوال میں قیام کر کے گھر گھر دورہ کیا تھا۔اس موقع پر مکرم باجوہ صاحب موصوف کو بہت قریب سے پڑھنے کا موقع ملا۔مکرم موصوف خاموش طبع، سادہ لوح مگر ہنس مکھ طبیعت کے مالک تھے۔آپ کے احباب جماعت کے ساتھ مراسم بہت زیادہ تھے۔یوں لگتا تھا کہ سارا ضلع ہی آپ کا واقف ہے۔

ایک اور اعزاز

ربوہ میں تعمیر ہونے والی مسجد اقصیٰ کی تعمیر کمیٹی کی ممبر شپ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی ہی دیرینہ خواہش اور تمنا تھی کہ ربوہ میں ایک نہایت وسیع اور شاندار جامع مسجد تعمیر کی جائے۔حضورؓ کی خواہش کے پیش نظر 1965ء کی مجلس مشاورت میں اس کی تعمیر کا فیصلہ ہوا۔اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے محلہ دارالرحمت شرقی میں پہاڑی کے دامن میں جہاں جلسہ سالانہ ہوا کرتا تھا اس کے لئے جگہ مخصوص فرمائی تھی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالی نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد 28 اکتوبر 1966ء کو ایک پُر شکوہ اور جاذب نظر وسیع عمارت کا سنگ بنیاد رکھا اور مجلس شوریٰ 1972ء کے موقع پر 31 مارچ کو نماز جمعہ پر نہایت متضرعانہ اور عاجزانہ دعاؤں کے ساتھ اس کا افتتاح فرمایا۔اس بصیرت افروز اور روح پرور خطبہ جمعہ میں حضورؒ نے فرمایا کہ مساجد تین ہی ہیں۔ بیت اللہ، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ باقی تمام مساجد ان کی ظل ہیں۔ان میں تیسری مسجد معنوی لحاظ سے دُور کے زمانے کی ایک مسجد ہے اور تعبیری معنی میں مسجد کی علامت بھی ہے اور امت محمدیہ میں سب سے زیادہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے، آپؐ کے عشق میں سب سے زیادہ سوزان اور قربانیاں کرنے والے شخص یعنی مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے کی مسجد کو بھی اپنی مسجد قرار دیا ہے۔جس کو اقصیٰ قرار دیا یہ تعمیر ہونے والی مسجد اقصیٰ بھی اس کی ظل ہے۔

اس مسجد کی تعمیر کی نگرانی تو خود حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالی نے فرمائی تاہم اس کی دیکھ بھال اور عمومی نگرانی کے لئے صدر اور سیکرٹری کے علاوہ 10 احباب پر مشتمل ایک تعمیر کمیٹی بھی تشکیل دی۔جس نے ساڑھے پانچ سال تک پوری تندہی، محنت اور لگن سے اس عظیم الشان مبارک مسجد کی نگرانی فرمائی اس کمیٹی میں شامل ہونے کا شرف چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب کو بھی حاصل ہوا۔

(الفضل 2 اپریل 1972ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے اس مقدس عمارت کے افتتاح کے موقع پر اپنے خطبہ جمعہ میں مالی قربانی کرنے والوں، محنت اور وقت کی قربانی کرنے والوں کے لئے دعا دیتے ہوئے فرمایا کہ

''خدا تعالیٰ اپنے فضل سے اس عمارت کو ان کے لئے الٰہی برکتوں کا موجب، اس کی رحمتوں کے حصول کا ذریعہ، اس کے فضلوں کو جذب کرنے کا سبب بنادے...... خدا کرے ہم سب کی محنتیں بارآور ہوں۔ خدا کرے ہم سب کی قربانیاں اور ہمارا ایثار اور ہماری کوششیں مقبول ہوں''

(خطبات ناصر جلد 4 ص155-156)

اور یوں مکرم باجوہ صاحب موصوف ان مبارک دعاؤں کے براہ راست مستحق ٹھہرے۔

- اسی طرح محلہ دارالصدر شمالی انوار کو آپ کی تجویز اور تحریک پر مسجد انوار کے لئے پلاٹ خریدنے کی توفیق ملی۔ اس کا ذکر مسجد انوار کے اندر سنگ مرمر کی تختی پر موجود ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے سفر یورپ سے کامیاب مراجعت پر استقبالیہ میں تحریک جدید کی نمائندگی

سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے 1955ء میں بغرض علاج یورپ کا دورہ فرمایا۔ گو یہ دورہ بغرض علاج تھا تاہم اپنی برکات اور تاثیرات کے نتیجے میں یورپ میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی مضبوط بنیاد ثابت ہوا۔ 25 ستمبر 1955ء کو کراچی سے ربوہ چناب ایکسپریس کے ذریعہ حضورؓ نے سفر کرنا تھا۔

ریلوے اسٹیشن پر خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام، ناظران و وکلاء اور استقبال کمیٹی کے جو ارکان خیر مقدم کی سعادت حاصل کرنے کے لئے موجود تھے ان میں تحریک جدید کے نمائندہ کے طور پر مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب بھی تھے۔

(تاریخ احمدیت جلد 17 ص568)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے دورہ 1980ء سے واپسی پر استقبال کرنے کی سعادت

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے 1980ء میں یورپ، افریقہ اور امریکہ کا 4 ماہ کا انقلاب آفرین تاریخی دورہ فرمایا۔ مکرم باجوہ صاحب موصوف ان دنوں ناظر امور عامہ تھے۔ 26 جون 1980ء کو حضور کو الوداع کرنے والوں میں آپ شامل تھے اور 26 اکتوبر 1980ء کو حضور کی واپسی پر جس وفد نے لاہور میں جا کر حضور کا استقبال کیا۔ آپ کو اس میں بھی شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی اور حضور کی معیت میں آپ ربوہ پہنچے۔

(دورہ مغرب ص 559)

گلشنِ احمد نرسری کے افتتاح میں شمولیت

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے خلفاء احمدیت کی خواہش کہ ''ربوہ سر سبز اور خوبصورت بن جائے'' کا عملی اظہار کرتے ہوئے تزئین کمیٹی ربوہ کے تحت 15 مارچ 1984 کو گلشن احمد نرسری (واقع دارالصدر غربی سے ملحقہ کھیت) میں جامن کا پودا لگا کر افتتاح فرمایا۔ اس موقع پر جن احباب کو حضورؒ کے بعد پودے لگانے کا موقع ملا۔ ان میں مکرم ظہور احمد باجوہ صاحب بھی تھے۔

(گلشن احمد نرسری سوونیر 2000ء ص 134)

باب نمبر 8

لندن میں خدمات

۞ لندن کے لئے پہلا تقرر اور خدمات

☆ یورپ کی روحانی فتح کے لئے مبلغین کی روانگی

☆ انگلستان اور مصر کے پریس میں تذکرہ

☆ حافظ قدرت اللہ صاحب کو الوداعیہ

☆ ایک دلچسپ مکالمہ

☆ ایک اہم تقریب میں لیکچر

☆ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کو الوداعیہ

☆ لندن میں مزید مساعی

۞ لندن میں دوسری دفعہ تقرر اور بطور امام بیت الفضل خدمات

☆ لندن کو روانگی

☆ لندن میں استقبالیہ

☆ مبلغین سلسلہ کی سہ روزہ کانفرنس

☆ مقدس وجود کے نام سے جانوروں کو موسوم کرنا مناسب نہیں

☆ عیدالاضحیٰ

☆ لندن میں مبلغین کی تاریخی کانفرنس

☆ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی طرف سے ذکر خیر

مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب کا لندن کے لئے تقرر (پہلا دور)

یکم فروری 1945ء کا دن جماعت احمدیہ میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔اس روز حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے دارالواقفین کے تمام مجاہدین کو قصرِ خلافت میں شرف باریابی بخشا۔ ازاں بعد حضور نے بائیس (22) واقفین کو بیرونی ممالک میں بھجوانے اور نو ((9 واقفین کو تفسیر، حدیث، فقہ اور فلسفہ و منطق کی اعلیٰ تعلیم دلانے کے لئے منتخب فرمایا تا وہ سلسلہ کے بزرگ علماء کے قائم مقام بن سکیں۔اس موقع پر حضور نے اپنے دست مبارک سے جو تحریر بطور یادداشت لکھی وہ ایک نہایت قیمتی یادگار ہے جس کے عکس کی مبارک دستاویز بھی اس کتاب کا حصہ ہے۔

ان بائیس مبلغین میں مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب کا نام انگلستان کے تحت دوسرے نمبر پر تھا۔

(تاریخ احمدیت جلد 7 ص116-117)

چونکہ اتنی بڑی تعداد میں مربیان کا وفد بیرون ملک اس سے قبل نہ گیا تھا۔اس لئے تقریباً ہر ادارہ نے الوداعیہ تقریبات منعقد کیں۔ان کے اعزاز میں محبّانہ دعوتیں ہوئیں اور مخلصانہ سپاس نامے پڑھے گئے۔

(الفضل قادیان 18 دسمبر 1945ء)

جامعہ احمدیہ نے اپنی دعوت میں ان مجاہدین کے اعزاز میں جو ایڈریس پیش کیا وہ یہاں اس غرض سے دیا جارہا ہے کہ اس سے ان مبلغین کی اہمیت عیاں ہوتی ہے۔ یہ ایڈریس مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ نے مورخہ 16 دسمبر 1945ء کو پڑھا تھا۔

بزرگان سلسلہ و معزز مجاہدین اور احباب کرام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سلام کی اشاعت کے جذبہ سے معمور دلوں کے ساتھ سلسلہ احمدیہ کے ایک درجن واقف زندگی مبلغین ہندوستان سے باہر جارہے ہیں۔انگلستان، فرانس، اٹلی، جرمنی، سپین اور مغربی

افریقہ کے مختلف ممالک میں اعلائے کلمۃ اللہ کے منصب پر یہ مامور ہیں۔ سلسلہ کے ان مخلص خدام اور پیغام احمدیت کے ان جانباز علمبرداروں کو سپرد خدا کہنے کے لئے نظارت تعلیم وتربیت کے تینوں تعلیمی اداروں نے آپ حضرات کو اس جگہ تشریف لانے کی تکلیف دی ہے۔

ہمارے جانے والے واجب الاحترام مجاہد بھائیو! آپ تبلیغ دین کے اس فریضہ کو ادا کرنے جارہے ہیں جو دراصل انبیاء علیہم السلام کا فریضہ ہے۔ اور ان کی نیابت میں ان کے جاں نثار اتباع کا۔ یہ ایک گراں بہا امانت ہے۔ اور ایک نہایت عظیم الشان ذمہ داری ہے اور ایک بہت بڑا امتحان ہے، ہم اساتذہ وطلبا تعلیم الاسلام ہائی سکول، مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ اس امانت اور ذمہ داری کے سونپے جانے پر آپ کو مبارکباد عرض کرتے ہیں اور اس بڑے امتحان میں آپ کے فائز المرام اور کامیاب ہونے کے لئے صدق دل سے دعا کرتے ہیں۔ آپ جماعت احمدیہ کے نمائندے ہیں۔ جماعت کی بہت سی امیدیں آپ سے وابستہ ہیں۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اہم روحانی مقاصد کے ماتحت آپ کو دعوت خلق کے لئے اکناف عالم میں بھیج رہے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان امیدوں اور مقاصد کے پورا کرنے کی توفیق بخشے اور آپ کامیابی وکامرانی سے بخیریت واپس تشریف لائیں۔

مجاہد بھائیو! قریباً آپ سب ایسے ہیں جنہوں نے دارالامان کی مرکزی درسگاہوں میں کچھ نہ کچھ عرصہ تعلیم حاصل کی ہے۔ اور ان اداروں کے اساتذہ کو آپ سے ایک روحانی رشتہ حاصل ہے۔ ان اساتذہ کے لئے اور ان اداروں کے لئے یہ بات باعث فخر ہے کہ تعلیمی اشجار آج تبلیغی اثمار دے رہے ہیں اور ان درس گاہوں کے تعلیم یافتہ اہم ذمہ داری کو اپنے کندھوں پر رکھتے ہوئے یورپ اور افریقہ کی ضلالت زدہ مخلوق کو راہ حق دکھانے کے لئے مشعل ہدایت لے کر جارہے ہیں۔ اساتذہ خوش ہیں کہ ان کے شاگرد پروان چڑھ رہے ہیں طلباء خوش ہیں کہ ہمارے پیشرو سلسلہ کی خدمت پر مامور ہوکر مقصد تعلیم کو حاصل کررہے ہیں۔ ان حالات میں ہمارا فرض ہے کہ آپ مجاہدین کے جانے پر اپنی خوشی ومسرت کے جذبات کا اظہار کریں اور آپ میں سے ہر ایک کو اپنی دلی دعاؤں کے ساتھ الوداع کہیں۔

بسلامت روی دباز آئی

محترم مبلغین سلسلہ! آپ تبلیغی سفروں میں دنیا کے کونہ کونہ میں جائیں گے۔اور بیرونی دنیا تعلیمی تجارب آپ کے سامنے آئیں گے۔آپ کو بسا اوقات مختلف مما لک کی درسگاہوں کے دیکھنے کا موقع بھی ملے گا۔ اگر آپ اپنی ان مرکزی درسگاہوں کو یاد رکھتے ہوئے اپنے مفید معلومات اور نفع رساں تجارب سے انہیں مطلع فرماتے رہیں تو آپ ہم خربا وہم ثواب کے مستحق ہوں گے۔آپ ایک حق ادا کریں گے۔جوان درسگاہوں کا آپ کے ذمہ ہے۔اورآپ سلسلہ کی ایک بیش قیمت خدمت بھی سرانجام دیں گے۔کیونکہ آج کی تعلیم میں جوخامیاں ہوں گی ان کا اثر آئندہ بننے والے مبلغین پر پڑے گا۔

اور اگر آج ہم ان نقائص کو دور کرسکیں۔تو کل کے معلم اور مبلغ زیادہ بہتر صورت میں خدمت اسلام کرسکیں گے۔ پس ہماری درخواست ہے کہ آپ اپنے سفروں میں اس امر کو مدنظر رکھیں اور آنحضرت ﷺ کے مبارک ارشاد کَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ أَخَذَهَا حَيْثُ وَجَدَهَا کے مطابق دوسری درس گاہوں کی اچھی باتوں سے ہمیشہ مرکزی درس گاہوں کواور نظارت تعلیم کو مطلع فرماتے رہیں گے۔

پیارے اور مستحق تکریم بھائیو! انسانی تجویزیں مادی رنگ رکھتی ہیں اور ایک مرحلہ پر جا کر ختم ہو جاتی ہیں۔اس کائنات میں صرف خدائے واحد کی ذات ہے۔ جو ہمیشہ زندہ اور ہر جگہ حاضروناظر ہے۔اور ہر آن انسان کی مدد کرسکتا ہے۔اور غالباً آنے والے سفروں میں خصوصیت سے آپ کواس کا زیادہ تجربہ ہوگا۔ یوں بھی مسافر کی دعا مقبول ہوتی ہے۔لیکن وہ مسافر جس کے گھر بار اور عزیز واقارب سے علیحدہ ہونے کا باعث صرف اعلاء کلمہ اسلام ہے اس کی دعائیں تو ضرور درگاہ ایزدی میں باریابی حاصل کرتی ہیں۔آپ کی دعاؤں کی قبولیت کی بشارت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سو برس قبل بایں الفاظ دے چکے ہیں بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِيْباً وَسَيَعُوْدُ غَرِيْبًا فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ اس دور آخری میں آپ ہی وہ غریب الوطن ہیں جو اسلام کی غربت کو دور کرنے

اور خدا کی سیاہ فام وسفید فام مخلوق کواس کے آستانہ پر جھکانے کے لئے جارہے ہیں ۔اس لئے آپ کی دعا اللہ کے ہاں ضرور مقبول ہوگی ۔ہم سب اساتذہ وطلباء بھی آپ سے دعا کے لیے درخواست کرتے ہیں اورعرض کرتے ہیں کہ ہماری اس درخواست کوآپ ہمیشہ یادفرمائیں جب کبھی آپ کوموقع ملے ۔توان درس گاہوں کے جملہ کارکنوں اورطلباء کے لئے دعا فرمائیں تا اللہ تعالیٰ انہیں اپنے احکام اوراپنی مرضی پر چلنے کی توفیق بخشے اوراس امانت کوکماحقہٗ ادا کرنے کا موقع عطافرمائے ۔جوان کے سپرد کی گئی ہے۔

بالآخر ہم سب اللہ کی بارگاہ میں ملتجی ہیں کہ وہ احمدیت کے ان نونہالوں کا حامی و ناصر ہو۔ان کی زبانوں اورقلموں پرحق وحکمت جاری فرمائے اوران کے دلوں کواپنی خشیت اورنور سے بھردے۔ان پراپنے فضل کا سایہ رکھے ۔وہ خیریت سے جائیں اورکامیابی اورخیریت سے واپس آئیں ۔آمین یارب العالمین

(الفضل قادیان 18دسمبر 1945ء)

یورپ کی روحانی فتح کے لئے 9 مبلغین کا سفر،انگلستان اور پریس میں چرچا

مؤرخ احمدیت مکرم مولانا دوست محمد شاہد صاحب مرحوم نے اس اہم تاریخی واقعہ کوتاریخ احمدیت میں یوں محفوظ کیاہے۔

18دسمبر 1945ءکوشام پونے تین بجے کی گاڑی سے 9واقفین یورپ کی روحانی فتح کے لئے روانہ ہوئے۔قافلہ میں حسب ذیل واقفین شامل تھے۔

ملک عطاء الرحمن صاحب (امیر قافلہ) ۔چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ۔حافظ قدرت اللہ صاحب ۔چوہدری اللہ دتہ(عطاءاللہ) صاحب ۔چوہدری کرم الٰہی صاحب ظفر۔چوہدری محمد اسحق صاحب ساقی ۔مولوی محمد عثمان صاحب ۔ماسٹر محمد ابراہیم صاحب ۔مولوی غلام احمد صاحب بشیر۔

مجاہدین کا یہ قافلہ 14جنوری 1946ءکوانگلستان کی بندرگاہ لورپول پراُترا،یوسٹن اسٹیشن پر مولانا جلال الدین صاحب شمس امام بیت الفضل لندن نے مع احباب جماعت ان کا پُرتپاک

استقبال کیا۔اور انگلستان کے اخبارات مثلاً ’’ڈیلی سکیچ‘‘۔’’دی سٹار‘‘۔’’ڈیلی ایوننگ پیپر‘‘ نے ان کی آمد کا جلی عنوان سے ذکر کیا اور تصویر شائع کیا۔ برطانوی پریس کے علاوہ مشہور امریکن خبر رساں ایجنسی ’’گلوب‘‘ نے کسی قدر تفصیلی اور رائٹر نے قدرے مختصر الفاظ میں اس وفد کے سرزمین انگلستان میں آنے کی خبر دی۔ چنانچہ ’’گلوب‘‘ نے لکھا۔

’’انگلستان میں پٹنی کی بیت الفضل کو ہندوستان کی جماعت احمدیہ کے مرکز دعوت وتبلیغ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جنگ کی وجہ سے یورپ میں جماعت احمدیہ کی تبلیغ اسلام کا سلسلہ رُکا ہوا تھا مگر اب اسے پھر شروع کر دیا گیا ہے (اس میں اضافہ کیا گیا ہے) ملک عطاء الرحمن کے زیر قیادت نومبلغوں کا دستہ قادیان سے یہاں پہنچ چکا ہے۔جنہیں برطانیہ،فرانس، ہسپانیہ، جرمنی اور اٹلی میں بھیج دیا جائے گا۔ جماعت احمدیہ کا مرکز قادیان ہے جو پنجاب میں واقع ہے۔توقع ہے کہ وہاں سے اور مبلغ بھی یہاں پہنچ جائیں گے اور انہیں ہنگری، ہالینڈ اور دوسرے مغربی ممالک میں بھیجا جائے گا۔

یہ مبلغین کا دستہ پٹنی کی بیت الفضل میں فروکش ہے۔تبلیغ کے لئے باہر بھیجے جانے سے پہلے انہیں اس بیت الفضل میں تربیت دی جائے گی۔اس تربیت میں ان ممالک کی زبان بھی شامل ہے جہاں انہیں تبلیغ کے لئے جانا ہے۔اس کے علاوہ انہیں مغربی رسم ورواج اور مغربی طرز زندگی سے بھی آگاہی حاصل کرنی ہے۔ بیت الفضل کے امام مولوی جلال الدین شمس سیکھوانی نے ’’گلوب‘‘ کے نمائندے سے بیان کیا کہ ہمارے خیال میں اسلام کو یہ بہت بڑا موقع ملا ہے کہ یورپ میں امن بحال کرے۔ جنگ نے یورپ کا کچومر نکال دیا ہے ۔ ہمارے مبلغ پُر امن طریقوں سے اسلام کے نصب العین اور نظریوں کی تبلیغ کریں گے۔ کتابیں تقسیم کی جائیں گی اور تقریریں ہوں گی۔مختلف انجمنوں سے وابستگی کا سلسلہ قائم کر کے تبادلہ خیال ہوتا رہے گا۔مغربی مصنفوں نے ہمارے مذہب کو غلط پیش کیا ہے۔ہم نے اس کے خلاف بھی مصروف جہاد ہونا ہے۔ اہل مغرب نے اسلام کو غلط سمجھا ہے۔اب ہمارا یہ کام ہے کہ ہم اسلام کی صحیح تصویر پیش کریں۔

جماعت احمدیہ کا صرف یورپین شعبہ ہی اپنی سرگرمیوں کو تیز تر نہیں کر رہا بلکہ کرہ ارض کے طول وعرض میں مبلغ بھیجے جا رہے ہیں۔ایک احمدی تبلیغی وفد سید سفیر الدین بشیر احمد کی زیر قیادت مغربی افریقہ جانے والا ہے۔

پٹنی کی بیت الفضل میں تربیت کا انتظام مسٹر مشتاق احمد باجوہ کے سپرد ہے جو حال ہی میں قادیان سے یہاں پہنچے ہیں۔آپ امام جلال الدین شمس صاحب کے جانشین ہوں گے۔

''رائیٹر'' نے خبر دی کہ

''لور پول (Liver pool) سے بارہ احمدی مبلغین کی ایک جماعت کل بہت رات گئے لور پول سے لندن پہنچی اور پٹنی کی بیت الفضل میں تبلیغی نقشہ تیار کر رہی ہے۔یہ حضرات ہندوستان سے ''سٹی آف اگزیٹر'' جہاز میں لور پول پہنچے تھے۔بیت الفضل پٹنی کے امام اس جماعت کے تیرھویں ممبر ہیں۔یہ تیرہ کے تیرہ بیت الفضل کے خوشنما صحن میں چہل قدمی کرتے رہے اور تجویزیں مرتب کرتے رہے۔یہ حضرات انگلستان میں چھ مہینے گزاریں گے اور یورپ کی زبانیں سیکھیں گے۔انہیں تین سال یورپ میں گزارنے ہوں گے۔اس کے بعد وہ قادیان واپس چلے جائیں گے اور ان کی جگہ اور لوگ آجائیں گے۔اس جماعت کا سب سے کم عمر رکن مسٹر چوہدری 22 سال (چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے) اور سب سے بڑے کی عمر 44 سال ہے یہ سب کے سب احمدی ہیں اور ان کی آمد سے برطانوی جرائد نگاروں کے لئے دلچسپی کا نیا سامان پیدا ہو گیا ہے۔ان کا لباس خوش نما ہے اور ان کے سروں پر سفید اور سبز پگڑیاں بھلی معلوم ہوتی ہیں۔''

مصر کے اخبارات میں ذکر

مصر کے مشہور اور ممتاز مجلہ ''اخبار العالم'' 6 فروری 1946ء نے ان مجاہدین اسلام کے تین فوٹو شائع کئے اور ''مسلمانان ہند کا وفد لندن میں'' کے عنوان سے لکھا۔

''گزشتہ ماہ جنوری کے آغاز میں انگلستان میں ہندوستان سے ایک تبلیغی وفد پہنچا ہے تا کہ وہ اہل یورپ اور انگلستان کو دین اسلام کے متعلق علم دے سکے۔اس وفد کے ممبران مسلمانان پنجاب

کی ایک جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس ہندوستانی تبلیغی وفد نے بیت الفضل لندن کی زیارت کی اور مولانا شمس صاحب امام بیت الفضل لندن نے اُن کو اَھْلاً وَّسَھْلاً وَّمَرْحَبًا کہا۔ ہم اسی صفحہ پر بعض تصاویر جو وفد کے قیام لندن کے دوران لی گئی ہیں شائع کر رہے ہیں۔

سب سے اہم اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس تبلیغی وفد سے ایک گروپ اٹلی جائے گا اور دوسرا فرانس کو اور تیسرا جرمنی اور چوتھے گروپ کا قیام برطانیہ میں ہی ہوگا۔ یہ یقینی امر ہے کہ اس تبلیغی وفد کی قابل رشک مساعی سے اہل یورپ اسلام کو شناخت کر سکیں گے۔ (اس کے بعد تین فوٹو مختلف مناظر کے دیئے)

دوسرا جریدہ اخبار ''الیوم'' ''التبشیر بالاسلام فی اروبا'' کے عنوان سے لکھتا ہے۔

''یورپ میں تبلیغ اسلام لندن (یورپ) میں تیرہ مسلمانان ہند تشریف لائے ہیں اُن کے آنے کا مقصد اہل یورپ کو جنہیں مادیات نے بالکل تباہ و برباد کر دیا ہے تبلیغ اسلام کرنا ہے یہ وفد مخلص نوجوانوں پر مشتمل ہے جو اپنے مذہب کے شیدائی اور عاشق ہیں اور دین اسلام کے پھیلانے میں بڑے دلیر۔ اس وفد کے ممبران میں سے سب سے بڑی عمر والا 44 سال کا ایک فرد ہے باقی سب اس سے چھوٹی عمر کے ہیں۔

سب سے پہلے لندن میں ان کا ورود ہوا۔ یہاں ان کا قیام چھ ماہ ہوگا۔ اس دوران میں وہ یورپ کی اہم زبانوں کی تعلیم حاصل کریں گے بعد ازاں وہ دو دو اور تین تین افراد کی پارٹیوں میں تقسیم ہو کر یورپ کے مختلف اطراف میں تبلیغ اسلام کریں گے۔ سب سے پہلے ایک پارٹی سپین جائے گی۔ وہ سپین جس کے اکثر باشندوں میں ابھی تک عربی خون باقی ہے اور جو ہمیشہ اس بات کا ذکر کرتے رہتے ہیں کہ ان کے آباء واجداد دین اسلام پر قائم تھے۔ وہ وفد بطور مہمان کے اس وقت مولانا شمس صاحب امام بیت الفضل لندن کے ہاں مقیم ہے۔ مولانا شمس ایک ہندوستانی عالم ہیں اور علوم اسلامیہ کے فاضل۔ آپ کا برطانیہ میں قیام، تبلیغ اسلام کی خاطر ہے۔ آپ کی مساعی سے بعض انگریزوں نے مذہب اسلام قبول کیا ہے جن میں سے بعض اچھے اور مشہور ادیب ہیں۔

مولانا شمس صاحب نے بیان دیتے ہوئے فرمایا یورپ کو مذہب کی سب سے زیادہ ضرورت ہے تاکہ یورپ اپنا علاج کر سکے۔ اور اپنے مضطرب قلب کو تسکین دے سکے۔ اس مقصد کی ادائیگی کے لئے اسلام اپنے اندر بہت بڑی طاقت رکھتا ہے جس کا مقصد دنیا کو امن کے راستہ پر چلانا ہے۔ اوران مبلغین کا کام یہی ہوگا کہ وہ اسلامی عقائد کی تفصیل اور اغراض بیان کریں۔

یورپ کے مذہبی اداروں نے اس تحریک کے متعلق خاص اہتمام کا اظہار کیا ہے۔ جس کی مثال سابقہ زمانہ میں نہیں پائی جاتی اور اس خوف و خدشہ کا اظہار کیا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اہل یورپ میں سے ایک معقول تعداد مذہب اسلام قبول کر لے۔ کیونکہ اس وقت اکثر لوگوں کا عقیدہ (عیسائیت) تبدیل ہو چکا ہے۔ یہاں تک کہ انگلش چرچ بھی اس امر پر مجبور ہو رہا ہے کہ وہ اہل برطانیہ میں مسیحیت کی تبلیغ قائم رکھنے کے لئے دس لاکھ پاؤنڈ خرچ کرے۔

ایک معزز انگریز پادری نے مجھے کہا کہ میں ہر اُس تحریک کو خوش آمدید کہتا ہوں جو کسی دینی عقیدہ کے اختیار کرنے کی طرف دعوت دیتی ہو۔ کیونکہ ہمیشہ اسلامی فیلسوف ابن رُشد کے اس نفیس قول کو یاد رکھتا ہوں کہ۔

''دین دار انسان کا اعتماد کر۔ اگرچہ وہ تمہارے عقیدہ پر نہ ہو۔ اور بے دین انسان کا اعتماد نہ کر۔ اگر وہ یہ دعویٰ کرتا ہو کہ میں تمہارے مذہب پر قائم ہوں''

جامعہ ازہر میں بھی اس تبلیغی وفد کی وجہ سے ہلچل پیدا ہوئی اور لکھا گیا کہ یہ کام دراصل ہمارا ہے۔ گو ظاہری الفاظ میں تو جماعت احمدیہ کے متعلق اظہار نہیں کیا گیا۔ مگر حقیقت شناس اصحاب سے یہ امر پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ مصر کے مشہور ادبی مجلہ ''الرسالةُ و الرّؤية'' (4 مارچ 1946ء میں) احمد الشریاصی المدرس الازھر شریف کا ایک مکتوب بنام ''الاستاذ الاکبر شیخ جامعة الازھر'' شائع ہوا، اُس میں آپ نے رئیس الازہر کی خدمت میں واضح طور پر لکھا کہ ازہر کا ایک فرد بھی تبلیغ اسلام کی خاطر بیرون مصر نہیں بھیجا گیا۔ حالانکہ یہ کام جامعہ ازہر سے زیادہ تعلق رکھتا ہے بہ نسبت دوسری جماعتوں کے۔

(تاریخ احمدیت جلد 9 ص 662-667 جدید ایڈیشن)

حافظ قدرت اللہ صاحب کو الوداعیہ اور مکرم باجوہ صاحب کا استقبالہ ایڈریس

1946ء میں مربیان کی لندن آمد اور یورپ کے مختلف ممالک کو روانگی کی وجہ سے بیت الفضل لندن میں استقبالیہ و الوداعیہ تقاریب عمل میں آتی رہیں انہی میں سے مکرم حافظ قدرت اللہ صاحب مربی سلسلہ کی 1947ء میں ہالینڈ روانگی کے وقت ایک الوداعیہ تقریب ہے۔

(الفضل 29 جولائی 1947ء)

ایک دلچسپ مکالمہ اور دو انگریز بھائیوں کا قبول اسلام

(مابین مس اٹیلی ہمشیرہ وزیر اعظم برطانیہ اور مکرم باجوہ صاحب موصوف)

ماہ فروری 1947ء میں وزیر اعظم برطانیہ کی ہمشیرہ صاحبہ مس اٹیلی اور پادری صاحب نے کہا کہ مسیح کی الوہیت پر ایمان لانے سے انسانی زندگی میں معجزانہ طور پر تبدیلی ہو جاتی ہے۔ جو دوسری صورت میں نہیں ہوسکتی۔ چوہدری ظہور احمد صاحب کے معجزانہ تبدیلی دریافت کرنے پر اس نے جواب دیا کہ یہ محض الوہیت پر ایمان ہی تھا جس کی وجہ سے میں عزیز و اقارب کو چھوڑ کر جنوبی افریقہ جیسے دور دراز ملک میں عیسائیت کا پیغام دینے کے لئے چلی گئی۔ چوہدری صاحب نے کہا کہ میں مسیح علیہ السلام کی الوہیت پر ایمان لائے بغیر عزیز و اقارب کو چھوڑ کر اس دور دراز ملک میں محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا رہا ہوں۔ مس اٹیلی نے کہا

I Don't Know How I wonder!

پادری سے استفسار کیا گیا تو اس نے کہا کہ میں بائیبل کا طالبعلم تھا مگر الوہیت مسیح پر ایمان نے میرے اندر ایسی تبدیلی کی کہ میں ایسٹ افریقہ میں تبلیغ کے لئے چلا گیا۔ چوہدری صاحب نے جواب دیا۔ میں سرکاری ملازم تھا۔ مگر الوہیت مسیح پر ایمان لائے بغیر اپنے امام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس ملک میں تبلیغ اسلام کے لئے آ گیا ہوں۔ یہ سن کر وہ چپ ہو گیا۔ پھر مس اٹیلی نے کہا ہمیں دیر ہو رہی ہے ہم پھر آئیں گے۔ نیز کہا کہ میں نے بہت سے مسلمانوں سے پوچھا ہے کہ اسلام کیا اچھی چیز پیش

کرتا ہے جو میں اسے قبول کرلوں۔مگر کسی نے جواب نہیں دیا۔ چوہدری صاحب نے کہا کہ اگر آپ کچھ دیر تشریف رکھیں تو میں عرض کروں۔اس نے کہا پھر کسی اور وقت سہی۔انہیں ’’اسلامی اصول کی فلاسفی‘‘ اوراحمدیت کی کتب پیش کی گئیں اورانہوں نے پڑھنے کا وعدہ کیا۔

(الفضل 4 مارچ 1947ء)

یہ دونوں کچھ دنوں کے بعد دوبارہ بیت الفضل میں آئے۔ چوہدری ظہور باجوہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔مسٹر بشیر احمد صاحب آرچرڈ کا ان سے تعارف کرایا گیا۔تومس اٹیلی افسوس کا اظہار کر کے کہنے لگیں کہ آپ نے اسلام کیوں قبول کیا۔اگر آپ کو پتہ ہوتا کہ مسیح کو آپ سے کتنی محبت ہے یہاں تک کہ اس نے اپنی جان آپ کی خاطر دے دی،تو آپ کبھی اسلام قبول نہ کرتے مسٹر بشیر احمد صاحب نے جواب دیا کہ اسلام میں مجھے سکون قلب حاصل ہوا ہے جو عیسائیت میں نہ تھا۔ مسٹر آرچرڈ جب ان سے ان کے عقیدہ کی دلیل مانگتے تو وہ کہتیں کہ ہرایک کے لئے دلیل الگ ہوتی ہے۔مگرانہوں نے دلیل کوئی نہ دی۔ بہت دیر تک گفتگو کرتے رہے آخر میں مس اٹیلی نے کہا (الفاظ تقریباً یہی تھے)

I can see light in your faces which shows you are quite Different from the Muslims.

مجھے آپ کے چہروں پر ایک نور نظر آتا ہے،جس سے ظاہر ہے کہ آپ دوسرے مسلمانوں سے بالکل مختلف ہیں۔

(الفضل 22 مارچ 1947ء)

انہی دنوں دوانگریزوں نے بھی جناب چوہدری ظہور احمد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر کے اسلام قبول کیا ہے۔

ایک اہم تقریب میں لیکچر

مورخہ 21 جون 1947ء کو مکرم چوہدری غلام یٰسین صاحب مربی سلسلہ کی امریکہ روانگی پر بیت الفضل میں ایک تقریب منعقد ہوئی۔اس روز 70 کے قریب ’’پٹنی لٹریری سوسائٹی‘‘ کے ممبرز کو

بھی بیت الفضل بُلایا گیا تھا۔اس موقع پر مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب نے ''ہندوستان کی موجودہ سیاسی حالت'' پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

(الفضل 31 جولائی 1947ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ کی الوداعیہ تقریب

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمدؓ صاحب لندن میں کچھ عرصہ قیام فرما کر پاکستان واپس جارہے تھے کہ ان کے اعزاز میں 2 جولائی 1948ء کو بیت الفضل میں ایک تقریب منعقد کی گئی۔ جس میں جو ایڈریسز پیش کئے گئے اُن میں سے مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب بھی تھے۔

آپ نے اپنے ایڈریس میں فرمایا۔

''حضرت میاں صاحب اور ہمارے درمیان جو رشتہ ہے وہ آقا اور خادم والا ہے لیکن اس مفہوم میں نہیں جیسا کہ مغرب میں سمجھا جاتا ہے بلکہ جیسے کہ ہم اسے مشرق میں لیتے ہیں جب کہ ایک خادم اپنے آقا کے خادم ہونے پر بجا طور پر فخر کرتا ہے۔اور اسے عین عزت سمجھتا ہے۔ ہم میاں صاحب کی جدائی کو پسند تو نہیں کرتے مگر چونکہ آپ نے بہر حال جانا ہے۔اس لئے ہم آپ کو الوداع کہتے ہیں اور التماس کرتے ہیں کہ ہمیں آپ ہمیشہ اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں''

(الفضل 30 جولائی 1948ء)

لندن میں مزید مساعی

آپ نے لندن اور ارد گرد قصبوں میں تبلیغ کے علاوہ تبلیغی خط وکتابت۔ ہائیڈ پارک میں تقاریر۔ بیت الفضل میں آنے جانے والے مہمانوں کے علاوہ لٹریچر کی تقسیم کا بھی اہم فریضہ ادا کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح سے پارٹیشن سے قبل آپ نے لندن میں ملاقات بھی کی۔آپ نے اپنے بھانجے انصر احمد صاحب کو بتایا کہ میں اچکن اور شلوار قمیض پہن کر ہائیڈ پارک میں چلا جاتا اور سٹول پر کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دیتا۔بعض لوگ میرے لباس کو دیکھ کر میری باتیں سنتے۔

لندن میں دوسری بار تقرری

پہلے دور میں دسمبر 1945ء سے اپریل 1949ء تک نائب امام کی حیثیت میں کام کرنے کے بعد 14 اپریل 1949ء کو آپ پاکستان واپس لوٹے۔ اگلے سال 30 جون 1950ء کو آپ کا دوبارہ لندن تقرر ہوا اور 14 اپریل 1955ء کو کامیاب وقت گزار کر اور غیر مسلموں کو اسلام اور احمدیت کا پیغام دینے کے بعد واپسی ہوئی۔

(تاریخ احمدیت جلد 4 ص 151 جدید ایڈیشن)

تاریخ احمدیت نے بیرونی ممالک میں خدمات کا شرف پانے والے تحریک جدید کے مجاہدین کی فہرست بھی محفوظ کی ہے۔ 147 مجاہدین میں سے آپ کا نام 48 نمبر پر یوں درج ہے۔

نمبر شمار	نام	تاریخ ولادت	تاریخ تقرری	کیفیت
48	چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب	20 اپریل 1919ء	13 اپریل 1945ء	انگلستان

(تاریخ احمدیت جلد 7 ص 143 جدید ایڈیشن)

چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ امام بیت لندن کی انگلستان روانگی

روزنامہ الفضل نے آپ کی روانگی کی خبر یوں دی۔

لاہور 3 جولائی چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ جنہیں امام بیت الفضل لندن مقرر کیا گیا ہے انگلستان جانے کے لئے کل صبح پاکستان میل کے ذریعہ کوئٹہ روانہ ہوئے وہاں سے آپ اپنے آقا سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (رضی اللہ عنہ) سے ملاقات کا شرف حاصل کرنے کے بعد کراچی تشریف لے جائیں گے اور پھر 8 جولائی کو بذریعہ ہوائی جہاز انگلستان روانہ ہوں گے۔

لاہور ریلوے اسٹیشن پر جماعت احمدیہ لاہور کے سینکڑوں احباب کے علاوہ بعض غیر احمدی حضرات بھی آپ کو الوداع کہنے کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ بعض احباب نے اظہار محبت کے طور پر آپ کو پھولوں کے ہار پہنائے آپ نے تمام احباب سے جو پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب نائب امیر جماعت احمدیہ لاہور کی زیر قیادت ایک قطار میں کھڑے ہوئے تھے مصافحہ و معانقہ

فرمایا۔ بعدہ محترم قاضی صاحب نے تمام احباب سمیت آپ کے بخیر وعافیت پہنچنے اور فائز المرام ہونے کے لئے لمبی دُعا فرمائی۔ گاڑی روانہ ہونے پر احباب نے اللہ اکبر احمدیت زندہ باد حضرت خلیفۃ المسیح زندہ باد اور چوہدری ظہور احمد صاحب زندہ باد کے پُر جوش نعروں کے درمیان آپ کو رخصت کیا۔ جو حضرات آپ کو الوداع کہنے کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے ان میں صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ۔ جناب غلام احمد صاحب بشیر قائم مقام وکیل التبشیر ۔ چوہدری غلام مرتضی صاحب بیرسٹرایٹ لاء وکیل قانون ۔ جرمن نومسلم برادرم عبدالکریم صاحب ڈنکر۔ حافظ عبدالسلام صاحب ڈپٹی کنٹرولر آف ملٹری اکاؤنٹس ۔ ڈاکٹر عبدالاحد صاحب ڈائریکٹر فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اور ڈاکٹر مسعود احمد صاحب ایف آر سی ایس کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مکرم امام صاحب موصوف یکم جولائی 1950ء بروز ہفتہ گیارہ بجے دن کے قریب ربوہ سے لاہور تشریف لائے تھے رات کو آپ نے اس دعوت میں شرکت فرمائی جو جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب نے آپ کے اعزاز میں دی تھی۔ اس دعوت میں بہت سے مقامی احباب کے علاوہ مکرم غلام احمد صاحب بشیر قائمقام وکیل التبشیر ۔ چوہدری غلام مرتضیٰ صاحب وکیل قانون۔ چوہدری شیر محمد صاحب (والد محترم) اور چوہدری محمد عارف صاحب نے بھی شرکت فرمائی۔

(الفضل 4 جولائی 1950ء)

لندن بیت الفضل میں استقبالیہ

12 جولائی 1950ء کو نماز عید الفطر مکرم مشتاق احمد باجوہ صاحب نے پڑھائی اور اس روز عید ملن پارٹی میں الوداعی اور استقبالیہ میٹنگ منعقد ہوئی۔ جس میں مکرم مشتاق احمد باجوہ صاحب کو الوداع اور مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب کا استقبال کیا گیا۔

مکرم ناصر احمد صاحب سکرونر نے جماعت احمدیہ انگلستان کی طرف سے استقبالیہ پیش کرتے ہوئے کہا۔

''اب آپ (مشتاق باجوہ صاحب) کے بعد چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ امامت کے فرائض سرانجام دیں گے۔ سو جہاں ہم ایک باجوہ صاحب سے جدا ہو رہے ہیں وہاں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے دوسرے باجوہ صاحب بھیج دیئے ہیں۔ ہم ان سے ناواقف نہیں ہیں اس سے قبل بھی ہم آپ کی صحبت سے تقریباً تین سال مستفیض رہے ہیں۔ ہم آپ کو اَھْلاً وَّسَھْلاً وَّ مَرْحَباً کہتے ہیں اور ہم دعا کرتے ہیں کہ آپ کی رہنمائی میں احمدیت اور اسلام کو زیادہ سے زیادہ کامیابی حاصل ہو۔''

- مکرم عبدالسلام صاحب بی اے آف کیمبرج نے اپنے ایڈریس میں کہا۔

''آپ نے چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ کو خوش آمدید کہا اور فرمایا کہ آپ کا گزشتہ تجربہ اور گزشتہ خدمات ہمیں یقین دلاتی ہیں کہ جماعت احمدیہ انگلستان آپ کی رہنمائی میں انشاء اللہ ترقی کے قدم پر گامزن ہوگی۔ ہم تمام احباب آپ کی فرمانبرداری اور آپ کے ارشادات کی تعمیل کرنے کا عہد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ احمدیت اور اسلام کو بیش از بیش ترقیات عطا فرماوے۔''

- مکرم ڈاکٹر اے جیارج ہال پرنسپل گریگری پیٹرسن کالج نے کالج کی طرف سے استقبالیہ میں کہا۔

''آپ نے چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ کو خوش آمدید کہا اور فرمایا کہ مجھے یقین ہے کہ تمام جماعت کے افراد آپ سے پورا تعاون فرمائیں گے نیز آپ نے تمام احباب جماعت کا شکریہ ادا فرمایا۔ جنہوں نے کہ یہ تقریب عمل میں لاکر انہیں یہ موقع بہم پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کے ساتھ ہو اور آپ سب کو توفیق دے۔ کہ اسلام اور احمدیت کو آپ زیادہ سے زیادہ پھیلانے کے باعث ہوں۔ آمین''

مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب نے تمام ایڈریسز کا جواب دیتے ہوئے احباب کا شکریہ ادا فرمایا کہ جنہوں نے اپنے محبت بھرے جذبات کا اظہار کیا اور اس اُمید کا اظہار کیا کہ تمام احباب تبلیغ اور اشاعت اسلام کے لئے اپنے دست تعاون کو دراز فرمائیں گے اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہر طرح ان کا ساتھ دیں گے۔ آپ نے بھی چوہدری مشتاق احمد باجوہ صاحب کی خدمات کو سراہا اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ سفر میں آپ کا رفیق راہ ہو اور آپ کو بحفاظت و بخیریت منزل مقصود تک

پہنچائے اور بیش از بیش سلسلہ کی خدمات کی توفیق دے۔

(الفضل 4 اگست 1950ء)

مبلغین اسلام کی ہالینڈ میں سہ روزہ کانفرنس میں باجوہ صاحب کی شمولیت

ماہ اگست 1950ء میں ہالینڈ مشن کے زیر اہتمام یورپ کے مبلغین اسلام کی سہ روزہ کانفرنس منعقد ہوئی اس کانفرنس میں جرمنی، سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ، سپین، فرانس، اٹلی اور انگلستان کے مجاہدین اسلام نے شرکت فرمائی۔ یورپ میں تبلیغ اسلام کی مہم کو تیز کرنے کے سلسلہ میں بعض نہایت اہم تجاویز زیر غور آئیں اور آئندہ کے لئے ایک جامع پروگرام تجویز دیا گیا۔

مکرم حافظ قدرت اللہ صاحب نے کانفرنس کی درج ذیل رپورٹ ارسال کی۔

''اس کانفرنس میں یورپ میں کام کرنے والے ہمارے سات مشنوں نے حصہ لیا نمائندہ حضرات کے اسماء درج ذیل ہیں۔ برادرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ (لندن) برادرم بشیر احمد صاحب آرچرڈ (سکاٹ لینڈ) برادرم ملک عطاء الرحمٰن صاحب (فرانس) برادرم عبداللطیف صاحب (جرمنی) برادرم شیخ ناصر احمد صاحب (سوئٹزرلینڈ) برادرم چوہدری کرم الٰہی صاحب ظفر (سپین) اور خاکسار ہالینڈ سے۔ علاوہ ازیں اس موقع پر چوہدری عبدالرحمان صاحب (لندن) اکاؤنٹنٹ کی ملاقات بھی مسرت کا باعث ہوئی۔ ہماری کانفرنس یہاں کے ہوٹل پومونا میں تین روز تک منعقد رہی۔ کل کارروائی (سب کمیٹیوں کے وقت کے علاوہ) کوئی 16 گھنٹے تھی جو 6 اجلاس پر مشتمل تھی حضرت خلیفۃ المسیح کے فیصلہ کے مطابق برادرم چوہدری ظہور احمد باجوہ سیکرٹری کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اور کانفرنس کے اجلاس انتخاب کے مطابق مختلف احباب کی صدارت میں منعقد ہوئے۔ کانفرنس میں تمام مشنوں کے تبلیغی حالات اور مساعی کا جائزہ لیا گیا گزشتہ سال کے فیصلہ جات پر نظر ثانی کی گئی اور اس سلسلہ میں جو اُمور خاص طور پر قابل توجہ نظر آئے یا جن نئے امور کی طرف توجہ دینے کی ضرورت محسوس کی گئی انہیں سامنے لایا گیا۔ مثال کے طور پر یورپ میں یوم پیشوایان مذاہب کا انعقاد یا ایک ماہوار اعلیٰ انگریزی اخبار کا اجراء

وغیرہ......اس کانفرنس کے بعد مشن کی تبلیغی سرگرمیاں پہلے سے تیز تر ہوگئیں اور ہیگ کے علاوہ دوسرے متعدد اہم شہروں میں بھی اسلام پھیلنے لگا‘‘

(تاریخ احمدیت جلد 12 ص 164-168)

آنحضرتؐ سے عقیدت ومحبت کا اظہار اور ایک قابل تقلید نمونہ

پاک اور مقدس وجود کے نام سے جانوروں کو موسوم کرنا مناسب نہیں

انگلستان میں ’’عرب ہارس سوسائٹی‘‘ کے زیر اہتمام گھوڑوں کی ایک نمائش ہوئی تھی۔ نمائش میں حصہ لینے والے گھوڑوں میں سے ایک گھوڑے کا نام ’’صابر محمد‘‘ تھا۔ اس پر مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ امام بیت الفضل لندن نے ’’عرب ہارس سوسائٹی‘‘ کے سیکرٹری کو ایک خط کے ذریعہ توجہ دلائی کہ پاک اور مقدس وجودوں کے نام سے جانوروں کو موسوم کرنا مناسب نہیں ہے چنانچہ امام صاحب کی تحریک پر گھوڑے کا نام فوراً تبدیل کر دیا۔

اس ضمن میں 20 جولائی 1953ء کو انگلستان کے مشہور اخبار ٹائمز (Times) میں گھوڑوں کی نمائش کی خبر شائع ہوئی۔ یہ نمائش عرب ہارس سوسائٹی (ARAB HORSE SOCIETY) کے زیر اہتمام منعقد ہوئی تھی اس میں مسز سی ای بارلنگ (Mrs.C.E.Barling) کے گھوڑے کا بھی ذکر ہے جس کا نام ’’صابر محمد‘‘ لکھا تھا۔ مکرم امام بیت الفضل لندن چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ نے سیکرٹری عرب ہارس سوسائٹی کو خط لکھا جس میں اس امر پر اظہار افسوس کیا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک سے جنہیں ہم مسلمان فخر موجودات اور سرور کائنات سمجھتے ہیں، گھوڑے کو موسوم کیا جائے۔ آپ نے لکھا کہ ہم اصولاً اس بات کے خلاف ہیں کہ نیک اور پاک وجود جنہوں نے دنیا میں اعلیٰ اخلاق اور روحانیت کو قائم کیا ان کے ساتھ جانوروں کو نسبت دی جائے اس لئے اگر مسز بارلنگ اپنے گھوڑے کا نام یسوع مسیح رکھتی تو بھی ہم کو اس سے تکلیف ہوتی۔ آپ نے سیکرٹری صاحب سے درخواست کی کہ باہمی محبت اور مسلمانوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات کے پیش نظر اس نام کو تبدیل کر دیا جائے۔

یہ امر باعث اطمینان وخوشی ہے کہ مسز بالنگ نے امام صاحب کی توجہ دلانے پر اپنے

گھوڑے کا نام تبدیل کر کے Robin Adair of king sholme رکھ دیا۔ یاد رہے کہ اگست 1951ء میں بھی Jockeyclub نے امام صاحب کی تحریک پر لارڈ کارنرون (Lord Cornroon) کے گھوڑے کا نام تبدیل کرادیا تھا۔ اس سلسلہ میں سیکرٹری صاحب عرب ہارس سوسائٹی کے خط کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

''مکرم امام صاحب لندن ! آپ کے خطوط مورخہ یکم، 29 اگست کے جواب میں تحریر ہے کہ مجھے آج ہی مسز بارلنگ کی طرف سے اطلاع ملی ہے کہ گھوڑے کا نام تبدیل کر کے Robin Adair of king sholme رکھ دیا گیا ہے لیکن ان کو پہلے نام کے تعلق یا معنوں کے متعلق کوئی علم نہیں تھا۔ وہ اپنے خط میں لکھتی ہیں کہ اس گھوڑے کی 1950ء۔ 1951 میں ایسے موقعوں پر نمائش ہوتی رہی جہاں پر ممتاز لوگ مثلاً ریجنٹ آف عراق وغیرہ موجود تھے اور کسی نے بھی اس نام کے معنوں کی طرف توجہ نہ دلائی'' (دستخط)

(آپ کا مخلص کرنل آرسی ڈی دی آسکن سیکرٹری عرب ہارس سوسائٹی)

مکرم باجوہ صاحب امام صاحب موصوف نے سیکرٹری صاحب اور مسز بارلنگ کو شکریہ کے خطوط لکھے۔ آپ نے لکھا کہ بہت ممکن ہے کہ ریجنٹ آف عراق یا دوسرے مسلمانوں کو اس نام کی طرف توجہ نہ ہوئی ہو ورنہ کوئی مسلمان بھی کسی جانور کو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دینا پسند نہیں کرسکتا۔

(الفضل 18 اکتوبر 1953 وتاریخ احمدیت جلد 17 ص 206)

عیدالاضحیٰ اور دوسرے سالانہ اجتماع کی صدارت

آپ نے 23 ستمبر 1950ء کو بیت الفضل لندن میں نماز عیدالاضحیہ پڑھائی اور خطبہ دیا اور جماعت احمدیہ برطانیہ کے دوروزہ سالانہ اجتماع کی صدارت کی جس میں آپ نے تربیتی امور کو بیان فرمایا جبکہ خطبہ عیدالاضحیٰ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانیوں کا ذکر فرمایا اور بتلایا کہ اس عید نے ہمیں سبق دیا ہے کہ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنی جان، مال اور عزت کو قربان

کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہئے۔ یہ آپ کے امام بیت الفضل بننے کے بعد پہلی عید تھی۔

اس سالانہ اجتماع میں جماعت احمدیہ برطانیہ نے درج ذیل ریزولیوشن باتفاق رائے پاس کیا جس میں خلافت سے محبت اور عقیدت اور تمام ارشادات پر عمل کرنے کا ذکر ہے۔

''ہم تمام ممبران جماعت احمدیہ انگلستان اس سالانہ اجتماع کے موقع پر اپنے پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی لمبی بیماری اور علالت طبع کے باعث تشویش کا اظہار کرتے ہیں۔ ہندوستان کی تقسیم کے بعد پیدا شدہ حالات میں کشتی احمدیت کو بھنور میں سے نکال کر منزل مقصود کی طرف لے جانا تاریخ کا ایک حیرت انگیز واقعہ ہے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جماعت کی جو راہنمائی فرمائی ہے اور تبلیغ کے کام کو پہلے سے زیادہ وسیع کر دیا ہے ہم اس کے لئے ممنون احسان ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ حضور اقدس کو جلد صحت کاملہ عطا فرمائے اور بہت بہت لمبی عمر عطا فرمائے۔ آمین۔ نیز ہم تمام حضور ایدہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ حضور ہماری روحانی ترقی کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام کے سچے خادم بنائے اور اس کی رضا ہمیں حاصل ہو۔ آمین''

(الفضل 13 اکتوبر 1950ء)

لندن میں مبلغین کی تاریخی کانفرنس

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے دورہ کے 1955ء کے دوران لندن کے مبلغین کی ایک تاریخی کانفرنس منعقد ہوئی۔ گو محترم ظہور احمد باجوہ صاحب، مکرم مولود احمد خان صاحب کو چارج دے چکے تھے۔ لیکن مبلغین کی مساعی کی رپورٹ جو اس کانفرنس میں پیش کی گئی۔ ان کاموں کا Credit مکرم باجوہ صاحب کو بھی جاتا ہے کیونکہ اس کانفرنس کے انعقاد سے معاً قبل مکرم باجوہ صاحب کا دور تھا۔

مکرم مولود احمد خان صاحب نے جو رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ اس کا کچھ حصہ درج ذیل ہے۔

''اس مشن میں سلسلہ کی مشہور ہستیاں کام کر چکی ہیں جن میں مکرم چوہدری فتح محمد صاحب

سیال، حضرت مفتی محمد صادق صاحب، حضرت مولانا نیر صاحب، مکرم مولانا عبدالرحیم صاحب درد، مکرم ملک غلام فرید صاحب، مکرم خان صاحب، مکرم فرزند علی خان صاحب، مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمس، مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ، مکرم ظہور احمد صاحب باجوہ علی الترتیب امام وانچارج مشن رہے ہیں...... مشن میں مرکزی انجمن ترقی اسلام حیدرآباد دکن اور دوسرے احمدی مشنوں کا لٹریچر موجود ہے جو متلاشیان حق میں تقسیم کیا جاتا ہے بعض کتب قابل فروخت بھی ہیں۔ مشن کی سرگرمیوں میں عیدین کی عظیم تقاریب بھی ہیں جس میں مسلم وغیر مسلموں کی کثیر تعداد شامل ہوتی ہے۔ ہر مذہب کے لوگ بلا امتیاز رنگ وقوم اس میں شریک ہوتے ہیں جس میں مختلف حکومتوں کے نمائندے اور اخباری نامہ نگار بھی ہوتے ہیں جوان تقاریب کو اور زیادہ پُر شوکت بنادیتے ہیں۔ پچھلی عیدالفطر کا ذکر ایک لندن کے اخبار میں تفصیلی طور پر آیا ہے جس نے اس دعوت کی افادیت کو خوب سراہا ہے اور اپنے حلقے کے میئر نے بھی اپنی سالانہ رپورٹ میں اس بیت الفضل اور اس کی پُر کیف دعوتوں کا ذکر کیا ہے اور اس طرح اس کی اہمیت کو واضح کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ لندن مشن اور آپ کی مساعی کو یہاں کے ممتاز لوگوں میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اہم مواقع اور تقاریب پر اس مشن کو مدعو کیا جاتا ہے۔ بیرونی سلاطین کی آمد پر امام بیت الفضل کو بلایا جاتا ہے۔ آنے والوں کے استقبال کے علاوہ اس کو خاص دعوتوں میں بھی مدعو کیا جاتا ہے اور خاص جگہ اس کو دی جاتی ہے۔ ملکہ مکرمہ اپنی سالانہ دعوت میں مشن کو بھی دعوت دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ غیر مسلم ادارے، سوسائٹیز اور مختلف کلبوں کو بیت الفضل میں مدعو کر کے اسلام کی تبلیغ کی جاتی ہے۔ تقاریر کے بعد سوالات کا موقع دیا جاتا ہے تا اسلام کے متعلق پیدا شدہ غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جائے اور اس قسم کی دعوتیں بفضلہٖ تعالیٰ کافی مفید ثابت ہوتی ہیں اور دلچسپی رکھنے والے احباب کو لٹریچر بھی دیا جاتا ہے۔ چنانچہ پچھلے دو مہینوں میں دو سوسائٹیوں کو مدعو کیا گیا انہوں نے ہماری دعوت کو قبول کیا یہاں وہ لوگ آئے ہماری تقاریر کو بغور سنا اور اسلامی معلومات میں کافی دلچسپی انہوں نے لی۔ امسال بیرونی حکومتوں کے سرکردہ وزیراعظم وشہنشاہ کو قرآن مجید کا تحفہ پیش کیا گیا۔ سیلون (سری لنگا) کے وزیراعظم ...... نے قرآن کریم کے مبارک ہدیہ کو بشوق

قبول کیا اور اس کے مطالعہ کا وعدہ کیا۔ اس طرح شہنشاہ ایران کی آمد پر ان کو خوش آمدید کہتے ہوئے اس مشن نے ان کی خدمت میں قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ پیش کیا جو سلسلہ عالیہ احمدیہ نے ابھی ہالینڈ سے شائع کیا ہے۔ شاہ موصوف نے نہ صرف اس تحفے کو قبول کیا بلکہ جماعت احمدیہ کی تبلیغی مساعی کو بھی سراہا جو وہ قرآن کریم کے مختلف زبانوں میں تراجم کرا کر کر رہی ہے۔ یہ تعریف محض سطحی تعریف نہ تھی بلکہ ٹھوس حقیقت پر مبنی تھی۔ جس کا ثبوت وہ گراں قدر قبلہ نما کا عظیم الشان عطیہ ہے جو شہنشاہ موصوف نے اس بیت الفضل کے لئے بنوایا اور پھر اپنے سفیر مقیم لندن کے ذریعہ مذکورہ حقیقت کے اعتراف کے ساتھ اس بیت الفضل کو دیا گیا۔ فالحمدللہ علیٰ احسانہ

اس کے علاوہ یہ مشن یونیورسٹی کے پروفیسرز اور اہم اور اعلیٰ علمی شخصیتوں کو خطوط، ملاقاتوں کے ذریعہ بھی پیغام حق پہنچاتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس طبقہ کی توجہ دن بدن اسلام کی طرف زیادہ سے زیادہ تر ہوتی جاتی ہے اور وہ مختلف مواقع پر امام بیت الفضل کو مدعو کرتے ہیں تاکہ ان کی مجالس میں محاسن اسلام بیان کئے جائیں۔

خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ مشن اسلام کا پیغام نہ صرف برطانیہ میں بلکہ دنیا کے کئی دور دور کے ممالک میں پھیلانے کا ذریعہ ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ اس مشن کے قیام کے بعد کئی روحوں کو ہدایت نصیب ہو چکی ہے۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک

(الفضل 20 اگست 1955ء)

آپ کی ایک رپورٹ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا تبصرہ

15 اکتوبر 1952 کو انجمن اشاعت اسلام لاہور کے ترجمان اخبار پیغام صلح میں میاں محمد صاحب پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے اپنے ایک مضمون بعنوان مبائعین نے اپنے عقائد بدل لئے ہیں میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ پر یہ الزام لگایا کہ جماعت نبوت بارے اپنی تعریف بدل رہی ہے اور اس تعریف کو اپنا رہی ہے جو مولوی محمد علی صاحب نے اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اخبار پیغام صلح کے اس بیان کی تردید میں ایک

مضمون 24 اکتوبر 1952ء کو تحریر فرمایا جو الفضل 29 اکتوبر 1952ء کے شمارہ میں شائع ہوا۔ اس میں آپ نے ان الزامات کو رد فرماتے ہوئے اس تعریف کو اپنائے رکھنے کا اعلان فرمایا جو جماعت احمدیہ مبائعین کی ہے کہ 1901ء سے قبل کی کوئی تعریف اگر بعد کی تحریف نبوت سے ٹکراتی ہے تو وہ منسوخ ہے۔

اس مضمون کے آخر میں حضور نے مکرم میاں محمد کو مخاطب ہو کر مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب کی لندن سے بجھوائی گئی ایک رپورٹ کا بھی ذکر یوں فرمایا۔

''میاں صاحب کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ہم تو یہ خیال کرتے تھے کہ ان عقائد میں کچھ فرق آ گیا ہے کیونکہ چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ نے حال ہی میں انگلستان سے مجھے رپورٹ بھیجی ہے کہ اب دوکنگ مشین کے ذریعہ سے انگریز احمدی بھی ہونے لگ گئے ہیں۔ گویا وہی تعلیم جس کو پہلے زہر قرار دیا جاتا تھا اب تریاق قرار دے دی گئی ہے۔ چنانچہ دوکنگ مشن کے ذریعہ سے ایک احمدی ہونے والی عورت ہمارے مشن میں بھی آئی اور ہمارے مشنری سے اس نے باتیں کیں۔ پس ہم تو یہ امید رکھ رہے ہیں کہ جلد ہی احمدیت کی تبلیغ ایک ضروری چیز قرار دے دی جائے گی اور غیر مبائعین بھی انگلستان اور امریکہ میں کھلے بندوں احمدیت کی تبلیغ کرنے لگ جائیں گے اور خدا تعالیٰ دونوں فریق کو اس بات کی توفیق دے گا کہ وہ احمدیت کی اشاعت میں حصہ لیں۔''

(انوار العلوم جلد 23 صفحہ 50)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذکر خیر

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے 2006ء میں تحریک جدید کے نئے مالی سال کا اعلان خطبہ جمعہ 3 نومبر میں فرمایا۔ اس خطبہ میں حضور انور نے تحریک جدید کے ذریعہ ہونے والی عالمگیر فتوحات و ترقیات کا ذکر فرماتے ہوئے اس تحریک کے تحت بیرون ملک جانے والے ابتدائی مربیان کا ذکر بھی فرمایا۔ حضور انور نے ایک تو دُعا کی غرض سے ان بزرگ مربیان کے نام لئے اور اس لئے بھی کہ ان کی اولادوں کو بھی احساس ہو کہ وہ بھی اپنے بزرگ والدین کے

نقش قدم پر چلیں۔اس سلسلہ میں مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ کا بھی ذکر ہوا۔ آپ فرماتے ہیں۔

’’تحریک جدید کے شروع میں جو بزرگ جماعت کی خدمت کرتے رہے، میں نے ان کے ناموں کو دیکھا تو دُعا کی غرض سے اور اس لئے کہ ان کی اولادوں کو ذرا احساس ہو کہ ان میں سے اگر کوئی خدمت نہیں کر رہا تو ان میں احساس پیدا ہو اور وہ آئندہ آگے بڑھیں......حضرت مصلح موعود نے مشورہ کر کے اور بالکل معمولی رقم دے کر جب ان کو بھیجا تھا تو اس وقت حضرت مصلح موعود نے فرمایا تھا کہ میں نے مبلغین کی جو سیلیکشن کی ہے تو صرف یہ دیکھا تھا کہ جرأت سے کام کرنے والے ہیں، لیاقت کا زیادہ خیال نہیں رکھا تھا۔

پھر دوسرا گروپ گیا۔جس میں ملک عطاء الرحمن صاحب فرانس، چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ انگلستان، حافظ قدرت اللہ صاحب ہالینڈ، چوہدری اللہ دتہ صاحب فرانس، چوہدری کرم الٰہی صاحب ظفر سپین، چوہدری محمد اسحاق صاحب سپین، مولوی محمد عثمان اٹلی، اسی طرح ابراہیم خلیل صاحب اٹلی، غلام احمد بشیر ہالینڈ (شامل تھے)‘‘

(خطبات مسرور جلد 4 ص 558)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھو الناصر

انی معک یا مسرور

خلیفۃ المسیح
امام جماعت احمدیہ

پیارے عزیز
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کئی دن سے تمہیں اور تمہاری امی کو خط لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ تمہارا خط پہلے آ گیا۔ عید کے دن امید ہے میرا سلام اور عید مبارک پہنچ گئی ہوگی۔

جب سے باجوہ صاحب قید ہوئے ہیں ان کی یاد سخت بے چین رکھتی ہے۔ بسا اوقات رات کو ان کے بارہ میں سوچتا رہتا ہوں کہ اس وقت کیا حال ہوگا اور اپنے بستر کی نرمی سے کراہت آنے لگتی ہے۔ اگر میری مجبوریاں حائل نہ ہوتیں تو میں بشوق ان کے ساتھ جگہ بدل لیتا۔ بہت بے چین ہوں اور بہت دعا کر رہا ہوں۔ اس وقت غالباً لاہور ہائی کورٹ میں ان کی ضمانت کی درخواست زیر غور ہوگی۔ اللہ اپنے فضل سے جج کے دل میں انصاف ڈال دے اور اپنا خوف پیدا کر دے اور خدا کرے آج ہی میں ان کی رہائی کا [illegible]

تمہاری امی کا بھی بہت خیال رہتا ہے اور ان کے خیال سے بھی دل بہت بے قرار رہتا ہے

اس طرح سفر میں شفیق، فورسٹ لیڈر ملک اور دیگر اسیروں کی یاد
بہت ستاتی ہے۔ لیکن صبر کی تعلیم دوسروں کو دیتا
ہوں سو خود کیسے اسے نظر انداز کر دوں۔

اللہ اپنی راہ میں اسیر ہونے والوں اور ان کے
پسماندگان کے حال پر رحم فرمائے اور میرے حال
پر بھی رحم فرمائے۔ ہر احمدی کا غم میرے اپنے دل
کا غم ہے۔ ہر احمدی کی فکر میرے اپنے دل کی فکر ہے۔ احمدیوں کی
خاطر پاکستان میں جو آنسو گرتے ہیں وہ میری ہی آنکھ سے
گرتے ہیں۔ اللہ نے ان کا غم مجھے بخشا ہے تو میرا عزم بھی
ان کو عطا کرے اور دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر
ایک غیر متزلزل ارادہ کے ساتھ وہ خدمت کی راہوں
میں آگے قدم بڑھاتے رہیں۔

اپنی امی کو میرا بے حد محبت بھرا السلام اور
بھائیوں اور بہنوں اور دوسرے عزیزوں کو بھی۔

خدا حافظ! میرے پیارے ظہیر۔ خدا حافظ!

والسلام خاکسار

مرزا طاہر احمد

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کا مکرم ظہیر احمد باجوہ صاحب کے نام ایک یادگار جذبات سے لبریز خط۔
جو مکرم باجوہ صاحب کی اسیری کے دوران حضور نے تحریر فرمایا۔

وَاجْعَلْ لِي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطَانًا نَصِيرًا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا

خلیفۃ المسیح

امام جماعت احمدیہ

10.8.1363
1984

پیارے عزیزان وسیم لطف اللہ و مبارک احمد سلیم[1]

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ دونوں کا خط ملا اور اسیران احمدیت کی یاد میرے زخموں کو تازہ کر گئی۔ دن میں کئی کئی بار اور رات کو تو اور بھی زیادہ ذہن سکھر باجوہ صاحب حکیم خورشید احمد صاحب۔ خواجہ مجید صاحب اور آپ دونوں کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اب تو سنا ہے کہ مولوی عبدالعزیز صاحب بھامبڑی بھی آپ سے آملے ہیں۔

آپ سب کا ذکر میں خطبات اور مجالس میں کرتا رہتا ہوں تاکہ جماعت آپ کو بھلا نہ سکے۔ اور دنیا کے کونے کونے سے جو خط آرہے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ساری جماعت خواہ امریکہ کی ہو یا افریقہ کی یورپ کی ہو یا جاپان کی فجی کی ہو یا ماریشس کی آپ کے درد میں تڑپ رہی ہے۔ بعض ایسے دردناک خطوط ملتے ہیں کہ پڑھنا دوبھر ہو جاتا ہے کیا مرد اور کیا عورتیں۔ کیا بڑے اور کیا بچے آپ کے لئے دعائیں کرتے ہوئے زار زار روتے ہیں

[1] یہ دونوں عزیز آجکل [illegible] جیل میں نظر بند ہیں ساہیوال [illegible] 1984

بسم اللہ الرحمن الرحیم • نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھو الناصر

انا فتحنا لک فتحا مبینا

خلیفۃ المسیح
امام جماعت احمدیہ

کہ بعض اوقات ساری ساری رات تڑپ
تڑپ کر گزارتے ہیں۔ آج بھی کئی مظلوم
دوسرے انسانوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے
ہیں۔ بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ تنہائی کی حالت میں دم
توڑ رہے ہیں بعض کے مقدر میں عمر بھر کی ہولناک
قید تنہائی لکھ دی جاتی ہے لیکن کون ہے دنیا میں
جو ان کے درد سے اس طرح تڑپے اور بے قرار
ہو جس طرح آج آپ کے لئے لکھوکھہا بندگان
خدا بے قرار ہیں اور تڑپ رہے ہیں۔ یہ ایک
دو نسلوں کی باتیں نہیں۔ قیامت تک آپ کا نام
آسمان احمدیت پر ستارے بن کر چمکتا رہے گا۔
بلاشبہ یہ اعزاز اور یہ رفعتیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ
علیہ وسلم کی سچی غلامی کے صدقے ہیں۔ اللھم صل علی محمد
و علی آل محمد کما صلیت علی ابراہیم و علی آل ابراہیم انک
حمید مجید۔
پیارے برادران باجوہ صاحب، حکیم خورشید صاحب، خواجہ صاحب
اور آپ دونوں کو میرا نہایت محبت بھرا سلام اور پیار۔
اس وقت میرے تصور کی آنکھ بڑی محبت سے تختِ
سخت بے بسی کے حال میں آپ سب کو دیکھ رہی ہے۔ خدا حافظ۔
والسلام خاکسار مرزا طاہر

From:- ASIF BALOCH
CELL:- 0345-6311000
23/3/12

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی ایک نادر تحریر۔ جو حضور نے ان دو نوجوانوں کو مخاطب ہو کر لکھی جن پر بعض شر پسندوں نے نام نہاد مقدمہ بنا کر مکرم باجوہ صاحب اور دیگر بزرگان جماعت کو شامل کیا۔ اس تحریر میں مکرم باجوہ صاحب کے بلند مقام کا ذکر ہے۔

نقل رپٹ شدہ ابتدائی رپورٹ نمبری 186 مورخہ 23 9/75 تھانہ ربوہ شمولہ کاغذات
بعدالت جناب اسسٹنٹ کمشنر صاحب چنیوٹ

—:—

(کاغذات بلا انڈکس)

سرکار ۔ ۔ ۔ بنام ۔ ۔ ۔ ظہور احمد باجوہ ناظم امور عامہ ربوہ

زیر دفعہ 49 DPR/42، 16 MPO

نمبر 186 تھانہ ربوہ ضلع جھنگ تاریخ و وقت وقوعہ ماہ فروری 1975ء

1	تاریخ و وقت رپورٹ: مورخہ 25 ستمبر 23 9/75 دس بجے شام	6	تھانہ سے روانگی کی تاریخ و وقت	23 9/75 بذریعہ سپیشل رپورٹ	
2	نام و سکونت اطلاع دہندہ و مستغیث	محمد شریف خان ASI/SB ربوہ			
3	مختصر کیفیت جرم (معہ دفعہ) و مال اگر کچھ لیا گیا ہے۔	زیر دفعہ 49 DPR/42، 16 MPO			
4	جائے وقوعہ و فاصلہ تھانہ سے اور سمت	قصبہ ربوہ			
5	کارروائی متعلقہ تفتیش اگر اطلاع درج کرنے میں کچھ توقف ہوا ہو تو اس کی وجہ بیان کی جاوے۔	بجانب پولیس کچھ توقف نہیں ہوا۔			

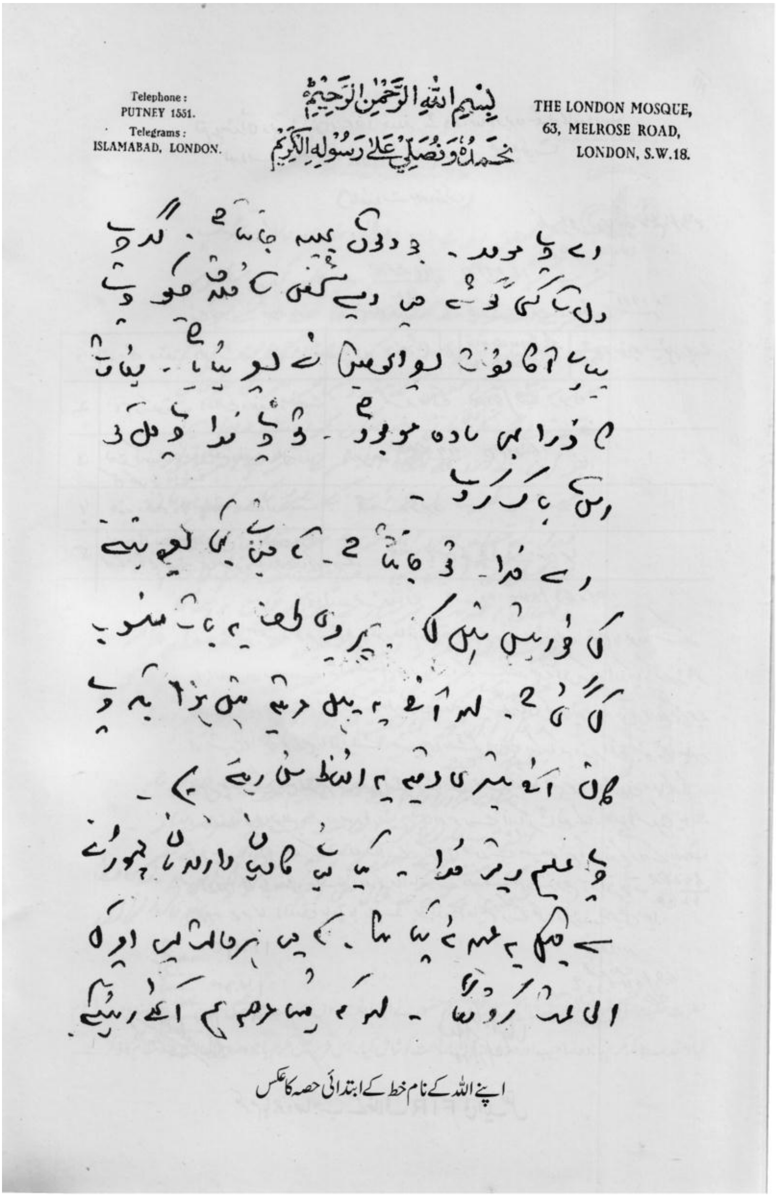
دستخط انگریزی محمد شریف خان عہدہ ASI/SB ربوہ۔

مسمی ظہور احمد باجوہ ناظم امور عامہ ربوہ ولد چوہدری بشیر محمد قوم باجوہ سکنہ دارالصدر ربوہ نے شاہ فیصل کی وفات کے سلسلہ میں تقریر کی اور کہا۔ مرزا ناصر احمد جو کہ جماعت احمدیہ کے خلیفہ ہیں نے تین پیشگوئیاں کیں تھیں۔ جو دو پوری ہو گئی ہیں اور تیسری ابھی پورا ہونا لگا ہے۔ تیسری پیشگوئی میں یہ کہا کہ وزیر اعظم بھٹو بھی جلد قتل ہو جائیں گے۔ یہ تقریر شیعہ لٹریچر اشاعت مجلس تحفظ ختم نبوت اندرون سیالکوٹی دروازہ گوجرانوالہ نے بدیں عنوان پرلیں لاہور سے چھپا کر شائع کیا۔ ظہور احمد کی یہ تقریر احکام بالا کے حسب ذیل سے گزری جس سے منشا ہوا کہ مذکورہ کے خلاف کارروائی کی جاوے۔ لہذا مذکور باجوہ کے خلاف صورت جرم زیر دفعہ 49 DPR/42-6A، 16 MPO کا اطلاق پایا جاتا ہے۔ جو درج رجسٹر کر کے نقل برائے تفتیش ہوا۔

دستخط انگریزی
محمد شریف خان
ASI/SB 23 9/75
ربوہ

1731/C 9/75
1 40.300
دستخط 26.9.75

مکرم باجوہ صاحب کے خلاف FIR کی ایک نقل



Telephone:
PUTNEY 1551.
Telegrams:
ISLAMABAD, LONDON.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

THE LONDON MOSQUE,
63, MELROSE ROAD,
LONDON, S.W.18.

[illegible]

اپنے اللہ کے نام خط کے ابتدائی حصہ کا عکس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

و علیٰ عبدہ المسیح الموعود

نقل

بحضور سیدی و مولائی ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

میں نے تحریک جدید کے سال چہارم میں مبلغ ۱۰/- روپیہ اور سال پنجم میں ۵/- روپیہ جماعت احمدیہ لائل پور میں چندہ دیا اس کے بعد کچھ نہ دے سکا ۔ مگر یہ دعا ہمیشہ رہی کہ اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو سال اول سے شروع کر کے ہر سال اضافہ کے ساتھ اپنا دس سالہ چندہ پیش کر کے اس جہاد میں نہ صرف خود ہی شامل ہوں ۔ بلکہ والدہ صاحبہ مرحومہ کی طرف سے اسی شرح کے ساتھ چندہ ادا کر کے ان کو بھی اس جہاد میں شامل کروں ۔

۱۹۶۵ء میں دادی صاحبہ (اہلیہ چوہدری [illegible] بخش صاحب چک ۳۳ جنوبی ۔ ضلع سرگودھا) فوت ہو کر بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئیں ۔ چونکہ والدہ مرحومہ کی وفات کے بعد آٹھ سال تک ان کی تسلی اور تشفی ہمارے زخمی دلوں پر مرہم کا کام دیتی رہی ۔ اس لئے میرے دل میں تحریک پیدا ہوئی کہ ان کو بھی اس جہاد میں شامل کرنا چاہئے ۔ تا کہ بہشتی مقبرہ میں مدفون ہونے کی سعادت کے ساتھ اس جہاد میں شامل ہونے کی سعادت بھی بفضلہ ان کو حاصل ہو جائے مگر ساتھ ساتھ ہی یہ خواہش بھی تھی کہ اگر اپنا بقایا ادا کرنے کے لئے مجھے اقساط کی اجازت لینی پڑ جائے تو لے لوں گا ۔ مگر والدہ مرحومہ اور دادی صاحبہ مرحومہ کے لئے ایسی اجازت نہیں لوں گا ۔ بلکہ وعدہ پیش کرنے کے ساتھ ہی رقم بھی پیش کر دوں ۔

پیارے آقا ۔ الحمد للہ ۔ آج میں اس قابل ہوا ہوں کہ ان کا وعدہ بمع رقم پیش کرنے کے قابل ہوا ۔

	سال اول	دوم	سوم	چہارم	پنجم	ششم	ہفتم	ہشتم	نہم	دہم	میزان
والدہ مرحومہ	۷/-	۸/-	۹/-	۱۰/-	۱۱/-	۱۲/-	۱۳/-	۱۴/-	۱۵/-	۱۶/-	۱۱۵/-
دادی صاحبہ مرحومہ	۷/-	۸/-	۹/-	۱۰/-	۱۱/-	۱۲/-	۱۳/-	۱۴/-	۱۵/-	۱۶/-	۱۱۵/-

دیے گئے۔ اس وعدہ کے ماتحت میں -/1304 روپیہ بطور رقم پیش کرتا ہوں۔ لہٰذا حضور قبول
فرما کر ذرہ نوازی فرماویں۔ [illegible] دعا فرماویں کہ غفور الرحیم خدا ان دونوں
وجودوں کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرماوے۔

میں اپنی طرف سے بھی اس شرح کے ماتحت میں سو روپیہ پیش کرتا ہوں۔ قبول فرماویں
اس کے۔ [illegible] روپیہ بابت [illegible] میں ادا کر ~~چکا~~ دیا تھا۔ [illegible]
روپیہ۔ [illegible] روپیہ بابت [illegible] دہلی میں فروری میں ادا کر دیا تھا۔ باقی -/85 روپیہ
انشاء اللہ العزیز جلد ادا کرنے کی کوشش کروں گا۔ حضور دعا فرماویں کہ [illegible]
یہ جلد ادا کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین

والسلام
خاکسار [illegible] حضور کا ادنیٰ خادم
[illegible]

12/11

بحضور اقدس سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز۔

Salim Ahmed Bajwa
MELME2, GHQ,
New Delhi.

اپنے امام کے نام ایک تحریر۔ جس میں اپنی قربانی کا ذکر فرمار ہے ہیں

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم   بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر

کتنے بد قسمت ہیں وہ لوگ جنکے مکان سونے کی کانوں پر بنے ہوئے تھے۔ لیکن اُن سونے کی کانوں سے فائدہ غیر مُلکی لوگوں نے اٹھایا۔ مگر اُن سے بھی زیادہ بد قسمت ہیں وہ لوگ جو تعلق باللہ کی سُرنگ پر حیران بیٹھے ہیں۔ غیر قومیں آئینگی اور اس سُرنگ کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ تک پہنچینگی بعض انسان کتنا بد قسمت ہوتا ہے۔

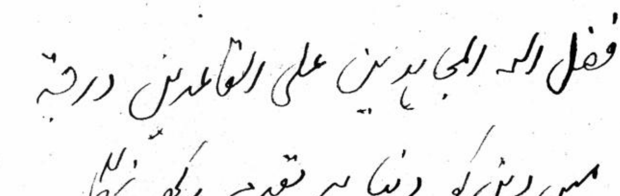
مرزا محمود احمد

4.7.50.

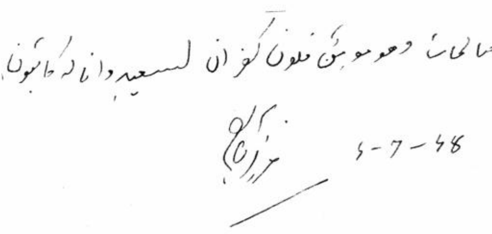
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا آٹوگراف۔ جو حضور نے مکرم باجوہ صاحب کو لکھ کر دیا



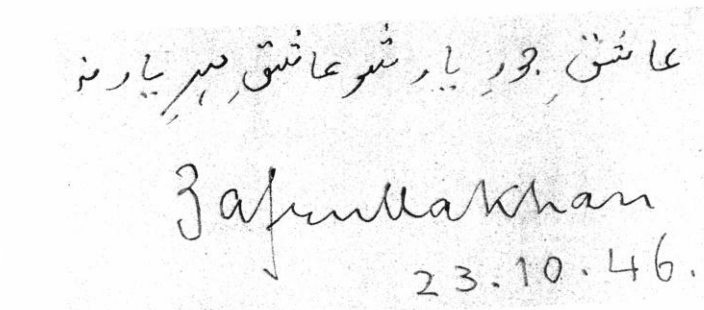
حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کا آٹوگراف۔ جو مکرم باجوہ صاحب کو لکھ کر آپؒ نے دیا



حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے آٹوگراف کی نقل



حضرت مرزا وسیم احمد صاحب ناظر اعلیٰ وامیر مقامی قادیان کا آٹوگراف

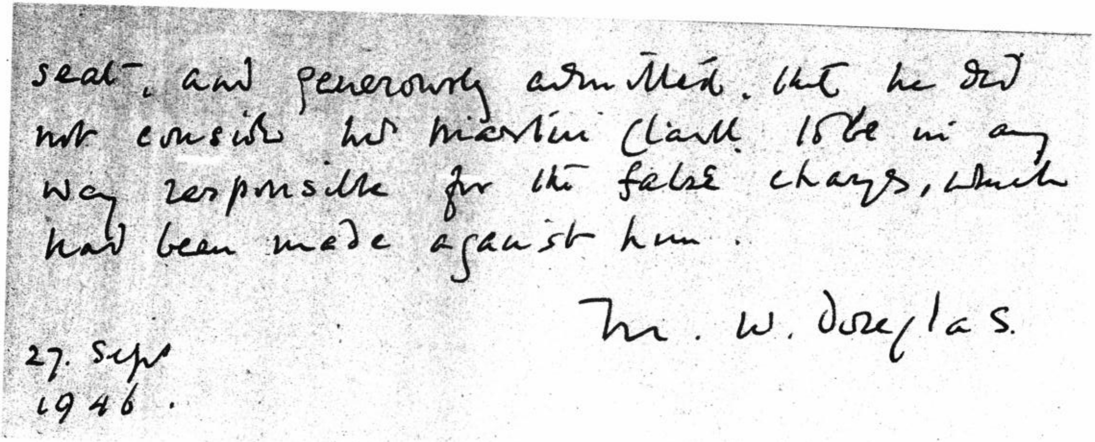


حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب کے آٹوگراف کی نقل

47

The case against Mirza Gholam Ahmed depended on the evidence of the youth alleged to have been sent to Amritsar from Kadian: His statement broke down under cross-examination. Asked, where he first went on reaching Amritsar, he replied, to the American mission the Principal of which, Dr. Gray, refused to accept him. He then went to the C.M.S. mission which admitted him. His object was, clearly.. to obtain a livelihood.. He subsequently withdrew his statement to the effect that he intended to attack the Rev. Martin Clark, which he said had been invented by the subordinates of the mission

After his discharge, the Mirza rose from his

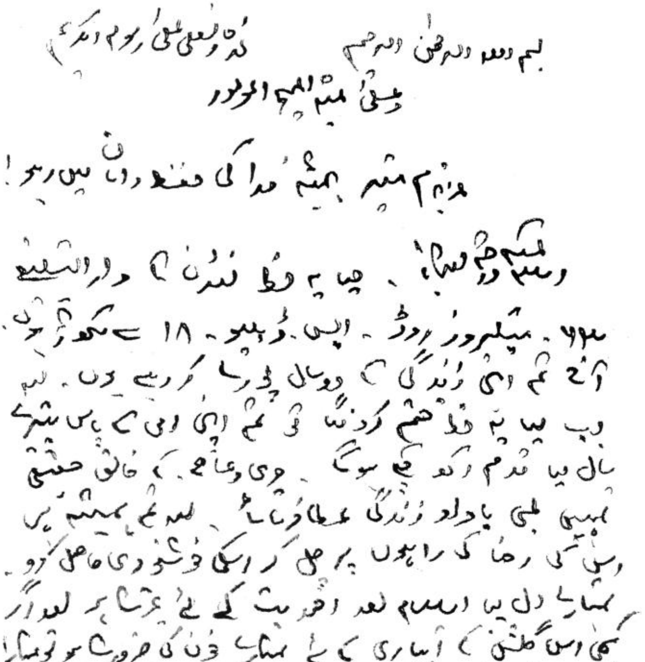


seat, and generously admitted that he did not consider Mr. Martin Clark to be in any way responsible for the false charges, which had been made against him.

M. W. Douglas.

27. Sept
1946.

کرنل ڈگلس کا آٹوگراف



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم
وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

عزیزم مشہد ہمیشہ خدا کی حفاظت وامان میں رہو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جبکہ یہ خط لندن کے دارالتبلیغ
۶۳ میلروز روڈ۔ ایس ڈبلیو۔ ۱۸ سے لکھ رہا ہوں
آج تم اپنی زندگی کے دو سال پورے کر رہے ہو۔ اور
جب تم یہ خط ختم کر دو گے تو تم اپنی امی کے پاس تیسرے
سال میں قدم رکھ چکے ہو گے۔ میری دعا ہے کہ خالق حقیقی
تمہیں لمبی بابرکت زندگی عطا فرمائے۔ اور تم ہمیشہ ہی
اسی کی رضا کی راہوں پر چل کر اس کی خوشنودی حاصل کرو۔
تمہارے دل میں اسلام اور احمدیت کے لئے جوش ہو اور اگر
کبھی اس گلشن کی آبیاری کے لئے تمہارے خون کی ضرورت ہو تو تمہارا
قدم لڑکھڑانے نہ پائے۔ بلکہ نہایت خندہ پیشانی سے اس آواز
پر لبیک کہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ تمہیں ایسا کرے۔

اپنے بیٹے کے نام ایک خط کا ابتدائی حصہ جب وہ اپنی تیسری سالگرہ منا رہا تھا

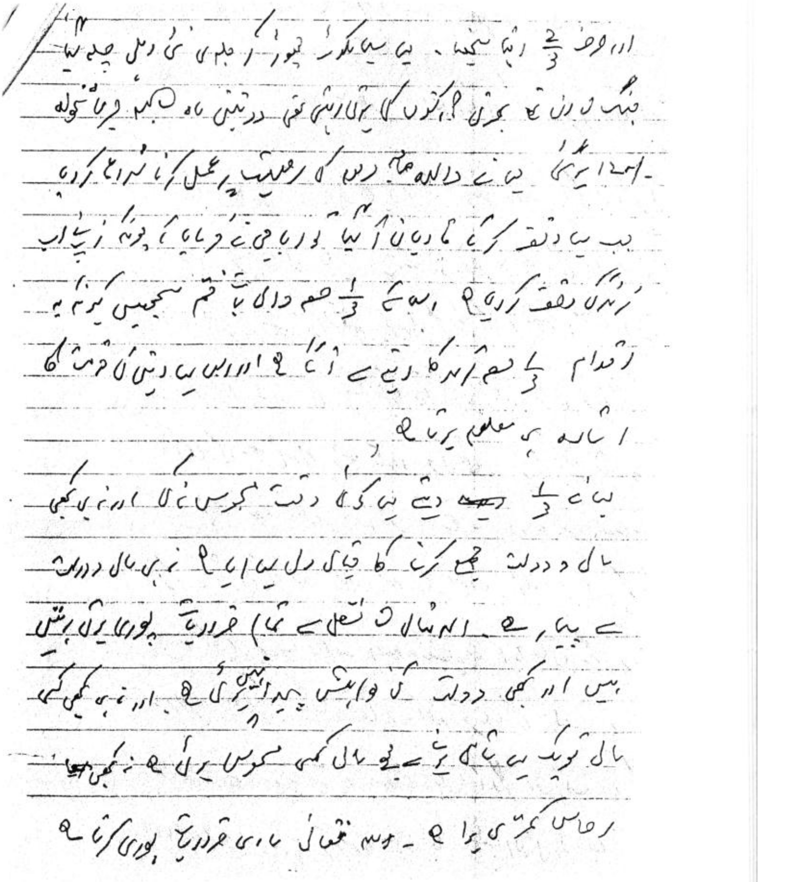
۱۱۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم   نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

پیارے ظہیر   اللہ تعالیٰ کی حفظ و امان نصیب ہو

آپکا خط ملا۔ بڑی خوشی ہوئی کہ مزید دینی کام کی ذمہ داری آپ کے
سپرد کر دی گئی ہے۔ اب تک تو شاید بوجھل ہوگی اللہ تعالیٰ اخلاص
اور محنت سے ذمہ داری پوری کرنے کی توفیق دے۔ آمین

یہی بات جب میں آیا تھا وہ زمانہ بڑی غربت کا تھا اور
لوگوں کی معاشی حالت بڑی کمزور ہوتی تھی۔ مرکز کے کارکنوں میں کارکن
کو -/25 روپے ماہوار ملا کرتے تھے۔ میں نے بھی سیالکوٹ میں
نوکری شروع کی اور پہلا مہینہ کی تنخواہ -/166 روپے ملی۔ مگر ابھی پورا
مہینہ کام نہ کیا تھا۔ اس وقت مجھے ابا جان نے فرمایا اپنی
والدہ کا ایک پیغام سن لو اور دعا کے جواب میں تمہاری
والدہ نے تم کو یہ پیغام دیا ہے کہ اگر ملازمت میں پہلی تنخواہ
-/100 روپے سے زائد ہو تو ساری تنخواہ کا $\frac{1}{3}$ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا کرو



اور صرف 2/3 رکھنا سمجھا۔ یہ سب کچھ چھوڑ کر جلدی ہی دہلی چلے گئے
جنگ کے دوران تم بچے تھے انگریزوں کی تنخواہ رکھی تھی دو تہائی ماہ کچھ دینا ہوگا
۱۲-۱۳ برس کی عمر میں نے والد صاحب دین کی رضیت پر عمل کرنا شروع کر دیا
جب یہ وقت کرنے کا دن آ گیا تو دادا جی نے فرمایا کہ چونکہ تم نے اب
زندگی وقف کر دی ہے اس لئے 1/3 حصہ والی بات ختم سمجھیں کیونکہ یہ
زندگی 2/3 حصہ اللہ کا دینے سے آگے ہے اور اب یہ دین کی خدمت کا
اشارہ ہی معلوم ہوتا ہے
میں نے 1/3 حصہ دینے پر کیا دل وقت گھر سے نکلا اور نہ ہی کبھی
مال و دولت جمع کرنے کا خیال دل میں آیا ہے نہ ہی مال و دولت
سے پیار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے تمام ضروریات پوری ہوتی رہتی
ہیں اور کبھی دولت کی خواہش پیدا نہیں ہوتی ہے۔ اور نہ ہی کبھی کسی
مال کو دیکھ کر یہ خواہش ہوئی کہ یہ مال کبھی محسوس ہوا ہے نہ کبھی ایسا
احساس کمتری کا ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ ساری ضروریات پوری کرتا ہے

اپنے بیٹے کے نام ایک خط کی تحریر کا ایک حصہ

باب نمبر 9

بادشاہوں، سفیروں اور حکومتی اہلکاروں سے ملاقاتیں

- وزیر اعظم سیلون کی خدمت میں قرآن کریم کا تحفہ
- شاہ ایران کو قرآن کریم کا تحفہ
- انڈونیشیا کے سفیر سے ملاقات
- کمشنر سرگودھا ڈویژن سے ملاقات
- کرنل ڈگلس سے ملاقاتیں

وزیر عظیم سیلون (سری لنکا) کو انگریزی ترجمہ قرآن پیش کرنے والے وفد کے ممبر ہونے کی سعادت

جماعت احمدیہ انگلستان کے ایک وفد نے ۱۱ فروری 1955ء کو وزیر اعظم سیلون (سری لنکا) کو انگریزی ترجمہ قرآن پیش کیا اور انہیں بتایا کہ قرآن مجید عالمگیر شریعت ہے۔ اور اس کے ذریعہ اقوام عالم میں امن قائم ہوسکتا ہے۔ یہ وفد مکرم مولود احمد خاں صاحب امام بیت الفضل لندن، مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب، مکرم سید محمود احمد ناصر صاحب، مکرم عبدالعزیز صاحب اور مسٹر بشیر الدین پلیرنس پر مشتمل تھا۔

وزیر اعظم سیلون نے نہایت توجہ سے اسلامی تعلیم کو سُنا اور اس کی خوبیوں کا اعتراف کیا۔ موصوف نے اسلام، بُدھ مذہب اور عیسائیت کے بارے میں تبادلہ خیالات کیا۔ اس تقریب کی خبر لندن کے مشہور اخبار ''ڈیلی ٹیلیگراف'' (Daily telegraph) میں بھی شائع ہوئی۔

(تاریخ احمدیت جلد 18 ص 312)

شاہ ایران کو ترجمہ قرآن پیش کرنے والے وفد کے ممبر ہونے کی سعادت

21 فروری 1955ء کو ایرانی سفارت خانہ میں جماعت احمدیہ کے ایک وفد نے عزت مآب شاہ ایران (رضا شاہ پہلوی) کو انگریزی ترجمہ قرآن کا تحفہ پیش کیا۔ اس وفد کے ممبران یہ حضرات تھے۔ مکرم مولود احمد خاں صاحب امام بیت الفضل لندن، مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ، مکرم مولوی نذیر احمد صاحب مبشر، مکرم سید محمود احمد صاحب ناصر اور مکرم عبدالشکور صاحب کنزے۔

شاہ ایران نے عزت و احترام سے یہ تحفہ قبول کیا نیز جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات کو سراہتے ہوئے جرمن، ڈچ اور انگریزی تراجم قرآن پر بہت مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا انگریزی ترجمہ قرآن کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہونی چاہئے۔

(تاریخ احمدیت جلد 18 ص 312)

سفیر انڈونیشیا کی ربوہ آمد اور باجوہ صاحب کی الوداعیہ میں شرکت

21 ستمبر 1957ء کو انڈونیشیا کے سفیر الحاج ڈاکٹر محمد رشیدی خیر سگالی کے دورہ پر ربوہ تشریف لائے۔ آپ بیرونی ممالک کے پہلے سفیر تھے جو مرکز احمدیت کی زیارت کے لئے آئے تھے۔

دو دن قیام کے دوران آنجناب نے ربوہ کے مختلف دفاتر کا دورہ کیا۔ چیدہ چیدہ احباب سے ملاقات کی اور 23 ستمبر کو آنجناب کی لاہور روانگی سے قبل اہالیان ربوہ کے جن سرکردہ احباب نے آنجناب کو الوداع کہا۔ اُن میں مکرم باجوہ صاحب موصوف بھی موجود تھے۔ اس واقعہ میں جو رپورٹنگ روزنامہ الفضل نے کی اور تاریخ احمدیت نے محفوظ کی اس میں آپ کا ذکر یوں ہے۔

''چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ نائب ناظر اصلاح وارشاد''

(تاریخ احمدیت جلد 19 ص 495)

ایک اور جماعتی وفد میں نمائندگی

جماعتی تعلیمی ادارے جلسہ سالانہ پر مہمانان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ یہ ادارے Nationlise ہونے کے بعد 1972-1973 اور 1974ء میں مہمانوں کے لئے استعمال ہوتے رہے لیکن 1975ء میں حکومت نے دینے سے انکار کر دیا۔

- مکرم چوہدری حمید اللہ صاحب وکیل اعلیٰ وافسر جلسہ سالانہ تحریر فرماتے ہیں کہ

1972ء میں ہمارے تعلیمی ادارے (تعلیم الاسلام کالج، تعلیم الاسلام ہائی سکول، جامعہ نصرت گرلز کالج، جامعہ نصرت گرلز سکول) Nationalise ہوئے۔ یہ ادارے غریب احمدیوں کے چندوں سے بنے تھے اور تعلیم کے علاوہ ان کا استعمال یہ تھا کہ جلسہ سالانہ کے موقع پر یہ ادارے خالی کر دیئے جاتے تھے اور ان میں جلسہ کے مہمان ٹھہرتے تھے۔

Nationalization کے بعد 1972-1973 اور 1974ء میں تو معمول کے مطابق ان میں مہمان ٹھہرے لیکن 1975ء میں جلسہ شروع ہونے میں چند دن باقی تھے تو حکومت

کی طرف سے یہ پیغام ملا کہ آپ کے تعلیمی ادارے جلسہ پر آپ کو نہیں ملیں گے۔

یہ اطلاع جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پیش ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اگر مہمان کھلے آسمان کے نیچے سوئیں گے تو میں بھی کھلے آسمان کے نیچے سوؤں گا۔

چنانچہ حضورؒ کی ہدایت پر جماعت کا ایک وفد مکرم مرزا عبدالحق صاحب مرحوم کی قیادت میں (جس میں مکرم ظہور احمد باجوہ صاحب مرحوم ناظر امور عامہ اور خاکسار بحیثیت افسر جلسہ سالانہ شامل تھا) کمشنر سرگودھا ڈویژن سے ملنے گیا۔ بڑی اچھی طرح سے ملے۔ گزشتہ سال 1974ء میں احمدیوں کے جو مکان جلائے گئے تھے اور نقصان پہنچایا گیا تھا اس پر معذرت کی اور کہا کہ میں نے تو .D.C اور .S.P کو قبل از وقت Warn کر دیا تھا۔

تعلیمی اداروں کے متعلق ہم نے ان سے گزارش کی کہ جماعت نے یہ ادارے بنوائے تھے۔ اگر جماعت کے مہمان جلسہ کے موقع پر ان اداروں میں ٹھہر جائیں تو یہ جماعت کا حق ہے۔ اور پھر چند دن کے Short Notice پر ہم ایک لاکھ آدمیوں کو ٹھہرانے کا متبادل انتظام بھی نہیں کر سکتے۔ انہوں نے کہا کہ اس بارے میں پنجاب گورنمنٹ ہی کوئی فیصلہ کر سکتی ہے۔ انہوں نے حکومت پنجاب کے سامنے ساری صورتحال پیش کی۔ تو حکومت نے اس سال 1975ء کے لئے تعلیمی اداروں میں مہمان ٹھہرانے کی اجازت دے دی۔

1976 میں حضورؒ نے ارشاد فرمایا کہ جماعتیں جلسہ کے موقع پر اپنی رہائش کے لئے ربوہ میں بیرکس تعمیر کریں اور اس کے لئے چندہ دیں۔ مردوں کی بیرکس بیت اقصیٰ کے جانب مغرب بنیں اور لجنہ کی بیرکس دارالضیافت کے جانب جنوب۔ اور ان بیرکس کی تعمیر کے لئے جماعت کی خواتین نے دل کھول کر چندہ دیا۔

(ماہنامہ مصباح سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نمبر جون، جولائی 2008ء)

کرنل ڈگلس سے ملاقاتیں اور اس کی امتیازی شان

کرنل ولیم مانٹیگو ڈگلس کا نام تاریخ احمدیت میں ہمیشہ ہی زریں حروف میں لکھا جائے گا آپ ہی وہ قابل فخر وجود ہیں جنہوں نے پادری ہنری مارٹن کلارک کے مقدمہ اقدام

قتل میں باوجود عیسائی ہونے کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حق میں فیصلہ دیا۔آپ اس وقت بٹالہ میں ڈپٹی کمشنر مقرر تھے اور آریوں اور محمد حسین بٹالوی جیسے علماء نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مخالفت میں پادری ہنری مارٹن کلارک کا ساتھ دیا۔کرنل ڈگلس نے اس مقدمہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت افزائی کرتے ہوئے عدالت میں کرسی پر بٹھایا اور فریق ثانی کے گواہ محمد حسین بٹالوی کو کرسی کے مطالبہ کے باوجود کرسی سے محروم رکھا اور تحقیق وسوچ بچار کے بعد حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو اس جھوٹے مقدمہ سے بری کیا۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کو نہ صرف اُس پیلا طوس سے مشابہت دی ہے جس کی عدالت میں یہودیوں نے حضرت مسیح ابن مریم ؑ کے خلاف مقدمہ دائر کیا تھا بلکہ حق و انصاف پر مبنی جرأت مندانہ فیصلہ کرنے پر آپ کی بیدار مغزی، منصف مزاجی، مردانگی، حق پسندی اور خدا ترسی کی بڑی تعریف فرمائی ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام اپنی کتاب کشتی نوح میں تحریر فرماتے ہیں۔

''یہ پیلاطوس مسیح ابن مریم ؑ کے پیلاطوس کی نسبت زیادہ با اخلاق ثابت ہوا کیونکہ عدالت کے امر میں وہ دلیری اور استقامت سے عدالت کا پابند رہا اور بالائی سفارشوں کی اس نے کچھ بھی پرواہ نہ کی اور قومی اور مذہبی خیال نے بھی اس میں کچھ تغیر پیدا نہ کیا اور اس نے عدالت پر پورا قدم مارنے سے ایسا عمدہ نمونہ دکھایا کہ اگر اس کے وجود کو قوم کا فخر اور حکام کے لئے نمونہ سمجھا جائے تو بے جا نہ ہوگا عدالت ایک مشکل امر ہے جب تک انسان تمام تعلقات سے علیحدہ ہو کر عدالت کی کرسی پر نہ بیٹھے تب تک اس فرض کو عمدہ طور پر ادا نہیں کرسکتا مگر ہم اس سچی گواہی کو ادا کرتے ہیں کہ اس پیلاطوس نے اس فرض کو پورے طور پر ادا کیا۔اگرچہ پہلا پیلاطوس جو رومی تھا اس فرض کو اچھے طور پر ادا نہ کرسکا اور اس کی بزدلی نے مسیح کو بڑی بڑی تکالیف کا نشانہ بنایا یہ فرق ہماری جماعت میں ہمیشہ تذکرہ کے لائق ہے جب تک کہ دنیا قائم ہے اور جیسے جیسے یہ جماعت لاکھوں کروڑوں افراد تک پہنچے گی ویسی ویسی تعریف کے ساتھ اس نیک نیت حاکم کا تذکرہ رہے گا اور یہ اس کی خوش قسمتی ہے کہ خدا نے اس کام کے لئے اُسی کو چُنا''

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 ص 55-56)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ کہ ''جیسے جیسے یہ جماعت لاکھوں کروڑوں افراد تک پہنچے گی ویسی ویسی تعریف کے ساتھ اس نیک نیت حاکم کا تذکرہ رہے گا'' کو جہاں اللہ تعالیٰ نے جماعت کے بہت سے وجودوں کے ذریعہ سے پورا کیا وہاں ان الفاظ کو پورا کرنے کا شرف مکرم ظہور احمد باجوہ صاحب کو بھی حاصل ہوا۔

آج تک جن احباب نے کرنل ڈگلس سے ملاقات کی ان میں سے سب سے بڑھ کر تو حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا نام ہے جب آپ نے 1924ء کے سفر یورپ کے دوران کرنل ڈگلس سے ملاقات کی اور اقدام قتل کیس کی تمام روئیداد کرنل ڈگلس کی زبانی سنیں۔اس موقع پر پہلی دفعہ کرنل ڈگلس کی فوٹو بھی جماعت کے لٹریچر کے لئے حاصل کی گئی۔حضور نے کرنل ڈگلس کی وفات پر ایک خطبہ جمعہ 30 مارچ 1957ء میں اپنی اس ملاقات کی روئیداد بیان فرمائی ہیں۔

ایک دفعہ 30 جولائی 1939ء کو یوم تبلیغ کے موقع پر خود کرنل ڈگلس نے بیت الفضل میں آ کر بھی اقدام قتل کیس بارے روئیداد سنائی۔

اس کے بعد جماعت کے سرکردہ افراد جیسے حضرت مولانا عبدالرحیم درد؄ صاحب،مکرم شیخ مبارک احمد صاحب بی اے (ابن حضرت خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب) مکرم مولوی عبدالقادر صاحب سابق مبلغ سیرالیون۔حضرت چوہدری سرمحمد ظفراللہ خان صاحب؄،مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب اور مکرم سید محمد احمد صاحب ولد حضرت ڈاکٹر سید میر محمد اسماعیل صاحب؄ شامل ہیں۔ ان تمام نے کرنل ڈگلس سے ملاقات کر کے ان سے روئیداد سنی اور اسے اپنے اپنے انداز میں بیان فرمایا جو جماعت احمدیہ کے لٹریچر کا حصہ ہیں۔کیونکہ کرنل ڈگلس کے تاثرات وافکار قابل ذکر ہیں۔

(ماہنامہ انصاراللہ اکتوبر 1997ء)

لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے بعد ان تمام احباب میں سے مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب کو ایک لحاظ سے نمایاں امتیازی حیثیت حاصل ہے کہ آپ نے کرنل ڈگلس

سے اپنی ایک ملاقات کے دوران اقدام قتل کیس کی روئیداد اختصار کے ساتھ لکھنے کی درخواست کے ساتھ اپنی نوٹ بک سامنے رکھ دی۔ جس پر کرنل ڈگلس نے مختصراً مگر جامع و مانع ایک بیان لکھ دیا جو آج ہماری تاریخ کا سنہری باب ہے۔ اس امر کا ذکر محترم باجوہ صاحب موصوف نے اپنے ایک انٹرویو میں کیا۔ جناب عاصم جمالی (عبدالمالک صاحب سابق مینجر نیشنل بنک ربوہ) اس کا تذکرہ اپنے ایک مضمون میں یوں کرتے ہیں۔

مکرم ایڈیٹر صاحب انصاراللہ کی معیت میں مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب (سابق امام بیت الفضل) صدر صدر انجمن احمدیہ ربوہ کا انٹرویو لیا گیا۔ موصوف 1945ء میں بیت الفضل لندن میں امام تھے اور کرنل ڈگلس بیت الفضل کے ہی علاقہ میں تین چار میل دور قیام پذیر تھے۔ باجوہ صاحب کے بیان کے مطابق ڈگلس صاحب اس مکان کے اوپر کے حصہ میں رہائش پذیر تھے اور اکیلے ہی قیام تھا۔ ڈگلس صاحب بڑے خوش مزاج تھے اور اپنے ہاتھ سے ہی چائے وغیرہ بنا کر پیش کرتے تھے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب (ناظر اعلیٰ)، محترم باجوہ صاحب کے پاس تھے۔ ایک ملاقات کے دوران باجوہ صاحب نے کرنل ڈگلس کے سامنے نوٹ بک رکھی اس درخواست کے ساتھ کہ وہ اس پر مقدمہ اقدام قتل کی روئیداد لکھ دیں تو کرنل موصوف نے اپنے ہاتھ سے ایک مختصر تحریر لکھ دی جو شیخ عبدالقادر صاحب فاضل مربی سلسلہ احمدیہ (سابق سوداگرمل) کی کتاب ''حیات طیبہ'' ایڈیشن دوم 1960ء میں مع عکس و ترجمہ موجود ہے۔ اور ادارہ انصاراللہ ماہ اکتوبر میں اس کا ترجمہ وہیں سے دیا گیا ہے۔ یہ تحریر مکرم ناظر صاحب اشاعت کے پاس محفوظ ہے۔ مصوری (Still file) کا نادر نمونہ بھی نظارت اشاعت میں موجود ہے۔ جو 1955ء میں محترم باجوہ صاحب کی واپسی کی اطلاع پر کرنل ڈگلس نے کسی آدمی کے ذریعہ بطور تحفہ بھجوایا تھا۔ یہ مصوری کا نمونہ 1896ء کا بنا ہوا ہے اس پر کرنل صاحب کے دستخط موجود ہیں اس میں کپاس کا ایک سفید پھول ہے اور اس کے ساتھ کپاس کا بند ڈوڈا (ٹینڈا) بھی ہے جو کپاس کی دو ٹہنیوں کے ساتھ ہے جن پر کپاس کے سوکھے ہوئے پتے

آویزاں ہیں۔تصویر رنگ دار ہے اور رنگوں کی سج دھج اب بھی برقرار ہے۔محترم باجوہ صاحب مختلف تقریبات مثلاً کرسمس ڈے وغیرہ پر کرنل ڈگلس کوتحائف بھجوایا کرتے تھے۔

(ماہنامہ انصاراللہ اپریل 1998ء)

خود مؤلف کتاب ''حیات طیبہ'' جناب شیخ عبدالقادر صاحب نے ایڈیشن دوم کے عرض حال محررہ 4 مارچ 1960ء میں لکھا کہ

''محترم جناب چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ نائب ناظر اصلاح و ارشاد نے مقدمہ اقدام قتل سے متعلق کرنل ڈگلس کی ایک دستخطی تحریر عنایت فرمائی ہے اس کا بھی عکس دیا گیا ہے''

گو یہ عکس مع ترجمہ اس کتاب کا حصہ ہے تاہم اس کا اردو ترجمہ یہ ہے۔

''مرزا غلام احمد صاحب کے خلاف مقدمہ کا انحصار اس نوجوان کی شہادت پر تھا۔جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ قادیان سے پادری مارٹن کلارک کو قتل کرنے کے لئے امرتسر پہنچ کر سب سے پہلے کہاں گیا۔تو اس نے جواب دیا کہ وہ سب سے پہلے امریکن مشن میں گیا تھا۔جہاں پرنسپل ڈاکٹر گرے نے اسے منہ نہ لگایا۔اس کے بعد وہ سی ایم ایس مشن میں گیا جہاں اسے داخل کرلیا تھا۔اس کی غرض محض روٹی حاصل کرنا تھی۔جرح میں اس نے تسلیم کیا کہ اس کا ارادہ ریورنڈ مارٹن کلارک پر قاتلانہ حملہ کرنے کا نہیں تھا بلکہ وہ قصہ مشن کے عملہ نے ازخود گھڑا تھا۔

جب مرزا صاحب بےقصور قرار دیئے گئے تو آپ اپنی نشست سے اٹھے اور نہایت فیاضانہ انداز میں اعلان کیا کہ میں مسٹر مارٹن کلارک کے ان بے بنیاد الزامات سے جوان پر لگائے گئے ہیں بالکل بری الذمہ قرار دیتا ہوں۔(دستخط انگریزی مسٹر ایم۔ڈبلیو۔ڈگلس 26 ستمبر 1946ء)

(حیات طیبہ صفحہ 233)

تاریخ احمدیت جلد 17 صفحہ 198 کے مطابق مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب کے ہمراہ مکرم شیخ مبارک احمد صاحب بی اے تھے۔تاہم مکرم سید محمد احمد صاحب ابن حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے بھی اپنے حوالہ سے اس کی روئیداد بیان کی ہے جو مکرم باجوہ صاحب موصوف نے ان کے پاکستان سے آنے اور ان کی خواہش پر ملاقات Arrange کی تھی۔مکرم سید محمد احمد صاحب نے مؤلف کتاب ہذا کو مزید بتایا کہ محترم باجوہ صاحب موصوف نے کرنل ڈگلس

سے جو تحریر لی تھی وہ میرے سے پہلے کی ملاقات میں ہے۔کیونکہ باجوہ صاحب نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ میں تو کرنل ڈگلس سے درجنوں ملاقاتیں کر چکا ہوں۔

ہم دونوں شام کو لندن انڈر گراؤنڈ ٹرین سے ''ارلز کورٹ سٹیشن'' کی طرف روانہ ہوئے جس کے قریب ہی کرنل صاحب کا اپارٹمنٹ ایک چھ منزلہ عمارت میں واقع تھا۔بلڈنگ میں داخل ہونے کے بعد ہم نے اپارٹمنٹ کے دروازہ پر پہنچ کر گھنٹی بجائی۔کرنل صاحب نے دروازہ کھولا اور علیک سلیک کے بعد وہ ہمیں اپنی بیٹھک میں لے گئے۔اس کمرے میں چاروں طرف کتابوں کے شیلف تھے اور دیواروں کے خالی حصے تصویروں اور پینٹنگز سے بھرے ہوئے تھے۔(بعد میں پتہ چلا کہ کرنل صاحب کتابیں بھی لکھتے ہیں اور پینٹنگز بھی سب ان کی اپنی بنائی ہوئی ہیں)

بیٹھنے کے فوری بعد باجوہ صاحب نے کرنل صاحب سے میرا تعارف کروایا۔انہوں نے کہا کہ یہ پاکستان سے آیا ہے اور حضرت اماں جان (حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگمؓ صاحبہ) کے بھائی کا بیٹا ہے۔آپ سے ملنے کا خواہش مند ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام والے مقدمہ کی اگر کوئی تفصیل آپ اسے بتائیں گے تو یہ بے حد ممنون ہوگا۔

کرنل صاحب فرمانے لگے کہ اگرچہ میری طبیعت انفلوائزا کی وجہ سے کافی خراب ہے اور میں ٹھیک طرح سے بول بھی نہیں سکتا۔میرے ڈاکٹر نے بھی آج کل مجھے مکمل آرام کرنے کا حکم دیا ہوا ہے مگر آپ کے یہ مہمان چونکہ چار ہزار میل سے سفر کر کے مجھ سے ملنے آئے ہیں اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں نے پورا واقعہ انہیں خود نہ سنایا تو انہیں بے حد مایوسی ہوگی۔میں ان کی یہ بات سن کر بہت خوش ہوا......جس واقعہ کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں یہ اس زمانے کا ہے جب میں بٹالہ کا اسسٹنٹ کمشنر تھا۔ایک روز میں امرتسر سے بٹالہ ٹرین میں واپس آ رہا تھا اور ٹرین کی آخری بوگی کے فرسٹ کلاس میں سوار تھا۔امرتسر سے چلنے سے پہلے مجھے گورداسپور کے اسسٹنٹ کمشنر کا پیغام ملا کہ مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔اس لئے میں تمہیں بٹالہ کے اسٹیشن پر ملوں گا۔جب ٹرین بٹالہ پہنچی تو اسسٹنٹ کمشنر گورداسپور اسٹیشن پر موجود نہیں تھا اس خیال سے کہ شاید وہ مجھے ٹرین

کی سب سے اگلی بوگی والے فرسٹ کلاس میں ڈھونڈ رہا ہوگا میں جلدی سے ٹرین سے اترا اور پلیٹ فارم کے جنگلے کے ساتھ ساتھ جلدی جلدی قدم بڑھاتے ہوئے ٹرین کے سب سے اگلے حصہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب میں پلیٹ فارم کا دوتہائی حصہ عبور کر چکا تو کیا دیکھتا ہوں سامنے سے ایک شخص چلا آرہا ہے۔ نگاہیں نیچی۔ بے حد نورانی چہرہ۔ اس کے چہرے میں ایک ایسی کشش تھی کہ میرا دل اور دماغ ہل کر رہ گئے۔ لگتا تھا کہ اسے دنیا سے کوئی رغبت ہی نہیں اور وہ آہستہ آہستہ چلا آرہا تھا۔ میرے لیے ممکن ہی نہ رہا کہ اس کے اتنے نورانی چہرہ سے اپنی نگاہیں اٹھا سکوں چنانچہ میں ٹکٹکی باندے اس کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔

وہ شخص میرے پاس سے گزر گیا تو پھر بھی میں اسے دیکھتا رہا اور آہستہ آہستہ گھومتا گیا اور آخرکار میں اُلٹے پاؤں چلنے لگ گیا تا کہ اس شخص کو دیکھتا رہوں۔ اس طرح چلنے کی وجہ سے اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر بٹالہ (جو انڈین تھا اور جس کے ہاتھ میں سرخ سبز جھنڈیاں تھیں) سے ٹکرا گیا جس کی وجہ سے وہ انڈین زمین پر گر گیا۔ باوجود اس بات کے کہ قصور میرا ہی تھا اور میں نے اسے اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر کو Sorry بھی کہا مگر وہ ایک انگریز سے ٹکرانے کی وجہ سے معافی کا طلبگار ہوا۔ میں نے اسے زمین سے اٹھایا اور جلدی سے پوچھا کہ وہ کون شخص ہے؟ Who is that Man اس نے جواب دیا Sir, you don't know, He is Mirza of Qadian سر آپ کو علم نہیں؟ یہ قادیان کے مرزا صاحب ہیں۔ میں چلا اور جس افسر سے ملنا تھا ملا۔ مگر جذباتی طور پر میں اس وقت شدید مغلوب تھا کیونکہ میں نے ایسا نورانی چہرہ ساری عمر کبھی نہ دیکھا تھا اور یہ اثر مجھ پر کافی عرصہ قائم رہا۔ پھر آہستہ آہستہ بھول گیا۔

کچھ عرصہ بعد میں بٹالہ سے تبدیل ہو کر کہیں اور پوسٹ ہو گیا اور اس کے چند سال بعد ترقی پا کر گورداسپور کا ڈپٹی کمشنر (DC) بن کر آ گیا۔ یہاں آنے کے کچھ عرصہ بعد یہ مقدمہ میرے پاس آیا بطور ڈسٹرکٹ جج ہونے کے میں نے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ کیا یہ کیس سیشن کورٹ میں جائے کہ نہ جائے۔ فائل کے ریکارڈ اور گواہوں کے بیانات وغیرہ اتنے مکمل تھے کہ مجھے ان میں کوئی جھول

نظر نہیں آیا۔مگر جب میں نے یہ پڑھا کہ ملزم مرزا غلام احمد آف قادیان ہے تو مجھے ایک سخت دھچکہ لگا۔ میرا دل ہرگز ہرگز یہ ماننے کے لئے تیار نہیں تھا کہ جو چہرہ میں نے بٹالہ کے سٹیشن پر چند سال پہلے دیکھا تھا وہ ایسا کام کرے بلکہ ایسا سوچ بھی سکے۔ میں بہت پریشان ہوا اور متواتر پریشان رہا۔کئی بار فائل میں سے کوئی غلطی نکالنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکا۔اس پریشانی کی حالت میں میں نے انگریز DSP کو اپنے دفتر میں بلوایا تا کہ اس کے ساتھ کیس کے بارے میں مشورہ کرسکوں۔ میں نے DSP سے پوچھا کہ کیا عبدالحمید پولیس کے قبضے میں ہے یا ابھی بھی چرچ کے پاس ہے؟ اس سوال پر انگریز DSP چونکا کیونکہ اسے احساس ہوا تھا کہ پولیس سے ایک بہت بڑی غلطی ہوگئی ہے کیونکہ پولیس نے عبدالحمید کو کبھی بھی اپنی حراست میں نہیں رکھا بلکہ چرچ کے پاس ہی رہنے دیا۔ وہ مجھ سے اجازت لے کر بھاگا کہ میں تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں۔ کچھ دیر کے بعد جب وہ انگریز DSP واپس آیا تو کہا کہ ہم سے بڑی غلطی ہوگئی تھی ہم نے عبدالحمید کو چرچ کے پاس ہی رہنے دیا اب ہم نے اسے اپنے قبضے میں لے لیا ہے اور وہ مان گیا ہے کہ یہ کیس بالکل جھوٹا ہے اور میں نے چرچ سے رقم لینے کے لالچ میں یہ کہانی گھڑی تھی۔ چنانچہ کیس چلا اور سب گواہیاں سننے کے بعد میں نے مرزا صاحب کو باعزت طور پر بری کردیا۔فیصلہ سنانے کے بعد میں نے مرزا صاحب سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو استغاثہ کرنے والوں پر آپ ہرجانہ کا کیس کرسکتے ہیں مگر انہوں نے فرمایا ’’نہیں۔ ہمارا مقدمہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ مجھے کوئی ہرجانہ نہیں چاہئے‘‘

(الفضل 18 مئی 2009ء)

باب نمبر 10

خلفاء کے ساتھ دوروں میں ہمرکابی کا شرف

- پاکستان کے دوروں میں معیت
- دورہ مغربی افریقہ ویورپ 1970ء
- دورہ یورپ 1973ء

دوخلفاء کے ساتھ پاکستان کے دوروں میں معیت

مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب کو دوخلفاء کے ساتھ بطور پرائیویٹ سیکرٹری کام کرنے کی توفیق ملی۔ آپ جب فروری 1949ء میں لندن سے واپس تشریف لائے تو آپ کا تقرر بطور اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری کے ہوا۔ اس دوران آپ کو حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ سندھ اور کوئٹہ کے سفروں میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔

بعدازاں خلافت ثالثہ میں آپ کو جب پرائیویٹ سیکرٹری مقرر کیا گیا تو آپ کو بیرون ملک دوروں کے علاوہ پاکستان میں متعدد مقامات کے سفروں پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہمراہ سفر کرنے کی سعادت ملی۔

مکرم محمد اصغر قمر صاحب سابق کارکن دفتر پرائیویٹ سیکرٹری حال نظارت امور عامہ ربوہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے ان سفروں کی فہرست مہیا فرمائی ہے۔ جن میں مکرم محمد اصغر قمر صاحب کو شمولیت کی سعادت ملی۔ ان میں مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب نے بطور پرائیویٹ سیکرٹری شرکت فرمائی۔

نمبر شمار	مقام سفر	وقت سفر	دن قیام
1	سندھ وکراچی	9 تا 27 نومبر 1966ء	19 یوم
2	لاہور	3 تا 6 جون 1967ء	4 یوم
3	کراچی تا یورپ روانگی	6 تا 10 جولائی 1967ء	5 یوم
4	لیّہ (شکار کے لئے)	25 تا 27 نومبر 1967ء	3 یوم
5	نخلہ	3 تا 14 جون 1968ء	12 یوم
6	گھوڑا گلی و بھُوربن	9 جون تا 4 جولائی 1968ء	26 یوم
7	کراچی	31 جولائی تا 8 ستمبر 1968ء	40 یوم
8	بنگلہ یکووالا	12 ستمبر 1968ء	پکنک کے لئے

9	کراچی	15 اگست تا 15 ستمبر 1969ء	31 یوم
10	لاہور	8 اکتوبر تا 15 اکتوبر 1969ء	8 یوم
11	ایبٹ آباد	26 جون تا 30 ستمبر 1970ء	97 یوم

مکرم ظہیر احمد باجوہ صاحب دورہ جات میں آپ کی محنت بارے بیان کرتے ہیں۔

سندھ کے ایک سفر پر آپ بطور PS حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ایک دوست نے حضور سے شکایت کی کہ PS کو فجر کی نماز پر کبھی نہیں دیکھا تو حضور نے فرمایا کہ وہ صبح 3۔3 بجے تک میرے ساتھ کام کرتا ہے۔میں ہی کہتا ہوں کہ جاؤ جا کر سو جاؤ تب وہ فجر کی نماز پڑھ کر بستر پر چلے جاتے ہیں۔

بیرون ممالک دورہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی معیت کا شرف

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے بیرون ممالک کے سات تاریخی دورہ جات فرمائے۔ ان میں سے دو میں محترم باجوہ صاحب موصوف کو بحیثیت پرائیویٹ سیکرٹری ہمرکابی کی بھی سعادت نصیب ہوئی۔پہلی دفعہ سعادت آپ کے حصہ میں 1970ء کو آئی۔جب سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے مغربی افریقہ اور یورپ کا تاریخ ساز دورہ فرمایا۔آپ کو اس سفر میں بحیثیت پرائیویٹ سیکرٹری ساتھ جانے کی سعادت ملی۔حضورؒ 4/اپریل 1970ء کو ربوہ سے براستہ لاہور مغربی افریقہ کے لئے روانہ ہوئے۔(الفضل 7/اپریل 1970ء) اور دو ماہ کے افریقہ اور یورپ کے کامیاب دورہ کے بعد مورخہ 8 جون 1970ء کو ربوہ واپس تشریف لائے۔

(الفضل 10/جون 1970ء)

سفر پر روانہ ہونے سے ایک روز قبل خطبہ جمعہ میں اور بعد ازاں نماز مغرب کے بعد مسجد مبارک ربوہ میں منعقدہ مجلس عرفان میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے اپنے دورہ کی غرض وغایت بیان فرما کر دُعا کی درخواست یوں کی۔

''آپ مجھے بھی اور میرے ہمسفر ساتھیوں کو بھی اپنی دُعاؤں میں یاد رکھیں۔دُعا تو ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید دُنیا میں قائم ہو اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی محبت اقوام عالم کے دلوں میں بیٹھے اور اسلام دُنیا میں غالب آئے۔خدا کرے ہم اپنی زندگیوں میں ہی یہ نظارہ دیکھ لیں کہ فی الواقع اسلام دُنیا میں غالب آ گیا ہے۔''

(الفضل 7/اپریل 1970ء)

پھر حضورؒ نے خطبہ جمعہ میں فرمایا۔

''اللہ کے نام سے اور اسی پر بھروسہ کرتے ہوئے......کل صبح مغربی افریقہ کے دورہ پر روانہ ہوں گا۔......ان اقوام کے پاس جاؤں جو صدیوں سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ایک عظیم روحانی فرزند مہدی موعود کے انتظار میں رہی ہیں اور جن میں استثنائی افراد کے علاوہ کسی کو بھی حضرت مسیح موعود و مہدی موعود کی زیارت نصیب نہیں ہوئی پھر ان کے دلوں میں یہ تڑپ پیدا ہوئی کہ آپ کے خلفاء میں سے کوئی خلیفہ ان تک پہنچے......اور وہ خلیفة من خلفائِہٖ کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کریں......صدیوں کے انتظار کے بعد اللہ تعالیٰ نے چاہا تو انہیں یہ موقع نصیب ہوگا......اسی سہارے اور اسی پر توکل کرتے ہوئے اس یقین کے ساتھ میں اس سفر پر جا رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ایسے سامان پیدا کرے گا کہ اسلام کے غلبہ کے دن جلد سے جلد آ جائیں گے''

(ماہنامہ مصباح سیدنا خلیفۃ المسیح الثالثؒ نمبر جون جولائی 2008ء ص236-237)

یہ تھی اہمیت اس دورہ کی جس میں محترم باجوہ صاحب کو خلیفۃ المسیح کی ہمرکابی کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس سفر میں محترم باجوہ صاحب کو نائیجیریا، غانا، گیمبیا، لائبیریا، سیرالیون، سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ، لندن اور سپین جانے کا موقع ملا اور اس تاریخ ساز دورہ میں حضورؒ نے نائیجیریا، غانا، لائبیریا، گیمبیا اور سیرالیون کے سراہان مملکت سے ملاقات کی اور مکرم باجوہ صاحب نے حضور کی معیت میں ان سربراہان سے ملاقات کا شرف پایا۔

اس سفر میں کئی ایک مساجد کا حضورؒ نے سنگ بنیاد رکھا اور مکرم باجوہ صاحب کو بھی قافلے کے دیگر ارکان کے ساتھ حضور کی طرف سے بنیادی اینٹ رکھے جانے کے بعد اینٹ رکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

(الفضل 13 رمئی 1970ء)

محترم باجوہ صاحب حضور کی صحت کے بارے میں اور دیگر رپورٹس بذریعہ تار بھجواتے رہے وہ الفضل میں ساتھ کے ساتھ شائع ہوتی رہیں۔

اس سفر کے دوران محترم باجوہ صاحب نے ایک خواب میں دیکھا کہ

یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی عید ہو اور بازار میں بہت لوگ ہیں اور ہم لوگ کاروں میں

بازار سے گزر رہے ہیں اور لوگ بلند آواز میں مل کر کورس کے رنگ میں گا رہے ہیں۔

ناصر دین محمد سلامت

(رپورٹ پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب بنام مکرم امیر صاحب مقامی جناب صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب)

(الفضل 16 اپریل 1970ء)

اگر اس دورہ کی رپورٹس کا بغور مطالعہ کیا جائے تو دل حمد و تسبیح سے بھر جاتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے تائید ونصرت کے نظارے دکھلائے اور احمدیت کے وقار وعزت میں اضافہ ہوا اور یہ خواب پورا ہوا۔

اس دورہ میں مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب کا نام تاریخ احمدیت میں تا ابد اس لحاظ سے بھی محفوظ کر دیا گیا کہ اس مبارک سفر میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے اُس سرزمین سپین پر بھی قدم رنجہ فرمایا۔ جس کا ذرہ ذرہ مسلمانوں کی شوکت رفتہ اور عظمت پارینہ کا دائمی نشان اور ان کی عبرت ناک شکست اور الم انگیز پسپائی پر خون کے آنسو رُلا رہا ہے۔ حضورؒ نے سپین میں قرطبہ۔ غرناطہ اور طیطلہ کے سفر اختیار فرمائے۔

دورہ سے کامیاب مراجعت پر مغربی افریقہ کے ممالک میں الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا میں نشر یا شائع ہونے والی خبروں پر مشتمل ایک طویل مضمون مکرم باجوہ صاحب موصوف کے نام کے ساتھ ماہنامہ انصار اللہ جون 1970ء میں شائع ہوا۔ جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث (ایدہ اللہ) کے حالیہ سفر مغربی افریقہ کا ایک خاص اور نمایاں پہلو یہ ہے کہ وہاں اخبارات میں حضور کی تشریف آوری اور حضور کی اہم دینی اور جماعتی مصروفیات کے سلسلے میں اسلام کا اس قدر وسیع پیمانہ پر چرچا ہوا ہے اور جماعت احمدیہ کی دینی، تعلیمی اور رفاہی خدمات کا تذکرہ اس کثرت سے آیا ہے کہ گزشتہ ایک ماہ کے دوران شاید ہی کوئی دن ایسا گزرا ہو کہ وہاں کے اخبارات میں حضور کی جماعتی اور تبلیغی مصروفیات کے فوٹوز اور تفصیلی خبریں نمایاں طور پر شائع نہ ہوئی ہوں وہاں کے ڈیڑھ درجن کے قریب اخبارات قریباً روزانہ ہی فضائی مستقروں پر حضور کے استقبال کے نظاروں، وہاں کی مملکتوں کے سربراہوں کے ساتھ حضور

کی ملاقاتوں، حضور کے اعزاز میں منعقد کی جانی والی استقبالیہ تقریبوں، سرکاری عشائیوں، حضور کی پریس کانفرنسوں، تقریروں، احمدیہ مشنوں اور احمدیہ سکولوں کے معائنوں، نئی مساجد کے سنگ بنیاد نیز نوتعمیر شدہ مساجد اور مشن ہاؤسوں کی افتتاحی تقریبوں کی خبریں اور فوٹو وغیرہ اہتمام سے شائع کرتے رہے۔ ان اخباروں میں نائیجیریا کے مارننگ پوسٹ، ڈیلی ٹائمز، سنڈے پوسٹ، ڈیلی ایکسپریس، ڈیلی سکیچ، دی نائیجیرئن آبزرور، اور نیو نائیجیرئن گھانا کے ڈیلی گرافک، گھانین ٹائمز، دی ایکو اور دی پائینر، آئیوری کوسٹ کا فریٹرنٹے، لائبیریا کا لائبیرئین سٹار اور سیرالیون کے ڈیلی میل اور یونٹی وغیرہ اخبارات شامل ہیں۔

اسی طرح ان ممالک کے ریڈیو اور ٹیلی وژن اسٹیشنز بھی حضور کے استقبال اور مصروفیات کی خبریں نشر کرتے اور ان کے دلکش مناظر دکھاتے رہے۔ ٹیلی وژن نے تو کئی بار ان مناظر کی نمائش کی اور سیرالیون ریڈیو نے فری ٹاؤن کے ہوائی اڈہ پر حضور کے والہانہ استقبال کا آنکھوں دیکھا حال رواں تبصرہ کی صورت میں بھی نشر کیا جسے مغربی افریقہ کے ممالک میں بہت دلچسپی سے سنا گیا حتیٰ کہ ملک کے لاکھوں باشندوں نے اسے سنا اور اس کا بہت وسیع پیمانہ پر چرچا ہوا۔

بیرون ملک خلیفۃ المسیح کے ساتھ ہم رکابی کا ایک اور شرف

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ 13 جولائی 1973ء بروز جمعۃ المبارک یورپ میں قرآن عظیم کی وسیع تر اشاعت کی خاطر اور دعوت الی اللہ کے جماعتی منصوبوں کا بنفس نفیس جائزہ لے کر ان میں مزید وُسعت پیدا کرنے کے بابرکت مقصد کی خاطر یورپ کے سفر پر روانہ ہوئے اور کم و بیش اڑھائی ماہ کے نہایت کامیاب و کامران سفر کے بعد اللہ تعالیٰ کی بے شمار برکتوں اور بے حدوحساب فضلوں کو جذب کرتے ہوئے واپس تشریف لائے۔

اس سفر میں جن بزرگ حضرات کو حضورؒ کی معیت میں یہ سفر کرنے کا خصوصی فخر حاصل ہوا ان میں چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب بھی تھے جو بطور پرائیویٹ سیکرٹری ساتھ گئے تھے۔

(الفضل 15 جولائی 1973ء)

آپ نے اس ذمہ داری کو بڑی مستعدی اور محنت کے ساتھ نبھایا اور بذریعہ تار حضور کی خیریت کی اطلاع باقاعدگی کے ساتھ محترم صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب امیر مقامی کو بھجواتے رہے جو الفضل میں باقاعدہ شائع ہوتی رہیں۔

حضور نے افراد قافلہ کو جو ہدایات دیں ان میں حضور کا یہ خصوصی ارشاد بھی شامل تھا کہ ’’سب سے ضروری یہ بات ہے کہ ہر وقت دعاؤں میں مشغول رہیں اور اللہ کے فضل کو جذب کریں‘‘

(الفضل 20 جولائی 1973ء)

ایک خطرناک حادثہ اور افراد قافلہ کی معجزانہ رنگ میں حفاظت

اس سفر کے دوران میر فیلڈ (Mir Field) سے واپسی پر حضورؒ کے قافلہ کی ایک گاڑی کو حادثہ پیش آیا۔ جس میں مکرم باجوہ صاحب موصوف بھی سوار تھے۔ گو تمام افراد قافلہ جو اس کار میں سوار تھے اور ان کی تعداد 5 تھی کو معمولی چوٹیں آئیں مگر مکرم باجوہ صاحب کو فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے کی وجہ سے کچھ زیادہ چوٹیں آئیں۔ آپ کا ہونٹ پھٹ گیا۔ فرنٹ سکرین ٹوٹنے کی وجہ سے شیشوں سے چہرہ پر کافی زخم آئے۔ اور کافی مقدار میں خون بہہ گیا آپ کو فوری طور پر قریبی ہسپتال پہنچایا گیا۔ جہاں آپ کو داخل کروا کر فوری علاج شروع کروایا گیا۔

مکرم چوہدری محمد علی صاحب نے اپنی رپورٹ میں لکھا

’’برادرم باجوہ صاحب کے مُنہ سے ایک ہلکی سی آہ یا چیخ بھی نہیں نکلی۔ نہایت ضبط اور صبر سے زخموں کو برداشت کیا۔ بلکہ جب حادثے کے فوراً بعد خاکسار نے ان کا حال پوچھا تو کہنے لگے ڈیش بورڈ پر میری ٹوپی ہے وہ ضرور لے لیں اور گھڑی بھی گر گئی ہے اسے بھی دیکھ لیں نیز خود ہی جیب سے کچھ کیش بھی نکال کر تھما دیا۔

اس سلسلہ میں ایک خدائی تصرف تحریر کرنا بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ حادثہ کے وقت حضورؒ کی گاڑی چائے پینے کے ارادہ سے پیچھے رہ گئی تھی۔ حضرت سیدہ بیگم صاحب نے اصرار فرمایا کہ چائے نہیں پئیں گے۔ مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے نیز پاکستان سے روانگی کے وقت محترمہ سیدہ بیگم

صاحبہ نے جب دُعا کی تو ہر بار مکرم باجوہ صاحب کی شکل سامنے آئی۔ اب بھی مصر ہو کر آپ نے کار کو چائے کے لئے توقف کرنے سے روکا۔ اگر حضور رحمہ اللہ کی کار رُک جاتی تو مقام حادثہ پر حضور کی کار بہت تاخیر سے پہنچتی اور امدادی کارروائیاں جو حضور رحمہ اللہ کی نگرانی میں ہوئیں تاخیر کا شکار ہوتیں اور کوئی زیادہ نقصان ہو جاتا۔ کیونکہ ڈاکٹرز تو پہلے ہی محترم باجوہ صاحب کے زخموں کو دیکھ کر تشویش کا اظہار کر رہے تھے‘‘

(الفضل 5/اگست 1973ء)

یہ واقعہ 20 جولائی کو ہوا تھا۔ حضورؒ مکرم باجوہ صاحب کی صحت کے لئے بہت فکرمند تھے اور دعائیں کرتے رہے۔ (الفضل 5/اگست 1973ء) بلکہ حضور نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر باجوہ صاحب کے لئے پلاسٹک سرجری کی ضرورت پڑے تو اس کا بھی انتظام کیا جائے (الفضل 7/اگست 1973ء) لیکن اس کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اور محترم باجوہ صاحب صحت یاب ہو کر 23 جولائی کو لندن بخیریت پہنچ گئے اور ایک دن کے بعد اپنے فرائض بھی سنبھال لئے۔

(الفضل 19 اگست 1973ء)

اس دوران حضور مکرم باجوہ صاحب کی صحت کے حوالہ سے فکرمند رہے۔ بار بار حال احوال پوچھتے اور ہدایات دیتے رہے بلکہ حادثہ والی رات حضور ہوٹل میں دیر رات تک بیٹھے مکرم باجوہ صاحب کے متعلق اطلاع ملنے کا انتظار کرتے اور دُعا کرتے رہے۔

محترم باجوہ صاحب کو ایک ایسے مبارک اور بابرکت سفر میں اپنے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی معیت نصیب ہوئی جو خدائی بشارات ملنے کا حامل ٹھہرا۔ جس میں آئندہ پچاس سالوں میں اسلام کے یورپ میں پھیلنے کی بشارت بھی شامل ہے۔ بلکہ ایک پریس کانفرس میں حضورؒ نے اپنے ہاتھ کی دو انگلیوں سے وکٹری کا نشان بھی بنایا۔

(الفضل 16 ستمبر 1973ء)

اور ایک دفعہ ہیسٹنگز (Hastings) کے سمندری ساحل پر حضورؒ نے فرمایا۔ یہ وہ تاریخی ساحل ہے جہاں ولیم دی کنکر (فاتح انگلستان) اُترا تھا۔ اور حضرت مصلح موعود

رضی اللہ عنہ نے اس ساحل سمندر پر مٹھی میں کنکریاں لے کر پھینکی تھیں اور فرمایا تھا کہ میں بھی انگلستان کا فاتح ہوں۔ پہلی فتح تو فوجی تھی اور سیاسی تھی لیکن یہ فتح روحانی ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ حضور کی ساحل سمندر میں موجودگی بھی عجیب روحانی تجربے کا باعث بنی۔

(الفضل 29 اگست 1973ء)

باب نمبر 11

خادم اور مخدوم کا پیار بھرا تعلق

- خلیفۃ المسیح اور نظام جماعت کی اطاعت
- جماعت کی خاطر غیرت
- خلفائے احمدیت کا محبت بھرا سلوک
- محبت کا ایک اور انداز
- افراد خاندان حضرت مسیح موعودؑ سے محبت
- تبلیغ سے لگاؤ اور افسران کی اطاعت
- ایک ایمان افروز روایت

نظام جماعت کی اطاعت

آپ کی اہلیہ مشتاق زہرہ بیان کرتی ہیں۔

خلافت سے وفاداری بہت زیادہ تھی غالباً 1955ء کی بات ہے جب لندن سے واپسی کے آرڈر ہو چکے تھے تو عاجزہ کو ہارٹ اٹیک ہوا۔ ڈاکٹرز نے Bedrest کی تاکید کر رکھی تھی۔ دوست احباب نے بھی مکرم باجوہ صاحب کو مشورہ دیا کہ حضور سے تمام حالات اور مسز کی بیماری کا لکھ کر کچھ دیر مزید قیام کی اجازت حاصل کر لیں۔ مگر آپ نے ان تمام حالات اور آراء کو بالائے طاق رکھتے ہوئے حضرت صاحب کے ارشاد کی تعمیل فرمائی اور فرمایا کہ حضرت صاحب کا حکم ہے۔ حالانکہ آپ جانتے تھے کہ ہماری واپسی Ship کے انتہائی تکلیف دہ سفر میں ہونی ہے مگر آپ نے اس کی کچھ بھی پرواہ نہ کی اور خلیفۃ المسیح کی اطاعت غالب رہی۔ آپ اکثر کہا کرتے تھے کہ جب انسان اللہ کی خاطر وقف کرے تو اس کا کوئی حق نہیں کہ مطالبہ کرے۔ ہر حالت میں عُسر اور یُسر میں خدا تعالیٰ پر راضی رہنا چاہئے۔

جماعت کی خاطر غیرت

مکرم منیر احمد باجوہ صاحب بیان کرتے ہیں۔

ابا کو سلسلہ کے ساتھ بہت عقیدت تھی۔ اور اس کے لئے غیرت بھی رکھتے تھے ایک دفعہ ہمارے گھر میں دو تین چچا آئے ہوئے تھے۔ اور ورانڈے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ جبکہ ابا جان اندر کمرہ میں آرام کر رہے تھے۔ باتوں باتوں میں ہمارے ایک چچا نے سلسلہ سے متعلق کوئی بات کہہ دی۔ آپ اُن کی یہ بات سُن کر فوراً باہر نکلے اور چچا کو ڈانٹا اور کہا کہ اگر ایسی بات کرنی ہے تو میرے گھر کی چار دیواری سے باہر ہو کر کرو۔ میں آپ کو اپنے گھر میں سلسلہ کے خلاف کوئی بات کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ حالانکہ ابا جان کو ہمارے اس چچا سے بہت پیار تھا۔ مگر جماعتی پیار کو مقدم رکھتے ہوئے سلسلہ کی خاطر غیرت کا اظہار فرمایا۔

جماعتی معاملات میں جماعت کو عزیزوں پر ترجیح دینے کا ایک دلچسپ اور ایمان افروز واقعہ

آپ کے چھوٹے بھائی مکرم محمد سلیم باجوہ صاحب نے یوں مؤلف کتاب ہذا کو سُنایا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے جب 1970ء میں یورپ کے دورہ پر جانا تھا تو جانے سے قبل حضورؒ نے باجوہ صاحب جو PS تھے سے پوچھا کہ کیا آپ کے بھائی سلیم صاحب ہمارے ساتھ جا سکتے ہیں۔تو بھائی ظہور باجوہ صاحب نے کہا کہ پوچھ کر بتاتا ہوں۔ بھائی نے میرے سے بات کی اور کہا اگر کام اچھا کرنا ہے تو پھر حامی بھرنا۔

میرے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہوسکتی تھی۔ میں نے حامی بھر لی۔ جانے سے قبل بھائی نے لاہور میرے ہاں قیام کیا۔ اور مجھے نصیحت کی دیکھو ہم دورہ پر حضور کے ساتھ جا رہے ہیں۔ہم دونوں کی الگ الگ ذمہ داریاں ہیں۔دورہ میں اب آپ میرے بھائی نہیں ہیں۔ میں بھی خلیفۃ کا نوکر ہوں اور آپ بھی۔آپ کی ڈیوٹی سیکورٹی کی ہے جو آپ پوری ذمہ داری سے ادا کریں۔میں اپنی ڈیوٹی ادا کرنے کی کوشش کروں گا۔

اگلے روز ہم سفر پر روانہ ہو گئے۔راستہ میں ایک جگہ حضور نے مجھے ڈیوٹی پر کھڑے دیکھ کر فرمایا کہ آپ کسی کے ماتحت نہیں ہیں سوائے میرے۔اپنی پرابلمز اور مشکلات خاکسار کے ساتھ Share کرلیا کریں۔دو ماہ سے زائد ہم دورہ پر رہے۔اتنی ذمہ داری سے ہم دونوں نے اپنی مفوضہ ڈیوٹیاں نبھائیں کہ ہمیں پتہ ہی نہ چلا کہ ہم بھائی ہیں۔

خلفائے احمدیت کا محبت بھرا سلوک

جماعت احمدیہ کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ جہاں ہر احمدی کو اپنے خلیفۃ المسیح سے حد درجہ کا پیار ہوتا ہے وہ قرآنی حکم کے مطابق خلیفۃ المسیح کے ساتھ پیار کو اپنی اولاد کے ساتھ پیار پر ترجیح دیتا ہے۔اس طرح خلیفۃ المسیح بھی اپنے پیاروں اور وفاداروں کے ساتھ انتہا درجہ کا پیار کرتے ہیں۔کہ ہر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ مجھ سے زیادہ حضور کسی سے پیار نہیں کرتے۔گویا کہ شاعر کے مطابق

دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

یہی کیفیت مکرم باجوہ صاحب کی تھی۔اگر آپ کی خلیفۃ المسیح کے ساتھ اطاعت،فدائیت،

اخلاص اور پیار ومحبت کو دیکھا جائے تو آپ صف اول میں کھڑے نظر آتے ہیں جس کی ایک جھلک اس سے قبل گزر چکی ہے۔ دوسری طرف خلیفۃ المسیح کی اپنے پیارے حواری اور مرید سے شفقت کے جلوے اتنے نمایاں تھے کہ دیکھنے والے رشک کرتے ہوئے کہنے لگتے تھے کہ کاش یہ سلوک خاکسار سے بھی ہو۔ جیسا کہ ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ایک محفل میں آپ کو بُلا کر جب اپنے پاس بٹھایا تو ایک دوست اس کے بعد ہمیشہ جب بھی ربوہ آتے تو آپ سے خصوصی طور پر ملتے اور معانقہ کرتے اور کہا کرتے کہ جس شخص سے خلیفۃ اتنا پیار کرے اسے ضرور ملنا چاہئے کاش یہ پیار میرے سے بھی ہو۔

مکرم منیر احمد باجوہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ

مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے خود یہ واقعہ سنایا کہ وہ جب 1970ء میں یورپ کے دورہ پر تھے اور ابا جان بطور PS ساتھ آئے تھے۔ خاکسار اُن دنوں لندن میں بغرض ملازمت مقیم تھا۔ میں نے ملاقات کے لئے حضور سے وقت لیا۔ ملاقات کے دوران حضورؒ نے فرمایا کہ

''میں باجوہ صاحب کو صرف تمہیں ملانے کے لئے ساتھ لایا ہوں''

حضورؒ نے مجھ سے کام کے بارے پوچھا کہ کیا کرتے ہو۔ میں نے کہا کہ بینک میں ملازمت کرتا ہوں۔ اس پر آپؒ نے فرمایا کہ والد صاحب کی خدمت وغیرہ بھی کیا کرو اور گاہے بگاہے کچھ نذرانہ بھی دے دیا کرو۔ میں نے حضور سے پوچھ لیا کہ حضور کتنا دوں۔ آپ نے فرمایا۔ 100 پونڈ تو ہوں۔ میں نے عرض کی کہ حضور میری کل تنخواہ تو صرف 60 پونڈ ہے اتنی خطیر رقم تو یکمشت دینی مشکل ہوگی۔ حضور بیٹھے رہنے کا اشارہ کر کے خود اندر تشریف لے گئے اور ہاتھ میں کچھ نقدی پکڑے باہر واپس تشریف لائے اور میرے ہاتھ میں تھما کر فرمایا کہ یہ والد صاحب کو اپنی طرف سے نذرانہ دے دینا۔ (میں نے جب باہر نکل کر انہیں گنا تو وہ 100 پونڈ تھے)

نیز فرمایا کہ مکرم باجوہ صاحب کے مجھ پر بہت احسان ہیں۔ کالج میں میرے پاس گاڑی نہ تھی میں نے ایک گاڑی خریدنے کا ارادہ کیا تو میرے پاس اتنی رقم نہ تھی کہ میں خرید سکوں۔ میں نے سوچا کہ ابا حضور (خلیفۃ المسیح الثانیؓ) سے قرضہ حسنہ مانگ لیتا ہوں جو بھی شرائط طے ہوں گی

اس کی پابندی کروں گا۔ اُن دنوں حضورؒ سے ملاقات بھی PS کے ذریعہ ہوتی تھی اور وہ باجوہ صاحب تھے۔ میں جب ان کے دفتر گیا تو مجھے دیکھتے ہی کہنے لگے کہ میاں! کیسے آنا ہوا۔ میں نے کہا کہ یہ خط ہے جو حضور تک پہنچانا ہے اس میں ایک ضرورت کا ذکر ہے دعا کریں میرا کام ہوجائے۔ باجوہ صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ اگر اجازت ہو تو میں یہ خط پڑھ لوں۔ پڑھ کر کہنے لگے کہ میاں! بیٹھو۔ میں خود حضور کے سامنے خط کا ذکر کر کے ضرورت کا ذکر کرتا ہوں۔ ابا حضور نے خط پڑھ کر فرمایا کہ ناصر سے شرائط لکھوا کر دستخط کروا کر رقم دے دو۔ اس وقت باجوہ صاحب نے ابا حضور سے عرض کی کہ ہم لوگ تو زمین دار ہیں ہمارا بڑا بیٹا ہم سے رقم مانگے تو ہم لوگ تو زمین بیچ کر بھی اس کی خواہش پوری کر دیں۔ حضور مسکرائے اور میرا خط ابا حضور نے رکھ کر باجوہ صاحب سے فرمایا کہ جاؤ یہ رقم ناصر کو دے دو۔

مکرم پروفیسر محمد خالد گورائیہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

سب خلفاء کا آپ کے ساتھ پیار اور شفقت کا اپنا اپنا انداز تھا آپ ایک منجھے ہوئے خلافت کے فدائی انسان تھے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے انتہائی منظور نظر اور با اعتماد پرائیویٹ سیکرٹری کے طور پر کام کرتے رہے۔ خلیفۃ وقت کے اشارہ اور منشا کو سمجھتے ہوئے اپنے فرائض کما حقہ سرانجام دینے والے انسان تھے، شفقت کا اندازہ دیکھئے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کو پتہ چلا کہ باجوہ صاحب کے بڑے صاحبزادے منیر احمد نے بی اے کر لیا ہے، حضورؒ نے منیر احمد کی ملازمت کا انتظام بغیر کہے خود ہی بینک میں کروا دیا۔

آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے قابل اعتماد ساتھی تھے۔ خلافت سے قبل بھی حضورؒ سے تعلقات تھے۔ خلافت کے بعد حضورؒ Relax ہونے کے لئے ہلکا پھلکا مزاق بھی فرماتے۔ ایک دفعہ جلسہ سالانہ کی ڈیوٹیوں کے بعد رات کو اکھٹے بیٹھنا تھا۔ حضورؒ نے مکرم باجوہ صاحب سے کہا کہ ایک ہار تیار کریں جس میں لائیٹس ہوں جو بیٹری سے روشن ہوں۔ یہ ہار مکرم شیخ محبوب عالم صاحب خالد کو پہنائیں گے۔ آپ نے حسب تعمیل یہ ہار تیار کر لیا۔ شام کو جب تمام اکھٹے بیٹھے تو مکرم شیخ محبوب عالم صاحب خالد اس مذاق کو بھانپ گئے۔ آپ نے حضور سے عرض کی کہ یہ ہار آپ کے ہاتھوں پہنوں گا نہ کہ باجوہ

صاحب کے ہاتھوں۔آپ اس وقت پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔

خلیفۃ المسیح کے محبت بھرے سلوک کا ایک اور انداز

مکرم ظہیر احمد باجوہ صاحب بیان کرتے ہیں۔

1989ء کو جماعت احمدیہ کی جوبلی کے جلسہ سالانہ میں ابا جان کو شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی۔ مجھے امریکہ خط لکھ کر لندن بلوا لیا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں آپ لندن آجائیں۔ میں ابا کے لندن آنے سے قبل لندن پہنچ گیا تھا۔ میں ابا کو لینے اپنے چچا منور کے ساتھ ائیرپورٹ گیا گھر پہنچتے ہی ابا نے چچا سے کہا مجھے بیت الفضل لے چلو میں نے حضور (حضرت خلیفہ رابعؒ) سے ملنا ہے۔ چچا نے کہا بھی کہ اتنی کیا جلدی ہے آخر ابا کے اصرار پر ہم ان کو لے کر بیت الفضل پہنچ گئے وہاں جا کر علم ہوا کہ حضورؒ تو اسلام آباد جلسہ کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔ہم نے ابا جان کے اصرار پر اسلام آباد کا رُخ کیا کیونکہ ابا جان کا حضورؒ سے ملاقات کا اشتیاق وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھ رہا تھا۔ ملاقات کی درخواست کرنے پر مکرم پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے کہا کہ پاکستان سے آنے والوں کی ملاقات جلسہ کے بعد ہوگی۔ہم نمازوں کی ادائیگی اور حضورؒ کا دیدار کرنے کے بعد گھر واپس چل دیئے۔اگلے روز ابا نے ہم دونوں کو کُرسی کا ٹکٹ لانے کو کہہ دیا۔دوبارہ بیت الفضل پہنچ گئے ٹکٹ کے ہمارے مطالبہ پر متعلقہ شعبہ کے افسر صاحب نے ہم سے پوچھا کہ باجوہ صاحب نمائندہ کے طور پر آئے ہیں یا پھر معذور ہیں تو پھر ٹکٹ مل سکتا ہے۔ چونکہ ابا جان نہ نمائندہ تھے اور الحمدللہ صحت مند بھی تھے۔آپ ذاتی طور پر گئے تھے اس لئے متعلقہ شعبہ نے معذرت کر دی۔ابا جان جلسہ میں کارروائی سننے کے لئے نیچے بیٹھ گئے۔حضورؒ کی آمد سے قبل مکرم حضرت مرزا منصور احمد صاحب (ناظر اعلیٰ) جو سٹیج پر کُرسی پر بیٹھے تھے نے ابا کو اپنے پاس بلوایا۔ دوستی کے ناطے باتیں ہوتی رہیں۔ جب حضور کی آمد کے اشارے ہونے لگے تو ابا جان حضرت مرزا منصور احمد صاحب سے معذرت کر کے نیچے آنے لگے کہ میرا کرسی پر استحقاق نہیں ہے۔

خدا کی عجب شان دیکھیں جب جلسہ کا آغاز ہوا نظم کے دوران حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ

اللہ کی نظر سلسلہ کے اس خادم پر پڑی تو نظم کے بعد فرمایا کہ ”چوہدری ظہور باجوہ صاحب سٹیج پر تشریف لے آئیں۔“ اباجان جوتا ڈھونڈنے لگے تو فرمایا۔ جوتے کے بغیر ہی آجائیں۔ سٹیج پر آنے پر حضورؒ نے کھڑے ہو کر شرف مصافحہ بخشا اور گردن کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر چوما۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

حضور کے اس مشفقانہ طریق پر انتظامیہ نے نہ صرف سٹیج کا ٹکٹ جاری کیا بلکہ مجلس شوریٰ کا ٹکٹ بھی جاری فرمایا اور اباجان کو انٹرنیشنل شوریٰ میں شمولیت کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔

مکرم مرزا فرید احمد صاحب کو خلافت ثالثہ میں اپنے ابا حضور کے دفتر میں آنے جانے کا موقع ملتا رہتا تھا۔ مکرم ظہور احمد باجوہ صاحب کے ساتھ بھی تعلقات تھے۔ حضور چونکہ مکرم باجوہ صاحب سے پیار بھرا سلوک فرماتے اس لئے آپ کو بھی مکرم باجوہ صاحب سے طبعاً پیار سا ہو گیا آپ بیان کرتے ہیں کہ

”باجوہ صاحب ہمارے فیملی ممبر ہی تھے۔ ابا حضور بچوں کے معاملات اور بعض ذاتی قسم کے مسائل بھی باجوہ صاحب سے Discuss کر لیا کرتے تھے۔ ہماری والدہ محترمہ کو بھی آپ پر پورا اعتماد تھا۔ ایک دفعہ جب مکرم باجوہ صاحب PS تھے۔ ایک غیر از جماعت دوست ابا حضور سے ملنے کے لئے آئے۔ ہماری والدہ محترمہ سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ کو ابا حضور بارے ہمیشہ وہم لگا رہتا تھا اور بطور پہرہ دار کام کرتی تھیں اس کا ابا حضور نے اپنے ایک خطبہ میں ذکر بھی فرمایا تھا۔ والدہ محترمہ نے مجھے کہا کہ دیکھو غیر از جماعت دوست ہے۔ احتیاط کی ضرورت ہے آپ جا کر قریب بیٹھ جاؤ۔ میں امی کے کہنے پر اوپر جہاں ملاقات ہو رہی تھی گیا تو مکرم باجوہ صاحب کو ساتھ بیٹھے دیکھ کر واپس آکر والدہ محترمہ کو بتلایا کہ مکرم باجوہ صاحب قریب بیٹھے ہیں۔ تب امی کو تسلی ہوئی اور امی اکثر فرمایا کرتی تھیں کہ جب باجوہ صاحب حضور کے ہمراہ ہوتے ہیں خواہ بیرون ملک کے دورہ پر ہوں تو پھر میں بے فکر ہو جاتی ہوں اور مجھے تسلی رہتی ہے۔“

مکرم پروفیسر محمد خالد گورائیہ صاحب لکھتے ہیں۔

مکرم باجوہ صاحب کی وفات پر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اس

وقت ناظر اعلیٰ تھے۔مکرم باجوہ صاحب کی تجہیز وتکفین اور مہمانوں کے قیام وطعام کی نگرانی حضور خود فرماتے رہے، جنازہ اٹھانے سے قبل گھر تشریف لائے اور جنازہ کے ساتھ مسجد مبارک اور بہشتی مقبرہ تک ساتھ رہے، قطعہ خاص میں تدفین ہوئی۔

افراد خاندان حضرت مسیح موعودؑ سے محبت

آپ کو سیدنا حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ السلام کے افراد سے حد درجہ تک محبت تھی۔ چھوٹے سے چھوٹے فرد کی بھی عزت کرتے۔ آپ کے بھانجے مکرم انصر احمد صاحب (الفلاح بنک ربوہ) بیان کرتے ہیں کہ مجھے ماموں کے پاس رہنے کا موقع ملا۔ آپ کے اوصاف میں سے ایک وصف خاندان حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ السلام سے محبت تھی۔ آپ افراد خاندان سے عقیدت رکھتے تھے۔ کوئی ملنے والا آتا تو چہرہ پر نمایاں بشاشت کا اظہار ہوتا اور کھڑے ہو کر ملتے۔ بالخصوص جب حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب (ناظر اعلیٰ) بیماری کے ایام میں گھر حال احوال پوچھنے آتے تو آپ کی کیفیت دیدنی ہوتی آخری بیماری میں بسا اوقات آپ سہارے کے بغیر بستر سے اُٹھ نہ پاتے تھے۔ مگر جب خاندان کا کوئی فرد آجاتا تو بغیر سہارے کے اُٹھ کر بیٹھ جاتے۔

آخری عمر میں آپ کی یادداشت بھی کمزور ہو چکی تھی مگر افراد خاندان اور جماعتی یادداشتوں کے بارے کوئی فرق نہ پڑا تھا۔

آپ جب گاؤں جاتے تو وہاں سے گاؤں کی سوغات جیسے ساگ، رو، کھیر وغیرہ ساتھ لاتے تو سب سے پہلے افراد خاندان کو بھجواتے۔ آپ جب ناظر امور عامہ تھے تو جماعت کی گاڑی عید یا جمعہ کے روز آپ کو اور خاندان کی خواتین مبارکہ کو Pick کرتی تھی۔ وہ Van سب سے پہلے ماموں (باجوہ صاحب) کو پک کرتی۔ میری والدہ بھی ساتھ ہو لیتیں پھر Van جوں جوں خاندان کے گھروں کی طرف بڑھتی۔ میں نے بارہا دیکھا کہ مکرم باجوہ صاحب اگلی سیٹ سے نیچے اُتر کر ہر بی بی کے لئے Van کا دروازہ کھولتے اور بی بی کے سیٹ پر بیٹھ جانے پر دروازہ بند کرتے۔ اور کہا کرتے تھے کہ یہ خواتین مبارکہ ہیں ان کی خدمت ہمارا اولین فرض ہے۔

مکرم پروفیسر محمد خالد گورائیہ صاحب لکھتے ہیں۔

خاندان حضرت اقدسؑ کے افراد کے ساتھ فرداً فرداً ذاتی مراسم تھے اور ہر فرد کے ساتھ عزت واحترام، پیار ومحبت اور اخلاص و وفا اور عقیدت کا جو رشتہ تھا وہ دوطرفہ تھا، خاندان مسیح موعود علیہ السلام کے افراد بھی اس بزرگ مرد خدا اور خادم احمدیت سے پیار اور عزت واحترام کے ساتھ پیش آتے تھے۔

عید کے موقع پر خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھروں میں جاتے اور عید مبارک دیتے۔

مکرم مرزا فرید احمد صاحب بیان کرتے ہیں

آپ بطور PS اپنے دفتر میں بیٹھے تھے۔ آپ کے ساتھ مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب اور مکرم چوہدری صلاح الدین صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ اسی اثناء میں ایک دوست حضور سے ملاقات کے لئے آئے۔ مکرم باجوہ صاحب نے معذرت کر دی۔ اس شخص کی طرف سے ملاقات کے اصرار پر تلخی بھی پیدا ہوئی مگر آپ نے ملاقات کروانے سے مسلسل معذرت ہی کی۔

اس دوست کے چلے جانے کے بعد مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب نے باجوہ صاحب سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ نے اس شخص سے اتنی جرح کی ہے اور مسلسل معذرت ہی کرتے رہے ہیں۔ آپ نے صاف یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ حضرت صاحب نے ملاقات سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جن کی ملاقات نہیں ہوتی وہ ضرور بُرا بھلا کہہ کر جاتے ہیں۔ میں حضرت صاحب کا نام اس لئے نہیں لیتا کہ وہ ایسے الفاظ حضور کے متعلق استعمال نہ کر جائیں اس لئے میں سارا بوجھ اپنے ذمہ لے لیتا ہوں۔

تبلیغ سے لگاؤ اور افسران کی اطاعت

مکرم چوہدری محمد اسلم صاحب باجوہ صدر جماعت چک 33 جنوبی ضلع سرگودھا نے اپنی خود نوشت ڈائری میں مکرم ظہور احمد باجوہ صاحب کے اشاعت دین سے لگاؤ اور افسران کی اطاعت کا ایک دلچسپ ایمان افروز واقعہ درج کیا ہے جس سے مکرم باجوہ صاحب کی اعلیٰ شخصیت کا اظہار ہوتا

ہے۔وہ تحریر کرتے ہیں کہ

خاکسار کو دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں اعلیٰ سرکاری افسران اور سیاسی وغیر سیاسی شخصیات کوخطوط لکھنے کی عادت تھی۔جن میں معززین علاقہ۔وکلاء، ڈاکٹرز، اساتذہ اور پروفیسرز وغیرہ شامل تھے۔یہ تعداد دیکھتے ہی دیکھتے سینکڑوں میں چلی گئی۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے میرے اس اقدام کو اور میری اس سکیم کو میرے نام خطوط میں بہت سراہا اور بابرکت ہونے کے لئے دعائیں بھی دیں۔

چونکہ سینکڑوں کی تعداد میں خطوط کو فوٹو کاپی کروانے اور پھر پوسٹ کرنے پر خرچ اُٹھتا تھا جو آہستہ آہستہ خاکسار کی طاقت سے باہر ہوتا گیا۔تو خاکسار نے اس حقیر سی اپنی کوشش کا ذکر مکرم ظہور احمد باجوہ صاحب جو اس وقت ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد تعلیم القرآن ووقف عارضی تھے کر دیا۔آپ کو بھی طبعاً تبلیغ احمدیت سے بہت پیار تھا اور آپ میرے اس کام کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا کرتے اور پسند فرماتے تھے۔آپ مجھے ناظر اعلیٰ مکرم صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کے پاس لے گئے جو میری ان تبلیغی کاوشوں سے آگاہ تھے۔آپ نے مجھے انجمن کی مشین سے کم ریٹ پر فوٹو کاپی کروانے کی اجازت دے دی۔اور ساتھ ہی فرمایا کہ اس کام کو اخراجات کی وجہ سے نہیں چھوڑنا۔جب بھی رقم کی ضرورت ہو مجھے بتا دینا۔

بعد میں ایک دن خاکسار نے اخراجات پورے کرنے کے لئے ایک درخواست مکرم باجوہ صاحب کے ذریعہ بھجوائی۔میں دفاتر سے فارغ ہو کر مکرم چوہدری نبی احمد باجوہ صاحب (باجوہ کلاتھ ہاؤس) کے پاس بیٹھا تھا کہ محترم ظہور احمد باجوہ صاحب سائیکل پر سوار، پسینہ سے شرابور ادھر آنکلے اور کہنے لگے کہ میں تمہیں ڈھونڈ رہا تھا خیال آیا کہ باجوہ کلاتھ ہاؤس میں موجود ہوں گے مکرم صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نے یہ دو ہزار روپیہ آپ کو اس ہدایات کے ساتھ بھجوایا ہے کہ ڈھونڈ کر ابھی دو یا پھر شام تک گاؤں میں بھجوانے کا بندوبست کرو۔

محترم ظہور احمد باجوہ صاحب کے پاس اس قدر کارکنان تھے۔واقفیت بھی بہت زیادہ تھی۔

عمر کے تقاضے کے پیش نظر لوگ کہا بھی مانتے تھے مگر شدید گرمی میں آپ خود سائیکل پر مجھے ڈھونڈنے کو نکلے جوان کی بلند شخصیت کی آئینہ دار ہے۔

(خلاصہ خودنوشت ڈائری ص 29-31)

ایک ایمان افروز روایت

مکرم خالد سیف اللہ خان صاحب آف آسٹریلیا تحریر فرماتے ہیں۔

''محترم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب مرحوم (صدر، صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ) نے ایک بار حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی زندگی میں مجھ سے ذکر فرمایا کہ جب حضور افریقہ میں دورہ پر تشریف لے گئے تو مجھے بھی آپ کی معیت کا شرف حاصل ہوا۔ سیرالیون میں ایک بزرگ احمدی جن کا نام علی روجرز تھا وہاں کی جماعت کے پریذیڈنٹ تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ احمدی کیسے ہوئے۔ کہنے لگے کہ میں تو خدا کا نشان دیکھ کر احمدی ہوا ہوں۔ میرے پوچھنے پر بتایا کہ جب حضرت مولانا نذیر احمد صاحب علی ہمارے گاؤں میں پہلی بار آئے تو ان کی ایک غیر از جماعت مولوی سے لوگوں کے سامنے احمدیہ عقائد پر گفتگو ہوئی جس کو سن کر مولوی نے فتویٰ دیا کہ آپ کافر ہیں۔ جب وہ اجلاس منتشر ہوا تو شام پڑ چکی تھی۔ میں نے دیکھا کہ حضرت مولوی صاحب نے ایک دروازہ کھٹکھٹایا اور پوچھا کہ کیا میں آج رات آپ کے ہاں بسر کر سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں آپ کافر ہیں۔ پھر دوسرے گھر گئے تو وہاں سے بھی ایسا ہی جواب ملا۔ پھر انہوں نے تیسرا دروازہ کھٹکھٹایا تو انہوں نے بھی رات ٹھہرانے سے انکار کر دیا۔ میں یہ سارا نظارہ دیکھ رہا تھا۔ مجھے ان پر ترس آیا کہ چلو یہ شخص کافر ہی سہی پر انسان تو ہے میں ان کو اپنے گھر ٹھہرا لیتا ہوں۔ چنانچہ اپنے گھر لے جانے کی نیت سے جب ان سے پوچھا تو وہ جنگل کی طرف جا رہے تھے میں نے انہیں اپنے گھر ٹھہرنے کے لئے کہا تو انہوں نے کہا کہ نہیں اب میں نے رات جنگل ہی میں بسر کرنی ہے اور دعا میں گزارنی ہے۔ چنانچہ میں بھی ان کے ساتھ ہولیا۔ جنگل میں پہنچ کر انہوں نے ایک جگہ سے پتے وغیرہ صاف کر کے اپنی چادر بچھادی اور اس پر نماز پڑھنی شروع کر دی

نماز میں ان کی رقت اور انہماک دیکھ کر میں حیران ہوتا رہا کہ اس شخص کو اتنی سخت کیا تکلیف ہے۔ پھر انہیں سخت درد گردہ شروع ہوگئی۔ میں نے کہا کہ گھر چلتے ہیں شاید کوئی اسپرو (Aspro) وغیرہ مل جائے۔ لیکن انہوں نے کہا میں اسی تکلیف کی حالت میں دعا کروں گا۔ پھر حضرت مولوی صاحب نے مجھے بتایا کہ ابھی خدا نے مجھے کشفاً بتایا ہے کہ جس جگہ تم بیٹھے ہوئے ہو وہاں ایک جماعت کا سکول ہے اس سکول کا انتظام چلانے والی ایک کمیٹی ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ تم اس کمیٹی کے سربراہ ہو۔ یہ بیان کرتے ہوئے علی روجرز صاحب پر رقت طاری ہوگئی اور فرمایا کہ بعد میں ہمارے علاقہ میں احمدیت پھیلی اور عین اسی جگہ پر جہاں حضرت مولوی صاحب سے درد اور شکستہ دلی کے ساتھ رات گزاری تھی آج ہمارا سکول ہے اور اس کی انتظامیہ کمیٹی کا میں صدر ہوں۔ پھر فرمایا کہ ہم تو زندہ خدا کا نشان دیکھ کر احمدی ہوئے ہیں‘‘

(الفضل انٹرنیشنل 10 نومبر 2006ء)

باب نمبر 12

قید و بند کی صعوبتیں

اور

اسیری کی سعادت

- اسیری کی سعادت
- پہلا مقدمہ 1975ء میں
- اسیری پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی فکرمندی
- دوسرا مقدمہ 6 اپریل 1982ء میں
- تیسرا مقدمہ 17 نومبر 1982ء میں
- چوتھا مقدمہ 26 جون 1984ء میں
- حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی طرف سے خطبات میں باجوہ صاحب کا ذکر خیر
- دوران اسیری آپ کا کردار

جھوٹے مقدمات کا سامنا اور اللہ کی راہ میں اسیری کی سعادت

اللہ کی راہ میں تکالیف اور دُکھ سہنے کی تاریخ تو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوتی ہے۔قریباً تمام انبیاء اور ان کے ماننے والوں کو، اولیاء واصفیاء کو مختلف قسم کے مصائب اور مشکلات برداشت کرنے پڑے۔آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کو مصائب کے ایک تکلیف دہ دور سے گزرنا پڑا۔مگر آپؐ اور آپؐ کے تمام صحابہؓ ثابت قدم رہے اور آئندہ نسلوں کے لئے ایسے نمایاں قابل تقلید نمونے چھوڑے کہ آج بھی ان صحابہؓ کو اسلام کا مینار کہا جاتا ہے اور اَصۡحَابِیۡ کَالنَّجُوۡمِ بِاَیِّهِمۡ اِقۡتَدَیۡتُمۡ اِهۡتَدَیۡتُمۡ کے تحت ان کو ستارے کہہ کر ان سے رہنمائی لینے کی نصیحت کی گئی۔

اس آخری دور میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپؑ کے رفقاء اور پھر آج تک آپؑ پر ایمان لانے والوں نے جو تاریخ رقم فرمائی ہے وہ سنہری حروف سے لکھی جائے گی۔سینکڑوں کی تعداد میں مخلصین نے اپنے خالق حقیقی کی راہ میں اپنی جانیں قربان کردیں مگر اپنے دین، اپنے ایمان، حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ اپنے تعلق پر ذرا بھر آنچ نہ آنے دی۔اور ہزاروں ایسے پیارے مخلصین اپنے پیچھے چھوڑے جنہوں نے اسلام اور احمدیت کی خاطر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ماریں کھائیں۔تکالیف اُٹھائیں مگر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ کے عَلَم کو ہمیشہ بلند رکھا۔

انہی مخلص مجاہدین میں مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب بھی ہیں جن کے خلاف مختلف اوقات میں مخالفین احمدیت نے چار جھوٹے مقدمات قائم کئے۔آپ کو جیل بھی جانا پڑا۔آپ کی داستان جہاں تکلیف دہ ہے وہاں دلچسپ اور ایمان افروز بھی ہے اور باجوہ خاندان کے لئے کسی سعادت سے کم نہیں۔

پہلا مقدمہ

آپ پر سب سے پہلا مقدمہ 1975ء میں قائم ہوا۔ آپ پر الزام تھا کہ آپ نے 25 مارچ 1975ء کو شاہ فیصل کی وفات کے سلسلہ میں ایک تقریر کی ہے جس میں آپ نے بعض پیشگوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ دو تو پوری ہوگئی ہیں اور ایک پوری ہونی ابھی باقی ہے اور وہ یہ کہ ذوالفقار علی بھٹو (اس وقت کے وزیر اعظم) بھی جلد قتل ہو جائیں گے۔

آپ پر یہ مقدمہ سرکار کی طرف سے محمد خان SHO ربوہ نے مورخہ 23 ستمبر 1975ء کو زیر دفعہ 16MPO-49DPR/42 دائر کیا۔ آپ اس وقت ناظر امور عامہ کے عہدہ پر فائز تھے۔ آپ کے خلاف جو F.I.R کاٹی گئی وہ یہ تھی۔

نقل ابتدائی رپورٹ نمبری 186 مورخہ 75-09-23 تھانہ ربوہ مشمولہ کاغذات

بعدالت جناب اسسٹنٹ کمشنر صاحب چنیوٹ

(کاغذات بلاانڈکس)

سرکار...... بنام...... ظہور احمد باجوہ ناظم امور عامہ ربوہ

زیر دفعہ 16MPO-49DPR/42

نمبر 186 تھانہ ربوہ ضلع جھنگ تاریخ وقت وقوع ماہ فروری 1975ء

1	تاریخ وقت رپورٹ	رپٹ نمبر 197525-09-23
2	نام وسکونت اطلاع دہندہ وشخصیت	محمد خان SHO/SI تھانہ ربوہ
3	مختصر کیفیت جرم (دفعہ) ومال اگر کچھ کھویا گیا ہے	زیر دفعہ 16MPO-49DPR/42
4	جائے وقوعہ وفاصلہ تھانہ سے اور سمت	قصبہ ربوہ
5	کارروائی متعلقہ تفتیش اگر اطلاع درج کرنے میں کچھ توقف ہوا ہو تو اسکی وجہ بیان کی جاوے۔	منجانب پولیس کچھ توقف نہیں ہوا
6	تھانہ سے روانگی کی تاریخ ووقت	75-09-23۔ 7 بجے شام بذریعہ سپیشل رپورٹ

دستخط اردو محمد خان عہدہ SI/SHO ربوہ

مسٹرظہوراحمد باجوہ ناظم امورعامہ ربوہ ولد چوہدری شیرمحمد باجوہ سکنہ دارالصدرربوہ نے شاہ فیصل کی وفات کے سلسلہ میں تقریر کی اور کہا۔مرزاناصراحمد جوکہ جماعت احمدیہ کے خلیفہ ہیں نے تین پیشگوئیاں کی تھیں۔ جو دو پوری ہوگئی ہیں اور تیسری ابھی پوری ہونا بقایا ہے۔تیسری پیشگوئی میں یہ کہا کہ وزیراعظم بھٹوبھی جلدقتل ہوجائیں گے۔یہ تقریر شعبہ نشرواشاعت مجلس تحفظ ختم نبوت اندرون سیالکوٹی دروازہ گوجرانوالہ نے لاہورآرٹ پریس لاہور سے چھپا کر شائع کیا۔ظہوراحمد کی یہ تقریر احکام بالا کے ملاحظہ سے گزری جس سے فیصلہ ہوا کہ مذکورہ کے خلاف کارروائی کی جاوے۔لہذا مذکورہ بالا کے خلاف صورت جرم زیرتعزیرات 16MPO-49DPR/42 6AC. کا اطلاق پایا جاتا ہے۔جومقدمہ قائم کرکےکیس مصروف تفتیش ہوا۔

دستخط محمد خان SI/SHO ربوہ 23-09-75

اس کیس میں آپ کی پہلی پیشی اسسٹنٹ کمشنر چنیوٹ کے روبرو ہوئی اور آپ کواس کیس میں اسیری کا شرف بھی حاصل ہوا۔

اسیری پرحضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی فکرمندی

اس کیس کے بارے مکرم باجوہ صاحب موصوف کے بیٹے مکرم منیر احمد باجوہ صاحب بیان کرتے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ ابا جان پر مقدمہ والے دنوں لندن دورہ پر تھے میں بھی چونکہ لندن میں تھا مجھے حضور کا فون آیا کہ

منیر! میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ باجوہ صاحب کو Arrest کرلیا گیا ہے گھبرانا نہیں ہے۔ ہمیں بھی اُن کی فکر ہے۔اُن کی رہائی تک ہم بھی چین سے نہ بیٹھیں گے۔ہمیں آپ سے زیادہ باجوہ صاحب کی ضرورت ہے۔بیوقوفوں نے باجوہ صاحب پر یہ الزام لگایا ہے کہ انہوں نے تقریر کی ہے جبکہ ان کو تقریر کرنی ہی نہیں آتی۔تقریر تو انہوں نے تمہارے نکاح شادی پر بھی نہیں کی حالانکہ وہ والدین کے لئے بہت خوشی کا موقع ہوتا ہے۔

دوسرا مقدمہ

آپ پر ایک مقدمہ 6 اپریل 1982ء کو بنایا گیا جو مولوی منظور احمد چنیوٹی نے درخواست دے کر قائم کروایا تھا۔ اس مقدمہ کی F.I.R میں مخالف گروہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اپنے ترجمہ قرآن میں معروف مترجمین قرآن کے تراجم سے ہٹ کر ''فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي'' کا ترجمہ وفات دینے کے کئے ہیں۔ اس سے سادہ لوح اور عقیدہ کے مصمم مسلمانوں میں غلط اور اصل مفہوم سے ہٹ کر تاثر پیدا ہوتا ہے جو دانستہ طور پر سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی مذموم کوشش ہے۔ ان کے اس ترجمہ سے مسلمانوں کے جذبات شدید طور پر مجروح ہوئے ہیں اور عوام میں شدید اشتعال پیدا ہو رہا ہے۔ لہذا PPC295/A کے تحت مقدمہ درج کیا جائے۔

گو اس F.I.R میں کسی ملزم کا نام درج نہیں تاہم جو ضمنیاں تیار ہوئیں ان میں جن افراد کو شامل کیا گیا ان میں مکرم ظہور احمد باجوہ صاحب ناظر امور عامہ بھی تھے۔

اس مقدمہ میں گو گرفتاری عمل میں نہ لائی گئی تاہم آپ کو دو گھنٹے حوالات میں رکھا گیا۔

F.I.R کا مکمل متن درج ہے۔

نمبر مقدمہ 43 تھانہ ربوہ ضلع جھنگ تاریخ وقت وقوعہ نامعلوم

1	تاریخ وقت رپورٹ	بحوالہ رپٹ نمبر 7 / بوقت 12 بجے مورخہ 82-04-06
2	نام وسکونت اطلاع دہندہ ومستغیث	بذریعہ تحریری درخواست ازاں مولوی منظور احمد چنیوٹی مرسلہ چوہدری غلام محمد SI،SHO صاحب تھانہ ربوہ
3	مختصر کیفیت جرم (مع دفعہ) و مال اگر کچھ کھویا گیا ہے۔	بجرم PPC.295/A
4	جائے وقوعہ وفاصلہ تھانہ سے اور سمت	بحد رقبہ ربوہ بفاصلہ 1 فرلانگ غرب دیہہ 17
5	کارروائی متعلقہ تفتیش اگر اطلاع درج کرتے ہیں کچھ توقف ہوا ہو تو اسکی وجہ بیان کی جاوے۔	بلا توقف

6 تھانہ سے روانگی کی تاریخ وقت 10 بجے دن مورخہ 82-04-07

دستخط اردو۔ بہادر علی عہدہ محرر کانسٹیبل

بخدمت جناب انچارج صاحب تھانہ ربوہ۔ جناب عالی۔ گزارش ہے کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد آنجہانی خلیفہ ربوہ نے قرآن کریم کا جو اردو ترجمہ کیا ہوا ہے اسے میں نے بذات خود مطالعہ کیا ہے اور درج ذیل ہے۔ مستند علماء دین کے تراجم سے مقابلہ کیا ہے-1 شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بن حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ۔ نمبر 2- شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نمبر 3- شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نمبر 4- مولانا احمد رضا خان صاحب نمبر- 5 مولانا اشرف علی صاحب تھانوی- 6 مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی -7 مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور ذیل آیات بطور نمونہ تحریر کرتا ہوں جن کے تراجم اصل سیاق وسباق سے ہٹ کر دانستہ گمراہی پھیلانے کے لئے کئے گئے ہیں۔ نہ محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ تھے نہ ہیں نہ ہوں گے لیکن اللہ کے رسول ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر نبیوں کی مہر ہیں بحوالہ مترجم قرآن از مرزا بشیر الدین ص 31 (2) اور محمدؐ ایک رسول ہیں اور اس سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ بحوالہ ص 41 (3) مگر جب تو نے میری روح قبض کر لی تو تُو ہی ان پر نگران تھا میں نہ تھا اور تو ہی ہر چیز پر نگران تھا۔ بحوالہ ص 115 (4) اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے کہا اے عیسیٰ! میں تجھے طبعی طور پر وفات دوں گا اور تجھے اپنے حضور میں عزت بخشوں گا اور کافروں کے الزامات سے تجھے پاک کروں گا بحوالہ ص 51 (5) اور آئندہ ہونے والی باتوں پر بھی یقین رکھتے ہیں بحوالہ ص 100 متذکرہ بالا آیات کے علاوہ بھی متعدد مقامات پر ایسا ہی ہوا ہے کہ ان سے سادہ لوح اور عقیدہ کے مصمم مسلمانوں میں غلط اور اصل مفہوم سے ہٹ کر تاثر پیدا ہوتا ہے جو دانستہ طور پر سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی مذموم کوشش ہے ان کے اس ترجمہ سے مسلمانوں کے جذبات شدید طور پر مجروح ہوئے ہیں جس سے عوام میں شدید اشتعال پیدا ہو رہا ہے۔ استدعا ہے کہ قانونی کارروائی کی جائے۔ العبد دستخط اردو منظور چنیوٹی ابن حاجی احمد بخش قوم راجپوت ساکن چنیوٹ۔ محرر تھانہ ربوہ تحریر ہذا مولوی منظور احمد چنیوٹی نے بمقام چنیوٹ جبکہ میں بسلسلہ کار سرکار موجود تھا

پیش کی ہے۔مضمون تحریر سے صورت جرم PPC.295/A پائی جاتی ہے جس کے متعلق قبل ازیں حکم انگریزی نمبری 2097/20-03-82 دفتر SP صاحب جھنگ بمطابق ہدایت گورنمنٹ پنجاب موصول ہو چکا ہے مقدمہ درج رجسٹر کر کے تفتیش حوالے SI صاحب سٹی کی جاوے۔

دستخط انگریزی غلام محمد SI, SHO تھانہ ربوہ از ریسٹ ہاؤس چنیوٹ بوقت 2 بجے دن 06-04-82

از تھانہ 2

حسب آمد تحریری درخواست مرسلہ چوہدری غلام محمد SI.SHO بدست تاج محمود کانسٹیبل نمبر 435 رپورٹ ابتدائی ہذا بجرم مذکورہ مرتب کی گئی ہے۔نقل مسل پولیس مع اصل تحریر بمراد تفتیش بدست تاج محمود کانسٹیبل نمبر 435 نزد قریشی نثار احمد صاحب SI صاحب سٹی ربوہ ارسال ہے۔

بہادر علی نمبر 737 محرر کانسٹیبل ربوہ 06-04-82

تیسرا مقدمہ

تیسرا مقدمہ مکرم ظہور احمد باجوہ صاحب پر ایک مُرتد، جماعت احمدیہ سے علیحدہ ہونے والے ایک شخص عبدالقدیر ولد محمد صدیق نے مورخہ 17 نومبر 1982ء کو زیر دفعہ 364/109 ت پ قائم کیا۔

جماعت احمدیہ سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد عبدالقدیر کی اہلیہ محترمہ رفعت جہاں آرا دُختر محمد رفیق 4/17 دارالرحمت وسطی ربوہ نے تنسیخ نکاح کا دعویٰ دائر کر دیا۔اپنے خاوند سے علیحدگی لینے کے بعد مسماۃ مذکورہ نے دوسری جگہ شادی کر لی۔

عبدالقدیر کا موقف تھا کہ اس میں مکرم ظہور احمد باجوہ صاحب کا ہاتھ ہے۔

اس مقدمہ میں قبل از وقت گرفتاری ضمانت کروالی گئی۔اس مقدمہ کی F.I.R بہت بوسیدہ ہے جو پڑھی نہیں جارہی تاہم اس کا عکس شامل کتاب کیا جارہا ہے۔

چوتھا مقدمہ

آپ پر چوتھا اور آخری مقدمہ 26 جون 1984ء کو قائم ہوا۔اس مقدمہ میں جماعت

احمدیہ کے اشد ترین مخالف مولوی اللہ یار ارشد کے بیان پر محترم باجوہ صاحب پر یہ الزام لگایا گیا کہ آپ نے دیگر احباب جماعت کے ساتھ مل کر مولوی اللہ یار ارشد کو اغواء کرنے کی کوشش کی اور زدوکوب کیا ہے۔

یہاں وہ ایف آئی آر دی جا رہی ہے۔ جس سے عیاں ہوگا کہ مولوی اللہ یار ارشد کس طرح اسلامی تعلیم کے خلاف گھناؤنے فعل کے مرتکب ہوئے ہیں اور ایک جھوٹی کہانی گھڑ کر چند چیدہ چیدہ احمدیوں کے خلاف مقدمہ کیا ہے۔

اس مقدمہ میں مکرم باجوہ صاحب کو اسیری کا شرف بھی حاصل ہوا۔

F.I.R.

ابتدائی اطلاعی رپورٹ نسبت جرم قابل دست اندازی پولیس رپورٹ شدہ زیر دفعہ ۱۵۴ مجموعہ فوجداری

نمبر مقدمہ 122 تھانہ ربوہ ضلع جھنگ تاریخ ووقت وقوعہ 84-06-25 11 بجے

1	تاریخ ووقت رپورٹ	84-06-26 وقت 1.45 بجے رات
2	نام وسکونت اطلاع دہندہ ومستغیث	استغاثہ مرسلہ چوہدری ذوالفقار علی SI بر بیان اللہ یار ارشد ولد میاں محمد حسین قوم آرائیں سکنہ خطیب مسجد احرار کوٹ وساوا بعمر 28 سال
3	مختصر کیفیت جرم (دفعہ) ومال اگر کچھ کھویا گیا ہے	بجرم زیر دفعہ 342/323، 149-307/148 ت پ
4	جائے وقوعہ وفاصلہ تھانہ سے اور سمت	محلہ دار العلوم بحد رقبہ ربوہ دیہہ چک 17 بفاصلہ 1-1/2 میل جانب جنوب
5	کارروائی متعلقہ تفتیش اگر اطلاع درج کرنے میں کچھ توقف ہوا ہو تو اسکی وجہ بیان کی جاوے۔	حسب آمد تحریر
6	تھانہ سے روانگی کی تاریخ وقت/	10 بجے دن مورخہ 84-06-26

دستخط اردو۔ محمد اسلم عہدہ محرر ہیڈ کانسٹیبل

بیان ازاں اللہ یار ارشد ولد میاں محمد حسین قوم ارائیں سکنہ خطیب مسجد احرار کوٹ وساوا بعمر 28 سال آج شب افطاری غلہ منڈی لالیاں میں کی اس کے بعد لالیاں کے دوست احباب کو لے کر تھانہ لالیاں میں گیا وہاں منشی نے بتلایا کہ ایس ایچ او صاحب جھنگ گئے ہوئے ہیں۔ پھر میں نے وہاں سے دوست کے ساتھ ایک احباب کے گھر کھانا کھایا۔ وہاں سے پھر دوبارہ

9-30 بجے روانہ ہوا اور تھانہ لالیاں واپس آیا تو پتہ چلا کہ ایس ایچ او اسد اللہ خاں نیازی گھر پر تشریف فرما ہیں۔ اس کے بعد اسد اللہ نیازی کے گھر پر مع دوست احباب حاضر ہوا وہاں تقریباً پندرہ منٹ بیٹھا رہا اور علاقائی مسائل پر گفتگو کی گئی اس کے بعد SHO صاحب سے اجازت لی اور اڈہ لالیاں کی طرف روانہ ہوا وہاں دوستوں نے اڈہ لالیاں میں الوداع کہا۔ اور میں بس میں سوار ہو گیا۔ ربوہ اڈہ پر 10:30 بجے اترا اور وہاں پر پولیس کے ملازمین مقصود رندھاوا وغیرہ سے ملاقات ہوئی۔ مقصود احمد رندھاوا میرے ساتھ کچھ دُور چلتا رہا۔ زاہد ہوٹل پر میرا سائیکل پڑا تھا وہاں سے میں نے سائیکل اٹھایا۔ میں اور مقصود احمد رندھاوا مسجد نورالاسلام میں گئے تو وہاں چوہدری نذیر احمد صاحب نائب تحصیل دار سے پوچھا کہ بجلی کیوں بند ہے انہوں نے بتایا کہ بجلی شارٹ ہو گئی ہے۔ تمام نمازی مسجد کے باہر کھڑے تھے وہاں سے پھر میں مع مقصود احمد رندھاوا مسجد احرار کی طرف پیدل روانہ ہوئے۔ سائیکل میرے ساتھ تھا۔ وہاں ریلوے پھاٹک پر پہنچے تو مقصود احمد رندھاوا نے مجھے کہا کہ اس نے ہوٹل کی چھت پر سونا ہے وہاں اُسے الوداع کر کے میں آگے سائیکل پر سوار ہو کر کوٹ وساوا کی طرف چل دیا۔ جامعہ احمدیہ کے قریب خرم سنٹر کے سامنے روڈ پر پیچھے سے سکوٹر پر سوار محمد صادق ولد رحمت اللہ قوم جٹ سکنہ کوٹ وساوا آیا اور مجھے کہنے لگا قاری صاحب کہاں سے آئے۔ میں نے کہا لالیاں گیا ہوا تھا اب مسجد میں چلتے ہیں اس سے میں نے پوچھا کہ مسجد احرار میں شبینہ ہو رہا ہے کہ نہیں اس نے کہا ہو رہا ہے۔ میں نے کہا یہ 12 روپے لو اور مسجد میں......واپس آم لینے چلا گیا۔ میں سائیکل پر سوار چلتا رہا۔ جب عبدالحق کی چکی واقع ساہیوال روڈ پہنچا تو چند قادیانی نوجوانوں نے میرا تعاقب شروع کر دیا اور آگے پیچھے میرے ساتھ چلتے رہے جب میں ڈگری کالج کی دیوار کے ساتھ پلی پر پہنچا جہاں اندھیرا تھا اور قادیانیوں کے مکانات ختم ہو رہے تھے تو وہاں میرے سائیکل میں ایک قادیانی نے سائیکل مار دیا جس سے میں نیچے گر گیا اور پھر میں اُٹھا اتنے میں وسیم قادیانی نے مجھے گریبان سے پکڑ لیا اور دھکا دیا۔ مبارک احمد سلیم نے میری داڑھی پکڑ لی اور بھی قادیانی تقریباً پندرہ تھے ان کے نام نہ جانتا ہوں۔ لاٹھیوں اور ہاکیوں سے مسلح تھے۔ مبارک احمد کے ہاتھ میں پستول تھا جس نے میری داڑھی پکڑ کر سینہ پر رکھ دیا کہ اب پکارو کہاں ہیں تمہارے مسلمان۔ میں نے ہال دھائی ڈالی تو میرے ہی رومال

سے میرے مُنہ کو باندھ دیا گیا اور مجھے ہاتھ پاؤں سے رسی سے باندھ دیا گیا۔ اور مجھے کھینچتے ہوئے ایک محلہ کی طرف مشرق کو لے گئے اور وہاں کہا تھا کہ اُسے وہاں لے چلو جہاں پہلے کوٹھی پر مولوی صاحب قید ہے اس کا حشر وہی کرو جو اس کا ہے اس کے بعد مجھے کوئی چیز سونگھا دی گئی۔ مجھے معلوم نہیں کہ کہاں لے گئے لیکن جب ہوش آیا تو اردگرد قادیانیوں کو دیکھا۔ وہاں حکیم خورشید احمد صدر عمومی۔ **ظہور احمد باجوہ**۔ خواجہ مجید احمد۔ عبدالمجید بھامبڑی (مراد عبدالعزیز بھامبڑی) کے علاوہ اور بھی قادیانی موجود تھے۔ حکیم خورشید نے کہا کہ آپ اسے اس مولوی سے ملاقات کروادو تا کہ اسے دیکھ لے۔ تا کہ اسے پتہ چلے کہ قادیانیوں کے خلاف بولنے والے کا کیا حشر ہوتا ہے۔ عبدالمجید بھامبڑی نے کہا کہ ٹوکہ لاؤ اور اس کے پاؤں کی طرف سے کاٹنا شروع کرو۔ حکیم خورشید مجھے ڈنڈے سے مارتا رہا جس سے میرے ناک سے خون جاری ہو گیا۔ پھر مجھے عبدالمجید بھامبڑی۔ وسیم احمد مارتے رہے اتنے میں آواز آئی کہ پولیس آ گئی ہے تو انہوں نے کہا جلدی کروانہیں کوٹھی سے باہر پھینک دو۔ اس کے بعد مجھے پھر کچھ سونگھا دیا گیا اور پھر جب مجھے ہوش آئی تو میں کوٹھی کے باہر پڑا تھا اور سامنے پولیس والے اور قادیانی کھڑے تھے۔ مجھے اتنا مارا گیا کہ میرے ناک سے خون جاری ہے۔ سر میں زخم ہیں جس سے خون جاری ہے بائیں رخسار پر سوزش اور زخم ہے جو شدید تکلیف دے رہے ہیں۔ تمام جسم پر چوٹیں اور زخم ہیں۔ میری نقدی اور پارکر پن جس کی نب سونے کی ہے اس دوران گر گئے۔ میرے ساتھ سخت ظلم ہوا ہے اس لئے کہ میں ختم نبوت کا مبلغ ہوں۔ اور مجلس احرار کی طرف سے مسلمانوں کی نمائندگی کرتا ہوں اگر پولیس موقع پر نہ پہنچتی تو قادیانی مجھے جان سے مار دیتے۔ کیونکہ حکیم خورشید نے کہا تھا کہ اسے کاٹنے کے بعد دریائے چناب میں پھینک دو۔ یہ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بدامنی پھیلانے کے لئے کیا گیا ہے۔ ملزمان کے خلاف کارروائی کی جائے اور میرے جان و مال کی حفاظت کی جائے......عین واقعہ بتلا سکتا ہے۔ نور محمد ولد احمد بخش قوم کوڑا سکنہ کوٹ وساوا پہنچ گیا تھا۔ بیان سن لیا درست ہے۔

العبد دستخط۔ اللہ یار ارشد خطیب مسجد احرار کوٹ وساوا داخلی ربوہ

کارروائی پولیس۔ اللہ یار ارشد مستغیث نے بیان بالا تقریری دیا جو حرف بحرف تحریر میں لایا

جا کردیئے ہیں جس کی میں تصدیق کرتا ہوں۔ ملاحظہ جسم ازاں اللہ یار ارشد پر ضربات لگنی پائی گئی ہیں نقشہ مضروبی علیحدہ مرتب ہوا ہے۔ بیان بالا وملاحظہ جسم سے سردست صورت جرم 342/323،307/148 P.P.C پائی جاتی ہے۔ استغاثہ بمراد قائمی مقدمہ بدست احمد ریاض نمبر 611 ارسال تھانہ ہے۔ نمبر مقدمہ سے اطلاع دی جاوے۔ میں مصروف تفتیش ہوں۔

دستخط انگریزی۔ ذوالفقار علی SI/SHO از ربوہ 84-06-25 بوقت 1-30 بجے رات

از تھانہ: حسب آمد تحریری استغاثہ مرتبہ مرسلہ چوہدری ذوالفقار علی SI/SHO تھانہ ربوہ پر رپورٹ ابتدائی ھذا بجرم مذکور مرتب ہوئی۔ نقل مثل بغرض تفتیش نزد SHO صاحب بھجوائی جا رہی ہے پرت جرم بغرض حوالگی مدعی ہمراہ دیا گیا ہے۔

دستخط اُردو محمد اسلم محرر ہیڈ کانسٹیبل تھانہ ربوہ 84-06-26

(کتاب ایف آئی آر مطبوعہ نظارت اشاعت ربوہ ص 109 تا 111)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی طرف سے اس کیس کی تفصیل

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے اس جھوٹے اور سفاک دشمن کے ظلم کا تذکرہ اپنے مختلف خطبات میں فرمایا۔ عید الفطر کے خطبہ عید کا فلسفہ بیان فرما کر جماعت کی قربانیوں کو صحابہ رسولؐ کی قربانیوں سے نسبت دی اور مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب پر بنائے جانے والے اس مقدمہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

''ہم اس مبارک عید کے دور میں سے گزر رہے ہیں جو اولین کے لئے مقدر ہے اور جس کا وعدہ دیا گیا ہے تورات میں بھی اور انجیل میں بھی اور قرآن میں بھی۔ یہ وہ عید ہے جو ہمارے لئے دکھوں کی عید ہے، جو خدا کی راہ میں طرح طرح کے ستم سہنے کی عید ہے، ایسے دردناک حالات میں سے جماعت گزر رہی ہے کہ اس سے پہلے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دشمن نادان یہ سمجھتا ہے کہ ان کو کم مارا گیا ہے کم جسمانی اذیتیں دی گئی ہیں حالانکہ اس سے پہلے ہزار ہا گھر جلا دیئے جاتے تھے۔ اس سے پہلے بار ہا یہ آزمائشوں کے دن ہم پر گزرے ہیں کہ بچوں کے سامنے ان کے

والدین کو ذبح کیا گیا والدین کے سامنے ان کے بچوں کو ذبح کیا گیا اور گھروں میں بند کر کے زندہ جلانے کی کوشش کی گئی اور بعض اوقات زندہ جلا دیا گیا لیکن کبھی جماعت کے چہرے پر ایسا غم نہیں دیکھا گیا تھا کیونکہ یہ حملہ ان کے جسموں پر تھا، روحیں ضرور متاثر ہوتی تھیں لیکن اس حد تک نہیں کہ ان کی زندگیاں اجیرن ہو جائیں لیکن آج جو احمدیت کی روح پر احمدیت کی جان پر حملہ کیا گیا ہے یہ اتنا سنگین، اتنا ظالمانہ ہے کہ سارے عالم کا احمدی ایک نہایت ہی کرب اور بلا کی زندگی بسر کر رہا ہے اور خصوصاً ہمارے وہ بھائی جو پاکستان میں ہیں۔ اور دشمن حیا کی طرف لوٹنے کی بجائے بے حیائی میں آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ سفاکی کی ایسی حدود پھلانگ رہا ہے کہ جن کے بعد واپسی کی کوئی راہ مقدر نہیں ہوا کرتی، ایسے رستوں پر چل پڑا ہے جن سے قوموں کو پہلے کبھی واپس آتے نہیں دیکھا تھا۔ خدا کے نام پر جھوٹ اور ظلم اور سفّاکی کی انتہا کر دی گئی ہے۔

ابھی دو تین دن کی بات ہے کہ ربوہ میں وہاں کے مقامی مولوی نے اپنے بعض ساتھیوں کے ساتھ ایک گھر کو آگ لگانے کی کوشش کی۔ رات کی تنہائی میں وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر تیل کا ایک کنستر ساتھ لے کر گیا اور چونکہ وہ گھر خالی تھا یعنی ان کے علم کے مطابق خالی تھا اس لئے ان کا خیال تھا کہ ہم آگ لگا کر واپس آ جائیں گے۔ لیکن دو خدام وہاں چھت پر پہرہ دے رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے چھلانگیں لگائیں اور ان کو پکڑنے کی کوشش کی مولوی صاحب تو پکڑے گئے۔ لیکن دو باقی ساتھی بھاگ گئے۔ چنانچہ ان سب کو لے کر وہ پولیس اسٹیشن پہنچے کہ یہ واقعہ ہوا ہے ۔ہم رپورٹ درج کروانے کے لئے آئے ہیں۔ اسی وقت چنیوٹ سے ڈی ایس پی صاحب بھی تشریف لے آئے اور ساری کارروائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ شکایت کنندگان جو مجرم کو پکڑ کر ساتھ لائے تھے ان کے خلاف رپورٹ درج کی گئی اور ان کی رپورٹ کا کوئی ذکر نہیں اور رپورٹ یہ درج کی گئی کہ ان مولوی صاحب کو ان لوگوں نے اغوا کی کوشش کی تھی۔ باوجود اس کے کہ وہاں قریب کی جھاڑیوں سے مولوی صاحب کا بائیسکل بھی نکال کے دکھا دیا گیا وہ تیل کا خالی کنستر بھی دکھا دیا گیا۔ جس میں سے اس گھر پہ تیل چھڑکا گیا تھا اور یہ سارا ریکارڈ موجود تھا لیکن درج یہ کیا گیا کہ اس کے

اغوا کی کوشش کی گئی اور اس اغوا میں جو نام لکھوائے گئے ان میں سے دو نام یہ ہیں، ایک تو چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ جو لندن بیت الفضل کے امام تھے کسی زمانے میں اور بعد میں ناظر امور عامہ رہے اور آج کل ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد تعلیم القرآن ہیں۔ اور وہ بیمار اور دل کے مریض اور معمر دوست اور ایک صدر عمومی جو پُرانے دل کے مریض اور کافی معمر دوست ہیں، نہایت کمزور صحت والے مولوی خورشید احمد صاحب۔ ان دو کو مولوی صاحب کے بیان کے مطابق انہوں نے خود دیکھا یہ ساتھ کھڑے تھے اغوا کرنے والوں میں شامل تھے اور ساتھ ہی مولوی صاحب کے بیان کے مطابق جو درج ہوا، باجوہ صاحب ساتھ یہ کہہ رہے تھے کہ ہاں اس کو وہیں پہنچا دو جہاں اسلم قریشی کو تم پہلے پہنچا چکے ہو گویا کہ اس جرم میں بھی باجوہ صاحب ہی شریک تھے اور جگہ یاد دلا رہے تھے کہ وہاں پہنچانا ہے اس کو جہاں اسلم قریشی کو پہلے پہنچایا گیا۔ یہ تو اللہ بہتر جانتا ہے کہ اسلم قریشی کہاں پہنچا ہے اور خدا اسے کہاں پہنچائے گا یا ان مولوی صاحب کو اللہ کہاں پہنچائے گا؟ لیکن بہر حال رمضان کے آخری عشرے میں خدا کے نام کی قسمیں کھا کر یہ رپورٹ درج کروائی گئی ہے اور ان کو قید کر لیا گیا۔ ان دو نوجوانوں کو جنہوں نے پکڑا وہ بھی قید میں ہیں۔

اور باجوہ صاحب اور مولوی خورشید احمد صاحب وہ بھی اس وقت قید میں ہیں اور مزید دھاندلی یہ اور ایسی دھاندلی جو اشترا کی دنیا کی سختیوں میں بھی آپ کو نظر نہیں آئے گی۔ وہاں کچھ حیا کا پردہ رکھا جاتا ہے کہ جب جھنگ کی عدالت میں ان کی ضمانت کی درخواست لے کر ہمارے بعض وکلاء پہنچے جن میں ایک محمود مجید صاحب ہیں لاہور کے سینئر ایڈووکیٹ اور ایک خواجہ سرفراز احمد صاحب ہیں، وہ سیالکوٹ کے ہیں لیکن لاہور ہی میں آج کل پریکٹس کرتے ہیں۔ یہ دونوں بڑے معزز اور سینئر ایڈووکیٹس ہیں۔ تو وہاں بجائے اس کے کہ مجسٹریٹ ہوتا پندرہ بیس کرائے کے غنڈوں کا ایک گروہ موجود تھا۔ انہوں نے پتھراؤ کر کے ربوہ سے آنے والی کاروں کو توڑا، ان میں جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے ان کو گھسیٹا اور مارا اور عدالت میں کوئی موجود نہیں تھا۔ جب یہ دونوں وکلاء اور ایک ربوہ کے ساتھی وکیل کے ساتھ عدالت میں بھی گئے تو عدالت میں جا کر بھی ان کو شدید

زدوکوب کیا گیا اور کچھ انتظار کے بعد جب دیکھا کہ کوئی مجسٹریٹ نہیں ہے، کوئی موجود نہیں جس کے سامنے درخواست کی شنوائی ہو کیونکہ درخواست تو داخل کرا دی گئی تھی پہلے، شنوائی کے لئے گئے تھے تو لمبے انتظار کے بعد نڈھال جب واپس ربوہ پہنچے تو اس وقت مجسٹریٹ صاحب ظاہر ہوئے اور یہ پٹیشن ڈسمس کر دی کہ درخواست دہندہ کا تو کوئی ذکر ہی نہیں، کہیں وجود ہی نہیں اس لئے درخواست میں کیسے منظور کروں؟ تو یہ بے حیائی کی حدیں ہیں جو پھلانگی جارہی ہیں اور پھر آگے یہ حیرت ہے کہ خدا کا کوئی خوف، اس کا کوئی تصور کوئی شائبہ تک دلوں میں باقی نہیں رہا۔

ان مولوی صاحب کے متعلق دوسرے دن لاہور ریڈیو اسٹیشن سے یہ اپیلیں نشر ہوئیں بار بار کہ ان کو اتنا مارا گیا ہے، اتنا خون ان کا بہہ گیا ہے کہ خون دینے کے لئے نوجوان قربانیاں پیش کریں اور آگے آئیں۔ ایسا خوفناک، ایسا ظالمانہ ڈرامہ ایک اسلامی حکومت کے نام پر کھیلا جارہا ہے! آگے کیا مقدر ہے وہ تو اللہ بہتر جانتا ہے لیکن میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ خدا کی بنائی ہوئی تقدیر جو پرانے زمانوں میں انبیاء کی قوموں پر جاری کی گئی تھی اور ان کے مخالفین پر جاری کی گئی تھی وہ ہمیں یقینا بتاتی ہے کہ ان رستوں پر چل کر انبیاء کے مخالفین پھر کبھی نہیں بچے۔ یہ ہلاکت کی وہ راہیں ہیں جن سے واپسی نہیں دیکھی گئی اس لئے ان کے لئے بھی خوف ہمارے ہی دل میں ہے کیونکہ ان کے دل تو خوف سے بالکل خالی پڑے ہیں۔

تو میں نے سوچا کہ عید تو ان کی ہے۔ دشمن منائے عید تو منائے لیکن ہمارے رب کی نظر میں تو ان لوگوں کی عید ہے، ان ربوہ کے مظلوموں کی عید ہے، ان لاہور کے وکلاء کی عید ہے، ان طلباء کی عید ہے، ان سب کی عید ہے جو خدا کی راہ میں دکھ اٹھا رہے ہیں کیونکہ اسی عید کا قرآن کریم میں ذکر ملتا ہے''

(خطبہ عیدالفطر 30 جون 1984ء از خطبات طاہر (عیدین) ص 31-34)

اسیری کا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی زبانی ذکر

خطبہ جمعہ مؤرخہ 20 جولائی 1984ء کے خطبہ ثانیہ کے بعد فرمایا۔

''ایک اور نہایت ہی دردناک اور بھیانک تازہ ظلم کی اطلاع آئی ہے۔اس سلسلہ میں میں احباب جماعت کو دوبارہ دعاؤں کی طرف متوجہ کرتا ہوں اپنے مظلوم بھائیوں کے لئے بہت دعا کریں۔ پہلے تو انہوں نے باجوہ صاحب (چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب) اور مولوی خورشید صاحب (مولوی حکیم خورشید احمد صاحب) وغیرہ کے کیس میں ایک بالکل جھوٹا اور فرضی من گھڑت کیس ان کے خلاف بنالیا اور کہا کہ یہ بوڑھے بیچارے اور بیمار یہ ایک مولوی کو اغوا کر رہے تھے اس وقت پکڑے گئے اور جب دنیا میں اس کے خلاف احتجاج ہوا تو ایک گند دوسرے گند پر مائل کر دیتا ہے ایک جھوٹ دوسرے جھوٹ کی انگیخت کر دیتا ہے۔انہوں نے اس ظلم کے اوپر مزید ظلم یہ کیا کہ وہ جو دو نوجوان پکڑے ہوئے تھے ان پر اتنے دردناک اور ہولناک مظالم کئے ہیں پولیس نے کہ ان کے تصور سے بھی آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ایسی بھیانک ایسی بے حیائی کے ساتھ ان پر ظلم کیا گیا ہے کہ اسلام کے نام پر جھوٹ اگلوانے کے لئے اس قدر مظالم! تعجب ہے کہ ان کو کوئی خوف خدا ہی نہیں ہے کہ ہم نے ایک خدا کو جان بھی دینی ہے کہ نہیں۔

اس اطلاع کے متعلق تو ہدایت دے دی ہیں کہ ساری دنیا میں اس واقعہ کو مشتہر کرنا چاہئے۔ اور سزا یہ دے رہے تھے کہ ان بڈھوں کو شامل کرواور تحریر لکھ کے دو ہمیں کہ تم بھی اغوا کرنا چاہتے تھے اور وہ دونوں بھی اغوا کروانا چاہتے تھے اور ان کی ہدایت پر تم اغوا کروا رہے تھے تا کہ دنیا سے جو احتجاج آرہے ہیں ان کو پھر وہ تحریر شائع کر کے دکھا دیں کہ دیکھ لو تحریر اور ایک ایک رات میں بعض دفعہ پانچ پانچ دفعہ وہ بے ہوش ہوئے ماریں کھا کھا کر اور ننگے بدن کر کے ان گاؤں والوں کو دعوت دی گئی کہ آئیں ان کو دیکھیں اور انتہائی گندی مغلظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف اور ان کے والدین اور ان کے عزیزوں کے خلاف جو گندی گالیاں سوچی جاسکتیں ہیں وہ دی گئیں اور پھر بلیڈوں سے ان کو چیرا گیا اور ان کے اوپر مرچیں پھینکی گئیں، الٹے لٹکائے گئے یہاں تک کہ اسی حالت میں وہ بے ہوش ہوئے۔ ہر دکھ جو آپ سوچ سکتے ہیں وہ ان کو دیا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو استقامت عطا فرمائی اور باجوہ صاحب اور ان بیچارے مظلوم کے متعلق انہوں نے آخر وقت تک

نہیں بیان دیا اور جب وہ دیکھا کہ اب ہمارے پاس چارہ کوئی نہیں رہا اس سے زیادہ تو پھر موت رہ گئی تھی باقی تو اب اس کیس کو پولیس نے سفارش کردی ہے کہ مارشل لاء میں آزمایا جائے کیونکہ سول ہتھیار جو ہمارے پاس تھے وہ تو ہم نے استعمال کر لئے یہ تو ہتھکنڈے ہیں نا سول Civil۔ ان سے بڑھ کر تو سول Civil کے پاس ہتھکنڈا کوئی نہیں ہے۔ہاں مارشل لاء جس کو چاہے موت کی سزا دے دے تو اب وہ کیس مارشل لاء میں بھجوایا جارہا ہے تو دعا کریں ان لوگوں سے واسطہ ہے اس وقت اسلام کو اور اسلام پر یہ ہیں ظلم کرنے والے انتہائی خوف ناک۔اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے اور باز رکھے کیونکہ یہ معاملہ تو اتنا بڑھ چکا ہے کہ اس کے بعد پھر خدا کی طرف سے سوائے اس کے کہ ایسی قوموں کی ہلاکت کی تقدیر لکھ دی جائے پھر اور کیا رہتا ہے باقی۔اپنی بے حیائی میں اور ظلم اور سفا کی میں اور سچائی کو جھٹلانے میں یہ ایک حد سے آگے نکل چکے ہیں۔بظاہر تو واپسی کی صورت نظر نہیں آرہی مجھے لیکن دعا کرنی چاہیئے ہمارا فرض ہے، ہمارا اپنا وطن ہے، ہمیں اس سے محبت اور پیار ہے کہ چند شریروں کی وجہ سے سارے وطن پر عذاب آجائے اور مصیبت پڑے اس کا بھی تو ہمیں ہی دکھ پہنچنا ہے۔ان کو کہاں سے اس کا دکھ ہوگا؟ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے یہ دعا کی تحریک جو کر رہا ہوں خاص طور پر یاد رکھیں۔راتوں کو اٹھیں تہجد میں، دن رات ان بھائیوں کے درد کی حالت کو سوچ کر اور اپنی اس نعمت کی حالت کو سوچ کر کہ آپ آرام میں پھر رہے ہیں خاص طور پر ان کے لئے دعائیں کرتے رہیں''

(خطبہ جمعہ 20 جولائی 1984ء از خطبات طاہر جلد 3 ص 391-392)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی طرف سے باجوہ صاحب کا ذکر خیر

حضورؒ نے خطبہ جمعہ 3راگست 1984ء میں فرمایا

''جہاں تک جماعت احمدیہ کا تعلق ہے وہ تو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا دامن نہیں چھوڑے گی اور جو یہ لوگ کہتے ہیں کہ میں بار بار کہتا ہوں بڑی شدت اور قوت کے ساتھ

کہ لازماً ہم جیتیں گے کیوں کہتا ہوں اس لئے کہ اب یہ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر حملہ کر رہے ہیں اور قرآن پر حملہ کر رہے ہیں۔جس تعلیم سے ہمیں روکتے ہیں وہ قرآن کی تعلیم ہے، جس سنت سے ہمیں باز رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سنت ہے اور یہ وہ دو ایسی چیزیں ہیں جن کی خدا سب سے زیادہ غیرت رکھتا ہے۔ ناممکن ہے کہ قرآن پر حملہ کرنے دے ان کو اور چھوڑ دے خالی اور سنت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر حملہ کرنے دے اور باز پرس نہ فرمائے اس لئے ان کا معاملہ تو اب براہ راست خدا سے ٹکر کا معاملہ بن چکا ہے۔ جہالت کی حد ہے کہ قرآنی تعلیم پر عمل کرو گے تو ہمیں غصہ آئے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی غلامی کا دم بھرو گے تو ہمیں اتنی تکلیف ہوگی کہ جب تک تمہیں مار نہ لیں قتل نہ کر لیں تمہیں انسانی حقوق سے محروم نہ کر لیں ہمارا سینہ ٹھنڈا نہیں ہوگا یہ شکل بن چکی ہے اب تو اللہ فضل فرمائے جو قوم کی موجودہ حالت ہے یہ بہت ہی خطرناک ہے اور مظالم میں بڑھتے چلے جاتے ہیں رکتے نہیں ہیں کسی جگہ۔ مثلاً میں نے آپ کو سنایا تھا باجوہ صاحب (مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب) وغیرہ کا قصہ سنایا کہ کس طرح ان پر ظلم ہوا یعنی بوڑھے اور بزرگ گھروں میں بیٹھے ہوئے اس جرم میں ان کو پکڑ کر گھروں سے نکالا گیا کہ آپ نے ایک مولوی کو اغوا کرنے کی کوشش میں شامل تھے۔ان کی عمریں دیکھو ان کا مقام دیکھو ان کا سابقہ ریکارڈ دیکھو تمام دنیا کی پولیس میں سے جو جاہل سے جاہل لوگ بھی ہیں وہ بھی ان باتوں کا خیال رکھتے ہیں لیکن ایک توقع تھی انصاف کی کہ شاید عدالتوں میں انصاف مل جائے۔ اب ان کی حالت یہ ہے کہ ہائی کورٹ نے کل ضمانت یہ کہہ کر مسترد کر دی ہے کہ ہمیں حکومت کی طرف سے حکم آیا ہے کہ ہم اس مقدمہ کو تم سے لے کر فوجی عدالت میں دینا چاہتے ہیں اس لئے تم بااختیار ہی نہیں ہو کسی ضمانت قبول کرنے کے یعنی صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس مقدمہ میں کچھ بھی نہیں ہے جھوٹ ہی جھوٹ ہے لیکن یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ ہم نے ظلم سے باز نہیں آنا اس لئے کب تک خدا ان کو ظلم کی اجازت دیتا ہے یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے لیکن ہر قدم سفا کی کی طرف اٹھ رہا ہے یہ ہم کہہ سکتے ہیں اور کب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ تقدیر ظاہر

ہوگی جو مجرموں کے حق میں ہمیشہ ظاہر ہوا کرتی ہے یہ بھی ہم نہیں کہہ سکتے لیکن یہ جانتے ہیں کہ جب تک اللہ ہمیں آزمائے گا ہم صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں گے اور مسلمین کہتے ہوئے جان دیں گے راضی برضا رہتے ہوئے اپنا سب کچھ لٹائیں گے ایک بھی ایسا احمدی نہیں ہوگا اِنشاء اللہ تعالیٰ جو خدا تعالیٰ پر شکوہ کرتا ہوا مر رہا ہو۔ وہ مالک ہے لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہم تو اس پر ایمان لائے ہیں اس لئے جب تک چاہتا ہے اپنے بندوں کو آزمائے گا۔ ہم اِن شاء اللہ تعالیٰ غلامی کی ساری شرطیں پوری کریں گے“

(خطبات طاہر جلد 3 ص 423-424)

ایک نادر تحریر

مکرم باجوہ صاحب کے عرصہ اسیری کے دوران حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے ایک درد بھرا خط اپنے قلم سے مکرم ظہیر احمد باجوہ صاحب کو تحریر فرمایا۔ اس خط سے خلیفۃ المسیح کی مکرم باجوہ صاحب سے محبت عیاں ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

پیارے ظہیر!

کئی دن سے تمہیں اور تمہاری امی کو خط لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا تمہارا خط پہلے آ گیا۔ عید کے دن امید ہے میرا اسلام اور عید مبارک پہنچ گئے ہیں۔

جب سے باجوہ صاحب قید ہوئے ہیں ان کی یاد سخت بے چین رکھتی ہے۔ بسا اوقات رات کو اُن کے بارہ میں سوچتا رہتا ہوں کہ اس وقت کیا حال ہوگا اور اپنے بستر کی نرمی سے کراہت آنے لگتی ہے۔ اگر میری مجبوریاں حائل نہ ہوتیں تو میں شوق سے ان کے ساتھ جگہ بدل لیتا۔ بہت بے چین ہوں اور بہت دعا کر رہا ہوں۔ اس وقت غالباً لاہور ہائی کورٹ میں ان کی ضمانت کی درخواست زیر غور ہوگی۔ اللہ اپنے فضل

سے جج کے دل میں انصاف ڈال دے اور اپنا خوف پیدا کر دے اور خدا کرے آج ہی میں ان کی رہائی کا مثر دہ سنوں۔

تمہاری امی کا بھی خیال رہتا ہے اور ان کے خیال سے بھی دل بہت بے قرار ہوتا ہے اسی طرح حکیم خورشید احمد صاحب اور دیگر اسیروں کی یاد بہت ستاتی ہے۔لیکن صبر کی تعلیم دوسروں کو دیتا ہوں میں خود کیسے اسے نظر انداز کر دوں۔اللہ اپنی راہ میں اسیر ہونے والوں اور ان کے پسماندگان کے حال پر رحم فرمائے اور میرے حال پر بھی رحم فرمائے۔ ہر احمدی کا غم میرے اپنے دل کا غم۔ ہر احمدی کی فکر میرے اپنے دل کی فکر ہے احمدیوں کی آنکھ سے پاکستان میں جو آنسو گرتے ہیں وہ میری ہی آنکھ سے گرتے ہیں۔ اللہ نے ان کا غم مجھے بخشا ہے تو میرا عزم بھی اُن کو عطا کرے اور دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر ایک غیر متزلزل ارادہ کے ساتھ وہ خدمت کی راہوں میں آگے قدم بڑھاتے رہیں۔

اپنی امی کو میرا بے حد محبت بھرا اسلام اور بھائیوں اور بہنوں اور دوسرے عزیزوں کو بھی خدا حافظ! میرے پیارے ظہیر۔خدا حافظ!

والسلام خاکسار

(دستخط اردو) مرزا طاہر احمد

خلیفۃ المسیح الرابع

احمدیت ترقی کرے گی اور دشمن تباہ ہوگا

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کا دل ان تکالیف اور صعوبتوں کو دیکھ کر بار بار پسیج رہا تھا جو جماعت احمدیہ کے ان بزرگوں پر نام نہاد مولویوں کی ایماء پر حکومت جیل میں ڈھا رہی تھی۔آپ نے تین بار اپنے خطبات میں ان کا تذکرہ کر کے احباب جماعت سے دُعا کی تحریک فرمائی۔آخری بار مورخہ 3 اگست 1984ء کے خطبہ جمعہ میں مکرم ظہور احمد باجوہ صاحب کی اسیری کے دوران

صعوبتوں اور مشکلات وتکالیف کے تذکرے کے بعد احمدیت کے فتح اور دشمن کے ناکام ہونے اور تباہ وبرباد ہونے کی پیشگوئی ان الفاظ میں فرمائی۔

''ہم میں سے بعض ایسے بھی ہوں گے جو بچارے فتح کی تمنا لئے ہوئے دنیا سے رخصت ہوجائیں گے مگر مرتے وقت ان کو راضی برضا رہنا چاہئے اور ان کی ان نیکیوں کے بدلے ان کی ان بھلائیوں کے صدقے ایسی نسلیں آنے والی ہیں جو فتح میں آنکھیں کھولیں گی اور وہ سوچ بھی نہیں سکیں گی کہ ہمارے ماں باپ نے کیسی کیسی دردناک قربانیاں دی تھیں اس فتح کے لئے۔ اس لئے یہ تو بہرحال ہوگا کہ جس شخص نے قرآن پر ہاتھ ڈالا ہے وہ لازماً ہاتھ کاٹا جائے گا۔ جس نے محمد مصطفی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فیض کو محدود کرنے کی کوشش کی ہے اس کے فیض کے چشمے سوکھیں گے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فیض کے چشمے کو کوئی سکھا ہی نہیں سکتا اس لئے لازماً ان کے مقدر میں حسرت ناک شکست ہے اس کے سوا کچھ نہیں یہ یقین آپ رکھیں کیونکہ اس کے لئے ساری تاریخ ہمیں بتا رہی ہے کہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے ایسا ہی ہوگا۔ ہاں چند آدمی بچارے جو پہلے وفات پا جائیں یا ان کے دکھوں کی تاب نہ لا کر جانیں دے دیں ان کا معاملہ ان کے خدا کے ساتھ ہے''

(خطبات طاہر جلد 3 ص 425)

دوران اسیری آپ کا کردار

آپ کو 4 بار مقدمات میں دو بار جیل جانا پڑا اور ایک دفعہ چند گھنٹے حوالات میں گزارنے پڑے۔ آپ نے یہ تمام مشقت اور تکلیف کو خوشی سے قبول فرمایا اور ذرا بھی دل میں ملال پیدا نہ ہوا اور نہ ہی چہرہ سے افسردگی کا تاثر دیا۔ بلکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کی اقتداء میں ان ہتھکڑیوں کو قبول فرمایا اور اسے سعادت سمجھتے تھے۔

مکرم ماسٹر منیر احمد صاحب سابق امیر ضلع جھنگ نے بتلایا کہ جھنگ میں پیشی کے دوران جب DSP نے یہ کہا کہ Now you are under arrest تو کوئی ملال نہ آیا بلکہ مسکراہٹ کے

ساتھ اس حکم کو قبول کیا۔ حالانکہ SHO دھوکہ کے ساتھ آپ کو گھر سے لے گئے تھے۔

دوران اسیری نماز کی بروقت ادائیگی۔ قرآن کریم کی تلاوت، مطالعہ کتب، تسبیحات و درود شریف کا ورد آپ کا روزمرہ کا معمول تھا۔ اپنے ساتھ قیدی بھائیوں کو دعوت الی اللہ بھی کرتے۔ آپ چونکہ طبعاً صفائی پسند تھے اس لئے جیل میں بھی صاف سُتھرے کپڑے پہنے رکھتے جس کا ساتھی قیدیوں پر اچھا اثر ہوتا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جیل میں اپنے کام خود کرتے کپڑے بالخصوص Under Garments روزانہ خود دھوتے۔

اسیری کے دوران جیل سے بیٹے کو خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیارے بابر! (ظہیر احمد باجوہ) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ اگلے دن ہو گئے تھے۔ جھنگ سے بھی ہو آئے تھے۔ پابندی آخر پابندی ہوتی ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کے فضل سے اب تک کوئی تکلیف نہیں۔ افواہوں پر کان نہیں دھرنا چاہئے۔ صبح۔ دوپہر۔ شام آدمی آتے ہیں۔

جو افواہیں وہاں ہیں وہ ہم یہاں بھی سن لیتے ہیں۔ مگر ایسی کوئی بات نہیں کھانا کسی تکلیف کی وجہ سے بند نہیں کیا تھا۔ بلکہ دوپہر اڑھائی تین بجے آتا تھا۔ سارا دن تو لیٹے لیٹے یا بیٹھے بیٹھے گزرتا ہے۔ اس لئے رات کو بھوک نہیں ہوتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے اس سے بھی غلط تاثر لیا گیا ہے اس کے آنے پر پھر منگوانا شروع کرا دیا ہے۔

اماں کو حوصلہ دیں بڑی بلند ہمت صابرہ شاکرہ ہیں۔ ایسا وقت زندگی میں کبھی آہی جاتا ہے میں نے کوئی چوری نہیں کی۔ اخلاقی جرم نہیں کیا۔ اگر کچھ بے آرامی ہے تو محض اور محض خدا کے لئے ہے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ آپ پر بہت فضل کرے گا۔ کبھی آپ کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ اماں سے کہیں بالکل نہ گھبرائیں۔ بلکہ ہمت اور حوصلہ اور صبر دکھائیں۔

والسلام۔ ڈیڈی

69دن اسیری

مکرم ظہیر احمد باجوہ صاحب ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ 1984ء کے مقدمہ میں جس میں آپ کے ساتھ مولوی خورشید صاحب اور عبدالعزیز بھامبڑی صاحب بھی تھے۔ مرکز کی طرف سے ان کی رہائی کے لئے بہت کوششیں ہو رہی تھیں۔ ہر دن کا سورج رہائی پانے کی توقع کے ساتھ نکلتا۔ مگر آپ نے اپنے ساتھیوں اور مرکز کو بتا دیا تھا کہ 69دن کے بعد رہائی ہو گی۔ کیونکہ آپ کو جیل کے دنوں میں ایک خواب میں 69 کا ہندسہ دکھلایا گیا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے یہ لوگ رہائی کے لئے جتنی چاہیں کوشش کریں ہماری رہائی 69دنوں کے بعد ہو گی چنانچہ ایسا ہی ہوا اور 69دن گزرنے کے بعد باعزت رہائی ہوئی۔

آپ نے خواب میں کار کے سپیڈ میٹر کو چلتے ہوئے دیکھا کہ وہ 69.3 پر جا کر رُک گیا ہے۔ جس سے آپ کو یہ تاثر ملا کہ رہائی 69 کے بعد ہو گی۔ چنانچہ سترھویں دن حکومت کی طرف سے یہ خط جاری ہوا کہ آپ بری الذمہ ہیں۔ 71ویں دن ہائیکوٹ میں وہ خط پیش کر کے بیل کروائی گئی اور مچلکے تیار ہونے پر بہتر ویں دن آپ کی رہائی ہوئی۔ آپ نے اس دفعہ عید الفطر جیل میں منائی۔

باب نمبر 13

تبرکات ونوادرات

- خلیفۃ المسیح کے خطوط
- آٹوگرافس
- اپنے خدام کے نام خط
- خطوط
- منظوم کلام

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے خطوط

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے مکرم باجوہ صاحب سے آپ کے دو بھائیوں کی وفات پر خطوط کے ذریعہ تعزیت فرمائی اور مرحومین کو خراج تحسین پیش فرمایا۔ ان خطوط سے آپ کے خاندان کا بلند مقام اُجاگر ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

لندن 28-03-1990

پیارے مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے دونوں خط اور اخباری تراشہ موصول ہو گئے ہیں۔ آپ کے بھائی مکرم چوہدری نذیر احمد صاحب کی وفات کا پڑھ کر دلی افسوس ہوا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میں انہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ ان کے اندر بڑی گہری شرافت پائی جاتی تھی۔ آپ کو علم ہے کہ میرا تو ان سے ذاتی تعلق رہا ہے۔ بہت صدمہ ہوا۔ ان کی صحت اور لمبی زندگی کے لئے دعا کرتا رہا ہوں مگر جو خدا کو منظور ہو، ہم تو اسی پر راضی ہیں۔ اس بات کی خوشی ہے کہ انہیں بہشتی مقبرہ میں ماں کے قدموں میں جگہ ملی جو کہ اَلْجَنَّۃُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّھَات کے بموجب ان کی جنتی زندگی کی نشاندہی کرتی ہے۔ ویسے تو بہشتی مقبرہ میں تدفین ہی سب کے لئے جنت کی بشارت ہے۔ مگر ان کے لئے تو خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بشارت، دونوں کو جمع کر دیا ہے۔ میری طرف سے تمام پسماندگان تک دلی ہمدردی اور تعزیت ودعا کا پیغام پہنچا دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ اللہ آپ کے ساتھ ہو۔

والسلام خاکسار

(دستخط اردو) مرزا طاہر احمد

خلیفۃ المسیح الرابع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

13-02-1990لندن

پیارے مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے بھائی مکرم چوہدری نذیر احمد صاحب باجوہ کی وفات کا بہت افسوس ہوا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل کی توفیق دے میں ان کو ذاتی طور پر جانتا تھا۔ ماشاء اللہ نہایت اعلیٰ درجہ کے صاف اخلاق اور مخلص انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں اور ان کے اخلاق کو ہمیشہ ان کی اولاد میں جاری وساری رکھے ان کی بیٹیوں کو خاص طور پر میری طرف سے تعزیت اور تسلی کا پیغام فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہو۔

والسلام خاکسار

(دستخط اردو) مرزا طاہر احمد

خلیفۃ المسیح الرابع

۞۔۞۔۞

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

06-05-1996لندن

پیارے مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے بھائی مکرم چوہدری بشیر اصغر باجوہ صاحب کی وفات کا بہت افسوس ہے انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ مرحوم مخلص خاندان کے مخلص دیندار فرد تھے۔ ان کی بیٹیوں نے یہاں

میری خوب مدد کی ہے اور دین کا بہت کام کرتی ہیں۔ ان کی غیر معمولی صلاحتیں احمدیت کے لئے وقف ہیں۔ان کی وجہ سے بھی مجھے مرحوم کے لئے دعا کی تحریک ہوتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے اور آپ کو صبر جمیل کی توفیق دے۔میری طرف سے دلی تعزیت اور تسلی کا پیغام ہے۔ مجھے آپ کی صحت کی بھی فکر رہتی ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ وعاجلہ عطا فرمائے۔گھر میں بہت بہت سلام اور دیگر عزیزوں کو بھی سلام اور دعا۔

والسلام خاکسار

(دستخط اردو) مرزا طاہر احمد

خلیفۃ المسیح الرابع

❁-❁-❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

لندن 10-07-1996

پیارے مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط ملا۔اللہ تعالیٰ آپ کی زندگی کو بہت بابرکت فرمائے۔امریکہ میں آپ کے دونوں بچے ملتے رہے ہیں۔ بڑی بہو تو آئے دن کوئی نہ کوئی کھانا پکا کر لاتی رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی رکھے۔گھر میں محبت بھرا سلام

والسلام خاکسار

(دستخط اردو) مرزا طاہر احمد

خلیفۃ المسیح الرابع

❁-❁-❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

پیارے مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا پُرخلوص آبدیدہ دعاؤں پر مشتمل خط ملا۔عزیزہ طوبیٰ کی رخصتی کی دعا پر آپ نے بہت عمدہ تبصرہ کیا ہے۔ بلاشبہ کوئی جگہ باقی نہیں رہی تھی جس جگہ MTA نہیں جا سکتا تھا۔ وہاں انٹرنیٹ کے ذریعہ ہم پہنچ گئے الحمد للہ۔ ماشاء اللہ چشم بددور۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت وتائید پر ہم جتنا بھی شکر کریں کم ہے۔گھر میں سب کو میری طرف سے محبت بھرا اسلام۔خدا حافظ وناصر ہو۔

والسلام خاکسار

(دستخط اردو) مرزا طاہر احمد

خلیفۃ المسیح الرابع

❁-❁-❁

محترمہ اہلیہ صاحبہ مکرم باجوہ صاحب کو خطوط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

لندن 27-09-1998

پیاری مکرمہ بیگم صاحبہ چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا پُرخلوص دعاؤں بھرا خط ملا۔ بہت خوشی ہوئی آپ کی بات ٹھیک ہے۔خدا تعالیٰ کے فضل سے MTA کے ذریعہ تمام جلسوں کا منظر ایک عجیب روحانی کیفیت میں لے جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام اقوام کو امت واحدہ بنائے اور حضرت مسیح موعود

علیہ السلام کی شان بلند ہو اور خدا کی توحید اور اسلام کا جھنڈا بلند ہو۔ میری طرف سے محترم چوہدری صاحب کو بہت بہت محبت بھرا اسلام اور طبیعت کا پوچھیں۔ ان کی صحت و سلامتی اور بچوں کے اقبال کی بلندی کے لئے دعا گو ہوں۔

خدا تعالیٰ حامی و ناصر ہو۔

والسلام خاکسار

(دستخط اردو) مرزا طاہر احمد

خلیفۃ المسیح الرابع

❁-❁-❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

پیاری مکرمہ بیگم صاحبہ چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط ملا۔ عزیزم مرزا مسرور اور آپ کے بیٹے نے بھی چوہدری صاحب کی صحت کے متعلق اطلاع دی تھی میں ان کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھے ہوئے ہوں۔ آپ ماشاء اللہ بڑی ہمت سے ان کی دیکھ بھال کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے اور چوہدری صاحب کو شفائے کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے۔ میری طرف سے ان کو بہت بہت محبت بھرا اسلام۔ خدا حامی و ناصر ہو۔

والسلام خاکسار

(دستخط اردو) مرزا طاہر احمد

خلیفۃ المسیح الرابع

❁-❁-❁

آٹوگرافس

مکرم ظہور احمد باجوہ صاحب کو بزرگوں اور مہمانوں سے آٹوگرافس لینے کی بھی اچھی عادت تھی۔آپ نے اپنی آٹو بک پر خلفاء کے علاوہ کئی ایک چیدہ چیدہ شخصیات کے آٹوگرافس حاصل کئے۔آپ کی یہ اچھی عادت ہی کرنل ڈگلس سے ایک تحریر لینے میں کامیاب ہوئی جو آج تاریخ احمدیت کا ایک سنہری ورق ہے۔جس میں انہوں نے نہایت اختصار کے ساتھ مقدمہ اقدام قتل کی روئیداد لکھ دی۔کرنل ڈگلس سے جماعت کے بڑے بڑے احمدیوں نے ملاقاتیں کیں مگر یہ سعادت صرف اور صرف مکرم ظہور احمد باجوہ صاحب کے حصہ میں آئی۔

چند ایک آٹوگرافس یہاں دیئے جا رہے ہیں۔

- حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا آٹوگراف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالناصر

کتنے بدقسمت ہیں وہ لوگ جن کے مکان سونے کی کانوں پر بنے ہوئے تھے۔لیکن اُن سونے کی کانوں سے فائدہ غیر ملکی لوگوں نے اٹھایا۔مگر اُن سے بھی زیادہ بدقسمت ہیں وہ لوگ جو تعلق باللہ کی سُرنگ پر حیران بیٹھے ہیں۔غیر قومیں آئیں گی اور اس سرنگ کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ تک پہنچیں گی بعض انسان کتنا بدقسمت ہوتا ہے۔

(دستخط اردو)

مرزا محمود احمد 04-07-1950

❁-❁-❁

- **حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کا آٹو گراف**

اَلْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ۔ کُلُّ بَرَکَۃٍ مِنْ مَحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتَبَارَکَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ۔

(دستخط اردو)

مرزا ناصر احمد 07-07-1967

۔۔

- **حضرت مرزا بشیر احمدؓ صاحب کا آٹو گراف**

فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاھِدِیْنَ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ دَرَجَۃً۔ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا

خاکسار (دستخط اردو) مرزا بشیر احمد یکم جولائی 1950ء

۔۔

- **حضرت مرزا وسیم احمد صاحب کا آٹو گراف**

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا کُفْرَانَ لِسَعْیِہٖ وَاِنَّا لَہٗ کَاتِبُوْنَ

(دستخط اردو) مرزا وسیم احمد 04-07-1948

۔۔

- **حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کا آٹو گراف**

عاشق جور یار شو عاشق مہر یار نہ

ظفر اللہ خان (دستخط اردو)

23-10-1946

۔۔

● کرنل ڈگلس کا آٹو گراف

Mr. M W Douglas' Statement

The case against Mirza Ghulam Ahmad depended on the witness of the youth alleged to have been sent to Amritsar from Kadian (Qadian). His statement broke down under cross examination. Asked, where he first went on reaching Amritsar: he replied, to the American mission, the principal of which, Dr. Gray refused to accept him. He then went to the C.M.S. mission which admitted him. His object was clearly to obtain a livelihood. He subsequently withdrew his statements with effect that he intended to attack the Rev. Martin Clark which he said had been invented by the subordinates of the mission. After his discharge, the Mirza rose from his seat and generously admitted that he did not consider Mr. Martin Clark to be in any way responsible for the false charges, which had been made against him.

27 Sept. 1946 M.W.Douglas

● چین کے سفیر کا آٹو گراف

چین کے سفیر ربوہ آئے۔مکرم باجوہ صاحب بطورProtocol officerاستقبال والوداع میں ساتھ تھے۔فیصل آباد تک الوداع کرتے وقت آٹو گراف۔

Long live the friendship between the people of

china and pakistan!

chang tung

april 17,1972

ایک نرالی ادا۔اپنے خدا کے نام خط اور مناجات

لندن قیام کے دوران مبلغین کا آپس میں کسی بات پر اختلاف ہوگیا۔آپ نے اپنی بریت کے لئے جہاں خدا تعالیٰ کے حضور دعائیں کیں وہاں اپنے دلی جذبات کا اظہار اللہ تعالیٰ کے نام اپنے ایک خط میں کیا اور مناجات کر کے اپنی بریت چاہی۔یہ اپنے خالق حقیقی کو منانے کی الگ نرالی ادا تھی۔اللہ تعالیٰ کے نام اپنے خط میں آپ لکھتے ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اے میرے مولا! جو دلوں کے بھید جانتا ہے۔اگر میرے دل کے کسی گوشے میں ایسے شخص کے خلاف جس کو پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح نے امیر بنایا ہے۔بغاوت کا ذرا بھی مادہ موجود ہے۔تو میرے خدا! میرے دل کو اس سے پاک کر دے۔

اے خدا! تو جانتا ہے کہ میں نے کبھی امیر بننے کی خواہش نہیں کی۔پھر میری طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے۔اور آج یہ پہلی مرتبہ نہیں ہوا بلکہ میرے کان آج تیسری مرتبہ یہ الفاظ سن رہے ہیں۔

میرے علیم وخبیر خدا! کیا میں نے قادیان دارالامان چھوڑنے سے قبل یہ عہد نہ کیا تھا کہ میں ہر حالت میں امیر کی اطاعت کروں گا۔اور کہ جتنا عرصہ ہم اکھٹے رہیں گے۔میں اپنے قول یا فعل سے امیر کو شکایت کا موقع نہ دوں گا۔میرے مالک میں نے اپنی استطاعت کے مطابق کوشش کی اور میں نے اپنے عہد کو ہمیشہ ہی اپنی آنکھوں کے سامنے رکھا اور اپنے ظرف کے مطابق ایمانداری اور دیانتداری کے ساتھ اطاعت کی اور آئندہ بھی کرتا رہوں گا۔مگر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ میرے گناہوں کی سزا ابھی باقی ہے۔مولا کریم! میرے گناہوں کا محاسبہ نہ کر بلکہ بخشش کی چادر سے ڈھانپ دے۔

زندگی وقف کرنے کے بعد اگر میرے دل کے کسی گوشے میں تکبر باقی ہے۔تو اسے نکال دے۔ میں سمجھتا تھا اور اب بھی سمجھتا ہوں۔ کہ وقف کے عہد کو نبھانے کے لئے اطاعت اور ہر حالت میں اطاعت ضروری ہے۔تکبر اور اطاعت دو متضاد چیزیں ہیں۔ میرے خدا مجھے اتنی اطاعت کی توفیق دے۔ کہ میں وقف کے عہد کو پورا کر کے تیری رضا حاصل کرسکوں۔ ورنہ دوسری صورت میں دنیا اور آخرت کی روسیاہی ہے۔جس کے تصور سے بھی میں ڈرتا ہوں۔ میں کمزور ہوں اپنے رحم اور فضل سے مجھے بچا۔

میرے سب واقف بھائی اپنے علم اور تقویٰ اور اپنی تربیت کے لحاظ سے مجھ سے کوسوں دور آ گے ہیں میں ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم اور تقویٰ میں ترقی دے۔ میں کمزور اور گنہگار تیرے در پہ رحمت کا امیدوار ہوں۔تو اپنے سوالی کو رد نہ کر۔ مجھے اپنے احسان سے نواز۔ تیرے خزانوں میں کمی نہ ہو جائے گی مجھے ذلت اور رسوائی سے بچا۔

مجھے میرے نفس کے دھوکے سے بچا۔ میرے پاؤں ہر لغزش سے محفوظ رکھ۔اور اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق دے۔آمین

بند پانی سے بھی بو آنی شروع ہو جاتی ہے۔اگر اختلافات جو محض غلط فہمی کی وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں۔اگر ان کا اظہار ساتھ کے ساتھ ہوتا رہے تو زیادہ شکر رنجی پیدا نہیں ہوتی مجھیا میر کے غصہ کا اس قدر افسوس اور صدمہ نہیں جتنا امارت کی خواہش کو میری طرف منسوب کرنے کا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ خواہش کرنا تو ایک طرف رہا میں نے کبھی اپنے آپ کو اس قابل بھی خیال نہیں کیا مجھے نا کردہ گناہ کی سزا سے بچا۔ اے عیوب پوش و رہنما میرے عیوب ڈھانک اور میری رہنمائی کر۔

ظہور احمد 18-09-47

۞-۞-۞

- **مالی قربانی کے لئے آقا کو ایک خط**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

بحضور سیدی ومولائی (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ)

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہٗ

میں نے تحریک جدید کے سال چہارم میں مبلغ 10 روپیہ اور سال پنجم میں 5 روپیہ جماعت احمدیہ لائل پور میں چندہ دیا اس کے بعد کچھ نہ دے سکا۔ مگر یہ دعا ہمیشہ رہی کہ اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو سال اول سے شروع کر کے ہر سال اضافہ کے ساتھ اپنا دس سالہ چندہ پیش کر کے اس جہاد میں نہ صرف خود شامل ہوں بلکہ والدہ صاحبہ مرحومہ کی طرف سے اسی شرح کے ساتھ چندہ ادا کر کے ان کو بھی اس جہاد میں شامل کرلوں۔

1940ء میں دادی صاحبہ (اہلیہ چوہدری علی بخش صاحب چک 33 جنوبی۔ ضلع سرگودھا) فوت ہو کر بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئیں۔ چونکہ والدہ مرحومہ کی وفات کے بعد آٹھ سال تک ان کی تسلی اور تشفی ہمارے زخمی دلوں پر مرہم کا کام دیتی رہی اس لئے میرے دل میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ ان کو بھی اس جہاد میں شامل کرنا چاہئے تا کہ بہشتی مقبرہ میں مدفون ہونے کی سعادت کے ساتھ اس جہاد میں شامل ہونے کی سعادت بھی ان کو حاصل ہو جائے مگر ساتھ ساتھ میری یہ خواہش بھی تھی کہ اگر اپنا بقایا ادا کرنے کے لئے مجھے اقساط کی اجازت لینی پڑی تو لے لوں گا۔ مگر والدہ مرحومہ اور دادی صاحبہ مرحومہ کے لئے ایسی اجازت نہیں لوں گا۔ بلکہ وعدہ پیش کر کے ساتھ ہی رقم بھی پیش کردوں۔

پیارے آقا! الحمدللہ۔ آج میں حسب ذیل وعدہ ان کی طرف سے آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے قابل ہوں۔

	سال اول	دوم	سوم	چہارم	پنجم	ششم	ہفتم	ہشتم	نہم	دہم	میزان
والدہ صاحبہ مرحومہ	7/-	8/-	9/-	10/-	11/-	12/-	13/-	14/-	15/-	16/-	115/-
دادی صاحبہ مرحومہ	7/-	8/-	9/-	10/-	11/-	12/-	13/-	14/-	15/-	16/-	115/-

میرے آقا! اس وعدہ کے ساتھ میں 230 روپے کی حقیر رقم پیش کرتا ہوں۔ امید ہے حضور قبول فرما کر ذرہ نوازی فرمائیں گے۔ اور ملتجی ہوں کہ دعا فرمائیں کہ غفور الرحیم خدا ان دونوں وجودوں کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

میں اپنی طرف سے بھی اسی شرح کے ساتھ دس سالوں کا وعدہ پیش کرتا ہوں۔ قبول فرمائیں۔ اس میں سے۔ 15 روپیہ لائل پور میں ادا کر دیا تھا۔ اور سال نہم کا وعدہ 15 روپیہ میں نے جماعت احمدیہ دہلی میں فروری میں ادا کر دیا تھا۔ باقی 85 روپیہ انشاء اللہ العزیز جلد ادا کرنے کی کوشش کروں گا۔ حضور دعا فرمائیں کہ مولا کریم مجھے یہ بقایا جلد ادا کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین

والسلام

خاکسار محتاج دعا۔ حضور کا ادنیٰ خادم

ظہور احمد

❁۔❁۔❁

- ## بیگم صاحبہ کے نام خط میں والدہ کی یاد کا ذکر

والدہ کی وفات ہوئے 16 سال بیت گئے مگر والدہ کی یاد محترم باجوہ صاحب کو ستاتی رہی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

میری شاد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج کا ہی دن تھا مگر آج سے پورے سولہ سال قبل کہ ہماری پیاری امی ہم سے

جدا ہوئی تھی۔12 دسمبر 1932ء بروز اتوار اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

سولہ سال کا عرصہ انسانی زندگی میں ایک لمبا عرصہ ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ بُعد زمانہ گہرے سے گہرے زخم کو بھی مندمل کر دیتا ہے۔ مگر میرے دل کا زخم تو اب بھی ویسا ہی ہرا بھرا ہے جیسا کہ آج سے سولہ سال قبل تھا۔ اور مجھے اب بھی یہ حادثہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کل کی بات ہی تو ہے۔ میری زندگی میں یہ ایسا خلا ہے کہ سب کچھ خدا کے فضل سے میسر ہوتے ہوئے بھی زندگی میں ایک کمی سی محسوس ہوتی ہے۔ خوشی خوشی نہیں۔ بلکہ زخم پر نمک پاشی کا کام کرتی ہے۔ انسانی فطرت ہے کہ زندگی کے ہر مرحلہ پر ایک گونا خوشی محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً تعلیم کے زمانہ میں یہ کہ پاس ہوں گے تو اماں کو خوشی ہوگی۔ شادی ہوگی اماں کو خوشی ہوگی۔ مدت کے بعد گھر جائیں گے اماں کو خوشی ہوگی۔ اماں راہ تک رہی ہوگی۔ میری زندگی میں یہ سب ہی دور باری باری آئے مگر اماں کا چہرہ نظر نہ آیا اور اس محبت بھرے پیار سے میں ہمیشہ ہی محروم رہا۔ خدا کی حکمتوں کو میں کیا اور کیونکر جان سکتا ہوں۔

مجھے یاد ہے کہ گرمی کی تعطیلات کے بعد ہم دونوں بھائی قادیان کے لئے روانہ ہوئے تو امی نے پانی بھری آنکھوں سے الوداع کہا۔ ان کی صحت کچھ ان دنوں میں زیادہ ہی خراب رہتی تھی۔ چھت پر چڑھ کر دیر تک راہ دیکھی۔ اس وقت دل میں یہ خیال بھی نہ آ سکتا تھا کہ یہاں اور بچوں کا آخری ملنا تھا۔ پھر وہ بیمار ہو کر لاہور آ گئیں تو آپریشن کے بعد کچھ افاقہ محسوس کیا تو ابا جی کو کہا کہ سردی شروع ہوگئی ہے قادیان جا کر گرم کوٹ سلوا دیں۔ ابا جی نے لاہور سے کپڑا خرید کر پسند کرایا اور قادیان آئے۔ کپڑے درزی کو دے کر واپس لاہور چلے گئے۔ شاید وہ جمعہ کا دن تھا۔ واپسی پر امی کی حالت خراب ہوگئی اور اتوار کے دن ہم سے ہمیشہ کے لئے منہ موڑ کر خالق حقیقی سے دل لگالیا۔ آخر اس کا ہم سے زیادہ حق تھا۔ ہم کو اس کی رضا

میں راضی ہر حالت میں ہونا ہے۔مگر ہم کمزور انسان ہیں اور بشری کمزوریوں کے ہاتھوں مجبور۔امی اگر آج زندہ ہوتیں تو یہ سن کر کہ ان کا بچہ تین سال کی غریب الوطنی کے بعد گھر واپس آ رہا ہے کتنی خوش ہوتیں۔دوسروں کو اپنی خوشی میں شریک کرتیں۔یقینا جیسے آج سے سولہ سال پہلے گھر سے جاتے ہوئے دور تک دیکھا کیا تھا۔اب دور سے واپس آتے ہوئے دیکھتیں۔مگر ہمارے مولا کو اس طرح منظور نہ تھا۔خدا تعالیٰ کسی کو ایسی معصوم عمر میں ماں کی جدائی کا صدمہ نہ دکھائے۔

خدا تعالیٰ آپ کو لمبی زندگی دے اور منیر کی خوشیاں دیکھنا نصیب کرے۔آمین

والسلام آپ کا ظہور احمد

12-12-48

❁-❁-❁

منظوم کلام

آپ کے کاغذات میں سے ایک منظوم کلام بھی ملا ہے۔جو آپ نے اپنے ہاتھ سے تحریر کیا۔اس سے آپ کے دلی جذبات کا علم ہوتا ہے۔

کیوں دل پریشان رہنے لگا
نہیں آتا جی کو چین ذرا
میرے سر میں جانے بھرا کیا ہے
میرے دل کو جانے ہوا کیا ہے
ہے دل میں تو عشق اور سر میں جنوں
میں بے کل جس سے رہتا ہوں
یہ قصّہ پر میں کس سے کہوں؟
کوئی سنتا میری بھلا کیا ہے

اک خواہش میں سب عمر کٹی
پر حسرت دل کی دل میں رہی
کوئی آکر پوچھے مجھ سے کبھی
تیرے درد نہاں کی دوا کیا ہے
ہم رنج میں یا غم سے مریں
یا عشق میں تیرے آہیں بھریں
تجھے کیا پرواہ تیری جانے بلا
کیا عشق ہے اور وفا کیا ہے
تو ماہر طرز جور و جفا
ہم محرم راز مہر و وفا
کوئی ہم سے سیکھے وفا ہے کیا
اور تجھ سے سیکھے جفا کیا ہے
تو جانے دے مت اور ستا
میرے روٹھنے والے مان ہی جا
میں دُکھیا ہوں لے میری دعا
یا یہ تو بتا کہ خطا کیا ہے
اب جانے دے مت حد سے گزر
یہ ظلم یہ جور و جفا کم کر
مظلوم کے تیر دعا سے ڈر
اور سوچ کہ راہِ رسا کیا ہے

نہیں ہوتی بتوں میں ذرا بھی وفا

نہیں جانتے جوروجفا کے سوا

(مصرعہ پڑھا نہیں جا رہا)

اس عشق بتاں میں دھرا کیا ہے؟

❁-❁-❁

باب نمبر 14

کہانی اپنی زبانی

- انٹرویو
- چند منتشر یادیں

انٹرویو

MTA نے کچھ عرصہ قبل جماعت احمدیہ کے بزرگان سے انٹرویو لینے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ محترم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب کا بھی اس سلسلہ میں ایک انٹرویو ریکارڈ ہوا۔ یہ انٹرویو مکرم یوسف سہیل صاحب مرحوم نائب ایڈیٹر روزنامہ الفضل نے لیا۔ اس انٹرویو میں مکرم باجوہ صاحب نے اپنی زندگی کے حالات اختصار کے ساتھ بیان فرمائے۔ اس کا کچھ حصہ یہاں دیا جارہا ہے۔

انٹرویو سے قبل مکرم یوسف سہیل صاحب نے آپ کا یوں تعارف کروایا۔

جماعت احمدیہ کے بزرگان کے چوتھے انٹرویو کے لئے آج ہم آپ کی خدمت میں محترم چوہدری ظہور باجوہ صاحب سے آپ کی ملاقات کروارہے ہیں۔ 1934ء میں جماعت احمدیہ کے خلاف کانگرس کی پروردہ جماعت مجلس احرار نے ایک منظم تحریک شروع کی ان کے خیال میں اس کا مقصد جماعت احمدیہ کو صفحہ ہستی سے مٹا دینا تھا۔

لیکن خدا کی تقدیر نے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ وہ احمدیت کی تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دے گا۔ چنانچہ اس وقت جماعت کے امام حضرت مصلح موعودؓ نے جماعت احمدیہ کو تحریک جدید کے نام سے جانی، مالی، قلمی اور جذبات کی قربانی کے لئے ایک منصوبہ پیش کیا اس تحریک میں مخلصین جماعت نے دیوانہ وار لبیک کہی اور بہت سے نوجوانوں نے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے اپنی زندگیاں خدمت دین کے لیے پیش کیں۔ یہ تحریک جاری رہی نوجوان اپنی زندگیاں پیش کرتے رہے جنوری 1946 میں لندن کے اخبارات نے ایک چونکا دینے والی خبر شائع کی اس خبر کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔ ایک اخبار نے لکھا:

انگلستان میں پٹنی کی بیت الذکر کو ہندوستان کی جماعت احمدیہ کا مرکزی دعوت وتبلیغ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جنگ کی وجہ سے یورپ میں جماعت احمدیہ کی تبلیغ کا سلسلہ رکا ہوا تھا مگر اب اسے پھر شروع کر دیا گیا ہے۔ ملک عطاء الرحمٰن صاحب کی زیر قیادت نو (9) مبلغین کا ایک دستہ قادیان سے یہاں پہنچ گیا ہے جنہیں برطانیہ، فرانس، ہسپانیہ، جرمنی اور اٹلی بھیجا جائے گا۔

خوش نصیب اہل قافلہ میں سے ایک معزز دوست محترم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ ہیں ان کی تقرری حضرت المصلح الموعودؓ نے انگلستان میں بطور مبلغ فرمائی تھی۔ محترم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ آج ہمارے درمیان موجود ہیں آپ سے ہم ان کی زندگی کے بارے میں کچھ باتیں پوچھتے ہیں۔

سوال۔ محترم چوہدری صاحب سب سے پہلے آپ یہ فرمائیے کہ آپ کے خاندان میں احمدیت کب آئی اور آپ کے خاندانی حالات کیا تھے؟

جواب۔ میری پیدائش 1919ء کی ہے جب میں نے ہوش سنبھالا تو میں اپنے والد صاحب کو گھر میں نماز ادا کرتے ہوئے دیکھتا تھا۔ باہر ہماری بیٹھک تھی ڈیرہ تھا وہاں ہمارے دادا چوہدری علی بخش صاحب رہا کرتے تھے۔ باپ بیٹا بہت کم نماز اکھٹے پڑھتے تھے۔ دادا اپنی نماز پڑھتے تھے یا مسجد چلے جاتے تھے ہمارے والد صاحب گھر میں نماز پڑھتے تھے اس وقت میں اتنا چھوٹا تھا کہ یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ بعد میں پتہ چلا کہ والد صاحب اس وقت بیعت کر چکے تھے اور ہمارے دادا صاحب نے نہیں کی تھی اس وقت احمدیت کا نفوذ ایسے تھا کہ بعض زمینداروں میں سے گھرانے ایسے تھے جو احمدی تھے۔ ان کا دوسرے لوگوں پر اثر تھا اس لئے جماعت کا سرگودھا پر اثر تھا۔

سوال۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کہاں سے حاصل کی؟

جواب۔ پرائمری گاؤں میں کی۔ گاؤں کا نام چک 33 جنوبی سرگودھا ہے مڈل سکول چک 34 جنوبی میں تھا وہاں سے مڈل کیا۔ نہم جماعت میں قادیان چلا گیا لیکن دسمبر میں ہماری والدہ فوت ہوگئیں ہمارے دادا جان نے ہم دونوں بھائیوں کو بلالیا اور لالیاں ہائی سکول میں داخل کروایا جہاں سے میں نے میٹرک کیا پھر بہاولپور جا کر داخل ہو گیا ایف اے میں نے وہاں سے کیا وہاں ہماری زمین تھی میں اس لئے وہاں چلے گئے بی اے میں نے گورنمنٹ کالج فیصل آباد سے کیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد جو ہمارے دیہات میں رواج تھا سب چوہدری صاحبان ڈپٹی کو جا کر ملتے تھے کہ میرے بیٹے نے یا بیٹی نے یہ ڈگری حاصل کی ہے خدمت کا موقع دیں۔

میرے ایک دوست تھے نئی دہلی میں اس وقت جنگ شروع ہو چکی تھی انہوں نے مجھے خط لکھا کہ یہاں آ جاؤ میں وہاں چلا گیا ان کے پاس ہی رہا۔ وہاں ڈیفنس ڈیپارٹمنٹ نے ایک سکول جاری کیا ہوا تھا جس میں 3، 4 ہفتے ٹریننگ ہوتی تھی۔ میں نے اس میں ٹریننگ لی۔ اس کے بعد میں تقریباً تین سال وہاں رہا۔

- **سوال**۔ باجوہ صاحب! آپ 1945ء میں وقف کر کے قادیان آ گئے تھے۔ وقف کی تحریک آپ کو کس طرح ہوئی اس بارے میں تفصیلات سے ہمیں آگاہ فرمائیں۔

جواب۔ اس کا جواب دینے سے پہلے میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ جب میں ملازمت کی تلاش میں تھا۔ تو مجھے یہ خیال آیا عام طور پر کلرک کی ڈی سی آفر کیا کرتے تھے مجھے خیال آیا کہ جس بھی کورس میں سروس کرنی ہے تو سیالکوٹ سے شروع کروں گا کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وہاں سے اپنی مہم کا آغاز کیا تھا میں نے اپنی اس خواہش کا اظہار اس وقت کے امیر صاحب سیالکوٹ سے کیا۔ انہوں نے کہا۔ بیٹا! کل امتحان ہو رہا ہے اور اس میں داخل ہو جاؤ میں امتحان میں بیٹھ گیا اور اگلے دن مجھے Appointment Letter مل گیا۔

حضرت صاحب کے خطبے ہوتے رہتے تھے اکثر وقف کے بارہ میں۔ ہم تو سات، آٹھ احمدی لڑکے اکٹھے رہتے تھے وہاں ہماری مجالس میں وقف کرنے کا ذکر ہوتا رہتا تھا۔ میں دعا بھی کرتا تھا ایک دن خواب میں میں نے اپنے دادا جان کو خط لکھا کہ حضور تحریک فرما رہے ہیں کہ نوجوان وقف کریں اس کی تعبیر میں یہ سمجھتا ہوں کہ مجھے وقف کرنا چاہئے لیکن ایک بات جو مجھے خواب میں ہی محسوس ہوتی ہے وہ یہ کہ یہاں اتنی جو مجھے تنخواہ ملتی ہے جب میں چھٹیوں پر گھر جاتا ہوں تو آپ سے کرایہ لے کر واپس آتا ہوں حضرت صاحب تو فرماتے ہیں کہ 15 روپے تنخواہ ہو گی اور مانگنا بھی کچھ نہیں ہے تو وہاں گزارا کیسے ہوگا۔ خواب میں ہی میں نے دیکھا کہ میرے دادا نے مجھے لکھا کہ تمہارا ارادہ اچھا ہے تم فوراً وقف کرو۔ احمدیت میں بہت خلفاء ہوں گے لیکن اس شان کا کوئی نہ ہوگا۔ اور تم خرچ کا کوئی فکر مت کرو خدا تعالیٰ تمہارے لئے تمام راہ کھول دے گا۔ میں نے ان کی تحریک پر وقف کے لئے خط لکھ دیا واپس دہلی چلا گیا مجھے سن 1944ء کے آخر میں دفتر کی طرف

سے خط ملا کہ آپ کو حضرت صاحب نے انٹرویو کے لئے بلایا ہے۔ وہ کوئی تاریخ ایسی تھی جو میں جا نہیں سکتا تھا۔ تو دوبارہ خط گیا کہ آپ جلسے کے بعد کسی تاریخ کو آ کر مل لیں میں قادیان جلسے پر گیا وہاں دو تین دن بعد دفتر میں جا کر کہا کہ مجھے حضرت صاحب سے ملنا ہے۔ انور صاحب انچارج ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے میرے تفصیلی حالات لکھے۔ نام، ولدیت، کنیت وغیرہ وغیرہ

اور آخر میں مجھے کہا کہ اگر آپ تبلیغ نہ کر سکے تو کیا کام کر سکیں گے؟ میں نے کہا مجھے تو پتہ نہیں میں کیا کر سکتا ہوں لیکن میں پڑھا لکھا انسان ہوں آپ کوئی کام میرے سپرد کر کے دیکھ لیں اگر وہ کام آپ کی مرضی کے مطابق نہ ہوا تو کوئی اور کام دے دیں اس طرح سے کہیں نہ کہیں Fit کر لیں۔

مکرم انور صاحب یہ لکھ کر مجھے حضرت صاحب کے پاس لے گئے۔ حضرت صاحب کے پاس میں کوئی دس منٹ رہا لیکن حضرت صاحب نے وقف کے متعلق کوئی بات نہیں کی انہوں نے یہ نہیں کہا کہ یہ میں کام دینا چاہتا ہوں۔ ہاں دہلی میں کوئی اختلاف تھا جس کی رپورٹیں حضرت صاحب کے پاس آیا کرتی تھیں تو حضرت صاحب نے وہ واقعہ مجھ سے پوچھا کیسے ہوا۔ میں نے کہا میں تو بہت تھوڑے عرصہ سے دہلی میں ہوں زیادہ واقفیت نہیں رکھتا۔ لیکن کوئی ایسی بات نہیں جس کو قابل موضوع بنایا جائے حضرت صاحب نے اس کے علاوہ مجھ سے کچھ نہ پوچھا اور وقف کی کوئی بات نہیں کی اور کہا اچھا آپ جائیں۔

1945ء میں 10 یا 11 مارچ کو مجھے خط ملا کہ آپ کو تبلیغ اسلام کے لئے منتخب کیا گیا ہے آپ فارغ ہو کر آ جائیں جب یہ خط ملا اسی وقت میں نے استعفیٰ دے دیا۔ ہاں ایک بات بھول گیا جب میں نے والد صاحب کو لکھا تھا نا کہ میں اس طرح دہلی میں سروس کرنا چاہتا ہوں اور یہ کام میرے سپرد ہو گا تو میرے والد صاحب نے کہا کہ تمہارے لئے تمہاری والدہ صاحبہ کا ایک پیغام ہے وہ ایک دن خواب میں آئی تھیں اور انہوں نے کہا تھا کہ اس کو کہہ دو کہ اگر ملازمت کرے اور اس کی تنخواہ کبھی سو روپے سے زیادہ ہو تو وہ دو تہائی میں گزارہ کرے تو میں نے اس پر عمل شروع کر دیا 120 روپے ملتے تھے 40 روپے دے دیئے جماعت کو۔ 80 روپے میں گزارہ کیا اگلے سال 10 اور بڑھ گئے اس طرح ہوتا رہا تو جب حضرت صاحب نے مجھے وقف کے لئے منظور فرمایا

تو یہ چٹھی گئی کہ آپ کو تبلیغ انگلستان کے لئے وقف کیا ہے میں نے استعفیٰ دیا جو کرنل میرا افسر تھا اس نے مجھے کہا استعفیٰ کیوں دیتے ہو کوئی تکلیف ہے تو مجھے بتاؤ میں نے اسے واقعہ بتایا اس نے کہا تم انگلستان جارہے ہو اگر کبھی تمہیں وہاں کوئی تکلیف ہو تو میرے پاس آجانا میں تمہیں Reset کر دوں گا۔ میں نے کہا میں واپس نہیں آؤں گا پھر قادیان آگئے قادیان دارالواقفین میں قیام تھا وہاں پہلے تو کوئی پڑھائی کا انتظام نہیں تھا لیکن کچھ دن بعد راجیکی صاحب پڑھانے آجاتے تھے شیخ عبدالخالق صاحب ایک عیسائی تھے جو پہلے مسلمان تھے عیسائی ہوئے پھر احمدی ہو گئے بائبل انہیں زبانی یاد تھی وہ پڑھاتے تھے چند دن مولوی غلام صاحب نے بھی پڑھایا حضور کی خدمت میں گیا تو حضور نے فرمایا تمہاری پڑھائی کا کیا حال ہے؟

میں نے کہا کہ مولوی انور صاحب نے براہین احمدیہ دی ہوئی ہے میں کہتا ہوں یہ مجھے سمجھ نہیں آتی پڑھا دیں لیکن موصوف کہتے ہیں خود سمجھنے کی کوشش کرو۔ حضورؓ فرمانے لگے وہ تو انور صاحب کو بھی سمجھ نہیں آتی تمہیں پڑھائیں گے کیا؟ لیکن آج سے تمہارا اس تعلیم سے کوئی تعلق نہیں جو انور صاحب کہیں تم صوفی غلام احمد صاحب کے پاس گھر چلے جایا کرو کیونکہ گھر جانا ہی تربیت ہے میں نے انور صاحب کو کہہ دیا کہ حضورؓ نے فرمایا ہے کہ براہین احمدیہ نہ پڑھو اور کہا ہے کہ وہاں چلے جاؤ اس لئے آج کے بعد میری کوئی رپورٹ نہیں ہوگی کہ یہ کام میں نے کیا ہے۔ میں صوفی غلام احمد صاحب کے پاس گیا مجھے کچھ جب میں قادیان میں پڑھتا تھا جانتے تھے۔ مزید تعارف ہو گیا ماسٹر محفوظ الرحمٰن اور سید سفیر الدین مرحوم مجھ سے پہلے جایا کرتے تھے اب ہم تین ہو گئے وہاں کوئی باقاعدہ کلاس نہیں تھی ہم کھیلتے رہتے تھے۔ صوفی صاحب گھر سے باہر صحن میں آگئے کبھی کوئی مسئلہ بتا دیا کبھی کوئی اور چیز بتا دی۔ قرآن کی آیت سنا دی اور وقت گزرتا گیا۔ 23 دسمبر کو قادیان سے روانہ ہوئے سفر تو ویسے ہی ہوتا تھا اس زمانہ میں یہاں سے گاڑی جاتی تھی ممبئی کہیں اترنا نہیں پڑتا تھا 21 کو کراچی سے چلے 22 کو پہنچ گئے چوہدری رحمت اللہ باجوہ صاحب جو ریلوے میں افسر تھے انہوں نے ہمیں اپنے پاس ٹھہرایا اور دعوت کا انتظام کیا اور شرفاء کو بلایا کہ یہ ہمارا قافلہ ہے۔ اگلے دن جہاز میں سوار ہو گئے پہلا جہاز تھا جو جنگ کے بعد سویلینز کو لے کر جا رہا تھا اس لئے وہ انگریز

افسروں سے بھرا ہوا تھا ہم 14، 15 ہندوستانی تھے 9 ہم تھے باقی کوئی ممبئی سے چڑھے کوئی دہلی سے شامل ہوا اس طرح 14 یا 15 کی تعداد ہوگئی اور 185 سارے مسافر تھے ہم 16 جنوری کو پہنچ گئے۔ آمد کا وہاں چرچا بہت ہوا مگر پبلک Reaction نہیں ہوا اس وقت کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ اس وقت بہت تصویریں چھپی وہاں بس اس حد تک Reaction ہونا تھا اور کوئی نہیں جب ہم پہلی بار وہاں پہنچے تو بلال نٹل صاحب جن کا ہماری تاریخ میں ذکر آتا ہے وہ اصل میں وہاں کہیں کسی ہوٹل میں کھانا پکایا کرتے تھے۔ لیکن انہوں نے پاکستانی کھانا ایسا پکایا کہ آپ جان نہیں سکتے تھے کہ یہ کسی انگریز نے پکایا ہے۔ اتنی مہارت کے ساتھ انہوں نے پلاؤ پکایا، زردہ پکایا اور گوشت وغیرہ لیکن سارا پاکستانی ٹکنیک کے ساتھ۔ ایک اور افسر تھا جو بنک سے ریٹائرڈ ہوا تھا وہ بھی اکثر مسجد میں آیا کرتا تھا۔ اور ایک دو اور تھے بعض کے بچے تھے وہ آجاتے تھے بڑی رونق ہوگئی اس (بیت الفضل) میں ابتداء میں 9 ہم تھے 4 پہلے تھے چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ، چوہدری عبداللطیف صاحب، اکرم صاحب، سید سفیر الدین صاحب۔ شمس صاحب نے کہا کہ تم دو دو ہر ہفتے کھانا پکایا کرو۔ 7 دنوں میں بانٹ دیا پہلی ڈیوٹی مجھے اور باجوہ صاحب کو دے دی۔ میں نے باجوہ صاحب کو کہا مجھ سے باہر کا کام کروا لیا کریں کھانا میں نہیں پکا سکتا تب باجوہ صاحب خود کام کیا کرتے تھے۔ جو چیز میرے لئے عجیب تھی۔ ایک دن کسی نے ہماری دعوت کی تھی۔ شمس صاحب ہمیں بس میں بٹھا کر لے گئے ہم تیرہ تھے کنڈیکٹر کو کہا 13 اس نے کہا No No No Twelve وہ تیرہ کا لفظ بڑا منحوس سمجھتے تھے۔ میں نے ایسی بات یہ پہلی دفعہ سنی۔ وہاں ہائیڈ پارک کا نام تو آپ نے سنا ہوگا ایک باغ ہے شہر سے ملتا ہے وہاں بے شمار سپیکرز باتیں کرتے ہیں انگریزی، افریقن انگریزی، انڈین انگریزی اس کو وہ معیوب نہیں سمجھتے تھے ہماری شکل ہی مختلف تھی داڑھی، ٹوپی، اچکن، شلوار دیکھ کر مزہ اٹھا لیا کرتے تھے کہ یہ کیا لوگ آگئے ہیں باقی زبان کا کوئی مسئلہ نہیں تھا تھوڑی بہت صحیح بول کر اپنا موقف سمجھا دیا کرتے تھے نہ اس پر کوئی طنز کرتے تھے لیکن ہمیں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب یہ تاکید کیا کرتے تھے کہ ہر وقت انگریزی بولو لیکن 14 آدمی اکٹھے انگریزی بول نہیں سکتے تھے کبھی کبھی وہ آیا کرتے تھے تو یہی کہتے تھے کہ انگریزی پڑھو انگریزی پڑھو، انگریزی بولو، انگریزی بولو، میں کہتا تھا ”کتھے بولیے“

اس وقت شمس صاحب کا طریق یہ تھا کہ ہفتہ وار میٹنگ ہوتی تھی اس میں 24-25 لوگ آجایا کرتے تھے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میٹنگ ہوئی سوال و جواب ہوااور بعد میں چائے پیش کر دی۔(لندن میں اس وقت) بہت بد حالی تھی۔لوگوں کو رہائش کی بڑی تکلیف تھی کھانے پینے کی بہت تنگی تھی آپ کو انڈا نہیں مل سکتا تھا انڈا بیمار یا بچہ لے سکتا تھا آپ کو سبزی تازہ نہیں مل سکتی تھی وہ بھی وہ چھپا لیتے تھے اور چند معروف لوگ آ کر لے جاتے تھے جنگ کے بعد بھی یہ کیفیت رہی اور وہاں ایک فروٹ سیلر کی دکان تھی وہاں ایک بوڑھی عورت تھی دکان کے پیچھے ایک کمرہ تھا وہاں وہ رہا کرتی تھی بیت الفضل کے قریب ترین سبزی کی دکان وہی تھی میری ڈیوٹی سبزی لانا تھی۔ایک دن وہ مجھے کہنے لگی You Wait اس نے کرسی دی میں بیٹھ گیا آدھ گھنٹہ گاہکوں کو فارغ کرنے میں لگا پھر مجھے پچھلے کمرے میں لے گئی وہاں اس نے آم، کیلا اور ایک اور پھل دکھایا مجھے کہنے لگی میں سب کے سامنے تو نہیں تمہیں دے سکتی لیکن تم کبھی ایسے وقت آیا کرو جب یا تو دکان کھلے یا میں بند کرنے لگی ہوں اس کمرے میں ٹوکری رکھوں گی تم کسی کپڑے میں لے جایا کرنا اس طرح ہم پھل لیا کرتے تھے ورنہ وہ بچوں کو ملتا تھا یا حاملہ عورتوں کو باقی کسی کو نہیں ہاں لوگ ڈبل روٹی اور آلو کھا کر گزارہ کیا کرتے تھے۔

جب پاکستان ہندوستان کی تقسیم کا واقعہ ہوا ہے تمام مبلغین جہاں نامزد ہوئے تھے اپنی اپنی جگہ چلے گئے ہوئے تھے۔حضرت صاحب نے پہلے تو خط لکھا کہ پارٹیشن ہوگئی ہے ہاں اس وقت پارٹیشن سے پہلے حضرت صاحب جو مستقل مضمون، جو بیان لکھتے تھے ہمیں بھیج دیتے تھے وہاں ہم ترجمہ کر کے رات کو ہی ایک آدمی کے ذریعہ مڈنائٹ چھپوا دیتے تھے۔پھر وہ بائی ہینڈ تقسیم کرتے تھے کوئی ایسی بات نہیں جو ہم نے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر لوگوں تک نہ پہنچائی ہو یہ میری Contribution تھی حضرت صاحب کی خدمت میں۔شاید اسی سے متاثر ہو کر حضرت صاحب نے ہمیں لکھا کہ ملک تقسیم ہو گیا ہے ہم لاہور آ گئے ہیں اس لئے میں اب ان تمام مبلغین کو جنہوں نے وقف کیا ہوا ہے وقف سے آزاد کرتا ہوں جو آزاد ہونا چاہتا ہے ہو جائے جب حالات

بہتر ہوں گے میں تنکا تنکا اکھٹا کر کے گھونسلہ بنالوں گا اور آپ کو بلا لوں گا یہ لفظ لکھا ہوا تھا یہ تحریری چٹھی آئی تھی باجوہ صاحب نے سب کو اطلاع دی

بعض نے لکھا کہ مثلاً کرم الٰہی ظفر صاحب نے لکھا کہ مجھے الاؤنس نہ دیں مجھے رہنے کی اجازت دیں میں اپنے طور پر تبلیغ کرتا ہوں۔ وہ پرفیوم بیچا کرتے تھے اس لئے وہ سپین میں رہ گئے۔ عطاء الرحمان صاحب نے کہا کہ مجھے فارغ نہ کریں مجھے رہنے دیں وہ فرانس میں تھے۔ (تیسرا میں تھا)......

یہ جو وقت تھا مالی تنگی کا یہ تین چار ماہ رہا اس کے بعد پھر حضرت صاحب نے پیسے بھجوانے کا انتظام کر دیا تھا۔ لیکن وہاں تھے کچھ لوگ چوہدری اشرف مرحوم صاحب جیسے جو جماعت کو پیسوں کی تنگی نہیں آنے دیتے تھے۔ لیکن تنگی تھی ضرور......

ایک دفعہ کا واقعہ ہے جس طرح بیساکھی لگا کرتی تھی یا اب شہروں میں میلے ہوتے ہیں مختلف اسٹال ہوتے ہیں وہاں بھی یہ طریق ہے چوہدری اشرف پرفیوم بیچا کرتا تھا اور اس نے لندن کے علاوہ باقی شہروں میں جب میلے لگتے تھے تو وہاں سٹال لے لیتا تھا جب حضرت صاحب کی چٹھی گئی اس کے جلدی بعد میلہ تھا وہاں چوہدری اشرف نے سٹال لیا ہوا تھا تو ایک دن باجوہ صاحب کو میرے متعلق کہنے لگا کہ "حضرت صاحب نے فارغ کیتا اے تے ہن کوئی کم شم کر لوو۔ جے انہاں نوں میرے نال آؤن دئیو تے توانوں کجھ فائدہ ہو جائے گا۔" باجوہ صاحب نے اجازت دے دی۔ چوہدری اشرف کی موٹر اور کوئی آٹھ دس درجن شیشیاں چھوٹی چھوٹی اور باقی دو بڑی باتلیں پرفیوم کے لئے یہ سامان تھا اور میز، چوہدری اشرف صاحب مجھے ساتھ لے گئے وہاں جا کر سٹال لگا لیا۔

جب ہم واپس آئے تو اشرف صاحب نے باجوہ صاحب کو کہا کہ یہ تیس پاؤنڈ ہمارا منافع ہے ایک دن کا۔ یہ پندرہ پاؤنڈ آپ کے یہ پندرہ پاؤنڈ میرے تو کہنے لگے آپ دونوں کو تیرہ پاؤنڈ ملتے ہیں چھ پاؤنڈ مہینے کے تھے ہمارا الاؤنس تو باجوہ صاحب کے دو پاؤنڈ زائد تھے یا شاید ایک پاؤنڈ تھا انہوں

نے کہا کہ آپ کا ایک مہینے کا الاؤنس تو آ گیا ہے اب اگلے اتوار پھر جائیں گے اور اگلے مہینے کا لے آئیں گے یہ سلسلہ تین چار مہینے جاری رہا اس لئے ہمیں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔ یہ تنگی کے دنوں کی بات ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے راہ کھول دی تو محسوس نہیں ہوا کہ ہمیں الاؤنس نہیں ملتا۔

اس عرصہ میں ایک واقعہ یہ ہوا کہ حضرت صاحب نے فرمایا کہ کوئی باؤنڈری ایکسپرٹ سرویرر (Expert surveyers) بھیجو وہاں۔ اب پیسے تو ہمارے پاس ہے نہیں۔ڈاکٹر جو آیا تھا وہ سکول میں پڑھاتا تھا اس کو ہم نے کسی کے ذریعہ تیار کیا اس نے کہا کہ میں کوئی پیسے نہیں لوں گا میں نے کہا تمہاری بیوی بچے ہیں اس نے کہا Don't worry about them کرایہ میرا آپ دیں گے واپسی کا ٹکٹ خریدنا تھا ہمارے پاس تو پیسہ کوئی نہ تھا میں اپنے بینکر کے پاس گیا جس میں ہمارا پیسہ تھا اسے میں نے کہا کہ یہ ہماری پرابلم ہے اتنے پیسے چاہئیں وہ کہنے لگا اتنے تو نہیں میں دے سکتا۔ ہم نے کہا کیوں؟ جب سے اکاؤنٹ کھلا ہے 1924ء سے اکاؤنٹ تمہارے پاس ہے کہنے لگا لیکن وہ ہے کیا۔ اکاؤنٹ میں 35-30 پاؤنڈ آپ کے مہینے کے آتے ہیں کوئی ایسا نہیں جس سے ہم کو کوئی فائدہ ہو میں نے کہا اچھا ہمارا کلوز کر دو اکاؤنٹ اور میں اٹھ کر چلا آیا اس سے پانچ چھ منٹ میں ایک آدمی آیا کار میں۔ اس نے کہا وہاں چلیں بنک میں، میں نے کہا میں نہیں جاؤں گا۔ پھر وہ کہتا رہا اور میں آہستہ آہستہ چلتا رہا جب مشن ہاؤس آ گیا تو مینیجر خود آیا کہنے لگا میرے پاس چلیں آپ، میں گیا تو اس نے کہا مجھے بڑا افسوس ہے مجھے نہیں احساس تھا کہ آپ اس حد تک جائیں گے۔ میں نے کہا ہمارے ملک میں اتنی تباہی آئی ہوئی ہے لوگ مر رہے ہیں کاروبار کوئی نہیں ہے اور جب سے ہم یہاں آئے ہیں تمہارے پاس ہی اکاؤنٹ ہے اس نے کہا لے لیں جتنے پیسے چاہئیں۔ میں نے کہا اب ایک شرط ہے کہنے لگا کیا؟ میں نے کہا ہمارے 6 مہینے کا مشن کا خرچ بھی تم برداشت کرو گے اس نے کہا Accepted۔ اور باقاعدہ ہر ماہ خرچ آتا تھا۔

حضرت صاحب نے اکتوبر میں خط لکھا کہ آپ واپس آ جائیں۔لیکن آنے سے پہلے تین مہینے یورپ میں گزار آؤ میں چلا گیا تقریباً سارے ملکوں میں گھومتا پھرتا رہا اور جو حضرت صاحب نے فرمایا تھا وہ میں نے رپورٹ کر دی۔ اس کے بعد میں واپس چلا آیا۔ یہاں آ کر اسسٹنٹ

پرائیویٹ سیکرٹری کی پوسٹ تھی فارن ڈاک باہر سے آتی تھی حضرت صاحب کو۔ پہلے تو حضرت صاحب خود جواب دیتے تھے اور کبھی مجھے جواب دینا ہوتا تھا۔ جب حضرت صاحب ساتھ ہوتے تھے تو پرائیویٹ سیکرٹری پوچھ لیتا تھا کہ کیا جواب دوں۔ لیکن میں ڈاک الگ پیش کیا کرتا تھا میں فروری میں آیا تھا مجھے مولوی افضل صاحب اور خان صاحب لے کر حضرت صاحب کے پاس گئے حضرت صاحب نے فرمایا کہ اس کی کتنی چھٹی ہے انہوں نے کہا جی تین مہینے حضرت صاحب نے فرمایا کہ انہیں چھٹی پر بھیج دیں اور چھٹی کے بعد مجھے آ کر ملیں مولوی صاحب کہنے لگے جی میں نے کل فلاں محلہ میں تقریر کروانی ہے حضرت صاحب نے فرمایا مجھے اس کی تقریروں سے کوئی دلچسپی نہیں وہ آپ جانیں اور یہ جانے میں تو یہ کہتا ہوں کہ آج ہی چھٹی پر روانہ ہو جائیں۔ میں چلا گیا تو ایک مہینہ کے بعد واپس آیا حضرت صاحب نے کہا میرے دفتر میں بیٹھ جاؤ۔

حضرت صاحب کا طریق تھا وہ لفافہ خود کھولتے تھے لفافے کے اوپر ہی اشارہ ہوتا تھا کہ کیا۔ اگر باجوہ صاحب لکھ دیا تو وہ مجھے خط مل جاتا تھا اگر PS لکھ دیا تو PS کو چلا جائے گا۔ بعض کے ساتھ لکھ دیتے تھے کہ پیش ہوگا اور میں پیش ہو جاتا تھا اور جس پر نہیں ہوتا تھا اس کا جواب میں خود لکھ دیتا تھا اور دستخط کروا لیتا تھا پتہ ہوتا تھا کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ تو اس میں دو قسم کی ڈاک تھی ....اس عہدہ پر میں نے دسمبر کے آخر تک کام کیا۔ اس کے بعد بطور امام بیت الفضل تقرری ہوئی 31 جولائی 1950ء کو لندن پہنچا تھا وہاں باجوہ صاحب تیار بیٹھے ہوئے تھے کہ ان سے میں چارج لے لوں انہیں میں نے کہا میں یہاں سے ہی گیا ہوں چارج مجھے پتہ ہے کیا ہے جمع تفریق کرنی ہے آپ دیکھ لیں میں دستخط کر دوں گا۔ باجوہ صاحب سے میں نے چارج لے لیا تو دس بارہ دن کے بعد وہ واپس آ گئے اور پھر میں 1955ء تک وہاں رہا۔

اس دوران ......وہاں گرم پانی کا کوئی انتظام نہیں تھا مشن ہاؤس کو گرم کرنے کا کوئی سسٹم نہیں تھا تو میں ہر جمعہ کو پبلک باتھ پر جا کر نہا آتا تھا اور اول وضو ٹھنڈے پانی سے کر لیتے تھے اور جرابیں وغیرہ پہن لیتے تو سارا دن گزر جاتا تھا اتفاق ایسا ہوا کہ وہاں مجھے ایک دوست ملا جو سن 1945ء

میں چوہدری رحمت اللہ صاحب کی دعوت پر مجھے ملا تھا ان کا دوست تھا کاٹن کا کاروبار کرتا تھا اور مجھ سے ایک سال سینئیر تھا فیصل آباد کالج سے میرا بھی واقف تھا مگر وہاں پھر دوست بن گیا۔ وہ وہاں اتفاق سے آ گیا اس نے وہاں اپنا دفتر کھول لیا وہ میرے پاس آیا کرتا تھا۔ تو وہ ایک دفعہ باتھ روم گیا کہنے لگا بڑا ٹھنڈا پانی ہے میں نے کہا کہ اسی تے ایدے نال ہی چار سال گزارہ کرلیا اے زندگی وقف ایسے واسطے کیتی اے اس نے جا کر مجھے ایک سو پاؤنڈ کا چیک بھیج دیا کہنے لگا پانی کا انتظام کرلیں اور پانی کا انتظام اللہ نے کر دیا پبلک باتھ پر جانا بند ہو گیا۔

کمرے گرم کرنے کے لئے کوئی انتظام نہیں تھا کوئلہ جلا کر کرتے تھے میں تو نہیں جلاتا تھا it is dificult For me لیکن جلانا تو چاہئے تھا۔ اس کے بغیر بھی گزارہ کرتے رہے۔

ائیر مارشل ظفر چوہدری بھی تھا وہ اس وقت فلائیٹ لیفٹینٹ تھا تو وہ میرے پاس آیا کرتا تھا اگر چھٹی پر آیا یا لندن آیا ایک دن دو دن رہا کرتا تھا ایک دن اس نے مجھ سے چپکے سے کہا ریڈیو بھی کوئی نہیں ہے میں لا دوں میں نے کہا۔ لیا دے۔ وہ گیا اور ریڈیو خرید لایا اور ریڈیو سننے لگ گئے۔ پھر حالت یہ تھی کہ پردے نہیں تھے کمروں کے۔ ظفر نے کہا میرا دل کرتا ہے کہ پردے بنا دوں میں نے کہا بنا دیں اس نے پردے کمروں کے بنا دیئے اس طرح کام چلتا تھا۔

لندن سے جب میں واپس آیا تو حضرت صاحب بیرون ملک جا رہے تھے۔ میں ملا تو حضرت صاحب نے فرمایا کہ چھٹی آجکل چار ماہ بعد ملتی ہے تم فوراً چھٹی پر چلے جاؤ اور میرے آنے سے پہلے کراچی آجانا لیکن جب میں یہاں ربوہ آیا اور حافظ عبدالسلام صاحب کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے کہا چار مہینے تم چھٹی لے سکتے ہو میں گھر پہنچا تو دوسرے دن تار مل گئی چھٹی کینسل ڈیوٹی میں واپس آیا تو حافظ صاحب نے کہا کہ میاں مبارک احمد صاحب باہر چلے گئے ہیں اور چار مہینے وہاں رہا پھر حافظ صاحب نے کہا چار مہینے تمہاری چھٹی قائم ہے تم چلے جاؤ میں چلا گیا تو پھر ایک خط آ گیا کہ چھٹی کینسل ڈیوٹی میں چلا گیا تو حافظ صاحب نے کہا کہ یہ چھٹی میاں عزیز احمد صاحب کے پاس لے جاؤ میاں صاحب کے پاس میں آیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت صاحب نے تمہیں نائب

ناظر اصلاح وارشاد مقرر کیا ہے میاں شریف احمدؓ صاحب ناظر تھے میں وہاں چلا گیا چوہدری عبدالواحد صاحب سے میں نے چارج لے لیا وہ کسی اور دفتر میں چلے گئے میں وہاں رہا وہ چھٹی آج تک بقایا ہے۔

حضرت مرزا شریف احمدؓ صاحب سے میری واقفیت لندن میں ہوئی میاں صاحب پارٹیشن کے بعد انگلستان گئے تھے وہاں سات آٹھ مہینے رہے مجھے ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے کہیں جانا ہو چلے جاتے تھے اس لئے واقفیت تو تھی بلکہ گھریلو واقفیت تھی

میں میاں صاحب کے پاس گیا کہ کوئی ہدایت نصیحت وہ کہنے لگے دو باتیں ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارا بجٹ بہت تھوڑا ہوتا ہے اس بارے میں لڑنا جھگڑنا میٹنگ میں کارآمد نہیں ہے۔ کہ اس معاملے میں زیادہ انجمن کو لکھنا نہیں چاہئے اطلاع دے دو کہ ہمارا بجٹ فلاں مہینے کا ختم ہو گیا ہے......

دوسری بات یہ فرمائی کہ یہ بات یاد رکھنا کہ جماعت میں کسی کو شامل کرنا بڑا مشکل ہے لیکن جماعت سے نکالنا بڑا آسان ہے اس لئے نکالنے میں کبھی جلد بازی نہ کرنا یہ کبھی جلد بازی میں اقدام نہ کرنا یہ میاں صاحب کی نصیحت تھی۔

چند منتشر یادیں

محترم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ نے اپنی یادداشتوں پر مشتمل ایک مضمون تحریر کیا جو ماہنامہ ’’خالد‘‘ سیدنا ناصر نمبر میں ’’چند منتشر یادیں‘‘ کے عنوان سے شائع ہوا۔آپ لکھتے ہیں۔

’’میں قادیان کا رہنے والا نہیں۔ غالباً چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا جب پہلی دفعہ قادیان جلسہ سالانہ پر گیا۔ میرا تأثر یہ ہے کہ اُس زمانہ میں آج سے پچاس پچپن سال پہلے ہمارے والدین تربیت کے لئے یہ ضرور خیال کرتے تھے کہ بچوں کو نیک اور صالح بزرگوں سے متعارف کرایا جائے۔ دُور سے ہی کوئی بزرگ آتے دکھائی دیتے تو میرے دادا چوہدری علی بخش صاحب اشارہ کر کے کہتے وہ فلاں ہیں جماعت میں ان کا بڑا مقام ہے۔اسی غائبانہ تعارف سے ’’ہمارے

حضرت صاحب کے بڑے بیٹے میاں ناصر احمد صاحب'' کو لوگوں سے باتیں کرتے دیکھا پاس جا کر کھڑا ہونے یا بات کرنے کی جرات تھی نہ سوال کی۔ان کی ظاہری شکل وصورت تقویٰ وطہارت کی نشان دہی کرتی تھی۔صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایک مذہبی جماعت کے سربراہ کے فرزندِ ارجمند ہونے کے باوجود عام پیروں کی اولاد سے مختلف نظر آئے۔ازحد خوش شکل، خوش لباس، رواجِ زمانہ کے خلاف خوبصورت داڑھی، چال میں میانہ روی، گفتار میں متانت اور وقار۔غرض مردانہ اوصاف کا حسین وجمیل امتزاج تھے اور یہی نقش میرے قلب پر آج تک ثبت ہے۔

غالباً 1944ء کا ذکر ہے میں نئی دہلی میں ملازم تھا اور خدام الاحمدیہ کی مجلس عاملہ کا ممبر۔آپ کی بیگم سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ بیمار ہوئیں آپ ان کو لے کر بغرض علاج دہلی تشریف لائے اور نئی دہلی میں انڈین لیجسلیٹو (Legislative) اسمبلی کے ممبران کے رہائشی کوارٹرز میں قیام فرما ہوئے۔کبھی کبھی خدام الاحمدیہ کی مجلس عاملہ کو یاد فرمالیا کرتے۔بچپن کے دُھندلے نقوش ان ملاقاتوں میں کچھ روشن ہونے لگے۔

صاحبزادہ صاحب اپنی خاندانی وجاہت کے لحاظ سے ایک بلند مقام پر تھے۔میں دیہاتی گنوار۔مگر میں نے محسوس کیا کہ بظاہر اس معاشرتی بُعد المشرقین کے باوجود ہمارے درمیان فاصلہ کم تھا۔عام لوگوں کے ساتھ ملنا جُلنا اُٹھنا بیٹھنا ان کو پسند تھا اور طبقاتی فرق بالکل ناپید۔

1945ء میں زندگی وقف کر کے میں قادیان آ گیا۔اِس دوران چند ماہ کے لئے خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی مجلس عاملہ میں مہتمم وقارِعمل رہا۔مجھے ایک اجتماعی وقارِعمل کرانے کا موقع ملا جس میں انہوں نے بھرپور حصہ لیا۔سارا وقت ٹوکریاں اُٹھاتے ساتھ رہے اور مرکزی روایات سے ناواقف مہتمم وقارِعمل کو ناتجربہ کار ہونے کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ان کا قدر و قامت میری نظر میں اور بلند ہو گیا۔

غالباً 1952ء تا 1953ء کا ذکر ہے آپ تعلیم الاسلام کالج لاہور کے پرنسپل تھے میں لندن میں امام بیت الفضل۔ان کی طرف سے مجھے ایک خط ملا جس میں بعض اشیاء بھجوانے کے لئے کہا تھا جن کی قیمت میرے ایک سال کے الاؤنس سے بھی زیادہ تھی۔میں نے خط لکھا کہ اگر میں ایک

سال محض ہوا پر گزارہ کروں تو بھی تعمیل ارشاد نہیں کرسکتا۔ میرے ایک ساتھی نے ایسا خط لکھنے سے منع کیا کہ صاحبزادہ صاحب کو اِس طرح نہ لکھیں مگر مشورہ دینے والے بھی میری طرح تہی دست تھے۔ بیم ورجا کے ملے جُلے جذبات کے ساتھ میں نے ردِعمل کا انتظار کیا۔ نہ صرف جواب آیا بلکہ جواب حوصلہ افزا تھا۔ انہوں نے لکھا تھا کہ دفتری کلرک کی غلطی نے یہ تاثر پیدا کیا ہے کہ شائد میں نے بل ادا کرنا ہے حالانکہ ایسا نہیں۔ حقیقت صرف اتنی تھی کہ ایک ایسی فرم کو کالج کی طرف سے بعض اشیاء کی فراہمی کے لئے لکھا گیا ہے جس سے پہلے بھی سامان آتا ہے۔ کلرک کو یہ کہا گیا تھا کہ آپ کو لکھ دے کہ فرم کو کہہ کر جلدی بھجوادیں ادائیگی پہلے بھی قانون کے مطابق بنک کے ذریعہ ہوتی ہے اب بھی ہوگی۔ اس خط کی جان ایک فقرہ تھا جس کے اصل الفاظ تو تیس سال گزرنے کے بعد صحیح یاد نہیں مگر کچھ اِس قسم کے تھے کہ آپ کی صاف گوئی سے خوشی ہوئی ہے میں بھی واقف زندگی ہوں اپنے آپ پر آپ کی حالت قیاس کرسکتا ہوں۔ مجھے اس سے از حد اطمینان ہوا اور وقف کے کٹھن مراحل بھی بہت آسان ہو گئے۔

1955ء میں انگلستان سے واپسی پر میری تقرری صدر انجمن احمدیہ میں ہوئی۔ صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب تعلیم الاسلام کالج کے پرنسپل ہونے کے ساتھ صدر انجمن احمدیہ کے صدر بھی تھے۔ دفتری امور میں ان سے واسطہ رہتا۔ ایک دن میرے ایک انتہائی گہرے دوست کا خط لے کر اس کا بھائی آ گیا۔ کالج میں داخلے کا وقت گزر چکا تھا میرے دوست کا حکم تھا۔ ''داخلہ بند ہوجانا کوئی عذر قابل سماعت نہیں ہر صورت داخل کرانا ہے ورنہ......'' میں اس عزیز بچہ کو لے کر کالج چلا گیا۔ زبان سے کچھ نہ کہا وہ خط آگے رکھ دیا۔ پڑھ کر اس بچہ کو مخاطب کر کے فرمایا اِس خط سے اندازہ ہو گیا ہے کہ آپ کے بھائی ہمارے باجوہ صاحب کے قریبی دوست ہیں گو داخلہ کا وقت گزر چکا ہے میں اِس دوستی میں پھیک نہیں پڑنے دوں گا آپ آجائیں داخلہ کی کوئی صورت ہو جائے گی۔ ایک اور رعائت بھی دیتا ہوں وہ یہ کہ داخلہ کے وقت والد یا سرپرست کا ساتھ آنا ضروری ہوتا ہے آپ کو اس سے بھی چھٹی آپ اپنے والد یا بھائی کو تکلیف نہ دیں۔ اس کے بعد کئی دفعہ ایسا ہوا کہ میں کسی اُمیدوار کو لے کر گیا تو مسکرا کر دریافت فرمایا اگر داخلہ نہ ہو تو کوئی دوستی تو خطرہ میں نہ ہوگی۔

دل تو پہلے ہی فدا تھا نومبر 1965ء میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کے خلیفۃ المسیح الثالث منتخب ہونے پر ان کے ہاتھ پر جان بھی فدا کرنے کا عہد کیا اور اللہ تعالیٰ نے حضور کے آخری دم تک محض اپنے بے پایاں فضل واحسان سے اس پر قائم رکھا۔ الحمدللہ علی ذٰلک۔

1966ء کے وسط میں میری عارضی تقرری بطور پرائیویٹ سیکرٹری ہوئی۔ احساس ذمہ داری سے دھڑکتے دل کے ساتھ اس دفتر میں حاضری دی مگر حضور کے تلطّف سے یہ کیفیت دُور ہوگئی۔ گرمیوں کے دن تھے دفتری اوقات دوپہر تک ہوتے تھے میں گھر چلا گیا۔ فون کی گھنٹی ہوئی دوسری طرف حضور تھے۔ فرمایا جلدی چلے گئے۔ میں واپس دفتر آ گیا میری میز پر کھانا پڑا تھا۔ دوسرے دن دفتر سے اُٹھ کر چلا گیا پیچھے پیچھے ایک آدمی کھانا لے کر گھر آ گیا۔ تیسرے دن دفتر بند ہونے سے پہلے اندر سے ایک خادم یہ پیغام لے کر آیا کہ دفتر بند ہونے پر نہ اُٹھوں پھر کھانا آ گیا اور یہ نوازش 1973ء کے آخر تک کہ میں اس دفتر میں رہا جاری رہی۔ میں یہ حُسن سلوک نہیں بھُول سکتا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک کا کھانا دو کے لئے کافی ہوجاتا ہے۔ میں اپنے ذوق کے مطابق خیال کرتا ہوں کہ ایسا نپے تُلے کھانے کے متعلق ہے میرے لئے جو کھانا آتا وہ اس سے بھی وافر ہوتا تھا۔ ان دنوں اجتماعی ملاقات کا رواج نہ تھا ہر روز شرف ملاقات کے لئے احباب کثرت سے آتے تھے شاذ ہی ایسا ہوا ہوگا کہ میرے ساتھ تین چار احباب کھانے میں شامل نہ ہوں۔ حضرت مسیح پاکؑ نے جو روحانی مائدہ تقسیم کیا اس سے تو انہوں نے حصہ پایا ہی ہوتا تھا حضور کے اس مادی دسترخوان سے حصہ پا کر ان کے دل تشکر و امتنان کے جذبات سے بھر جاتے تھے۔ میرے دفتر کے ساتھ حضور کا انٹرکام کے ذریعہ رابطہ تھا۔ کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ حضورؒ نے انٹرکام پر دریافت فرمایا کون کون پاس بیٹھا ہے اور پھر مزید کھانا بھجوادیا۔ یہ اُسی مسیح دوراں کے ''موعود نافلہ'' کا دسترخوان تھا جس نے کہا تھا۔

لُفَاظَاتُ الْمَوَائِدِ کَانَ اُکُلِیْ

وَصِرْتُ الیَوْمَ مِطْعَامَ الْاَھَالِیْ

ہر سوسائٹی میں چھوٹے موٹے جھگڑے رہتے ہیں۔ جماعت میں قضاء کا مؤثر نظام رائج ہے لین دین کے معمولی نوعیت کے جھگڑے وہاں طے پاتے ہیں۔ اگر فیصلہ کے بعد کوئی فریق انحراف کرے تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ایسا شخص عملاً احمدیت سے دُور چلا گیا ہے۔ ایک ایسے ہی معاملہ میں ایک شخص معمولی رقم ادا نہیں کر رہا تھا میں نے قواعد کے مطابق تعزیری کارروائی کی سفارش کی۔ حضور نے مجھے یاد فرمایا اور اپنی جیب سے وہ رقم میرے ہاتھ میں دے دی کہ دوسرے فریق کو ادا کر دی جائے اور فرمایا کہ اتنی معمولی رقم کے لئے میں یہ خیال کروں کہ کوئی احمدی نہیں رہا اس پر انشراح نہیں۔

ایک دفعہ ایک شخص کے متعلق ایسا ہی فیصلہ کیا گیا۔ عصر کے وقت مجھے گھر سے بُلا کر دریافت فرمایا کہ اعلان ہو گیا ہے کہ نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ابھی نہیں۔ فرمایا روک لیں وہ شخص اپنی ضعیف والدہ کو لے آیا ہے اس کو بُلا کر کہیں کہ 40 روپے ماہوار دیا کرے اور 40 روپے ماہوار میری طرف سے ملا کر 80 روپیہ ماہوار اس کے قرض میں ادا کر دیا کریں۔

نظام اِسلام کے نفاذ کا عمل انسان کی اپنی زندگی سے شروع ہوتا ہے۔ حضورؒ کی خلافت کا زمانہ احیائے اسلام کی بھرپور جدوجہد سے عبارت تھا۔ ایسے چھوٹے چھوٹے واقعات اس کاوش کی عکاسی کرتے ہیں۔ حضور رحمہ اللہ تعالیٰ غریبوں کے ساتھ ہمدردی کرتے اور ان کے بوجھ اُٹھاتے۔ حضورؒ اسلام کا عملی نفاذ چاہتے تھے اور محروم طبقہ کے متعلق آپ کو خیال تھا کہ اس کا حق اِس طرح اِسے ملے کہ اس کی عزت نفس بھی قائم رہے اور جس بوجھ کے نیچے وہ دبا ہوا ہے اس سے وہ آزاد ہو جائے۔ آپ نے اپنی تقاریر اور خطبات میں اکثر اسلامی تعلیم کی برتری اور خوبی کے متعلق بیان فرمایا کہ سائل کا تو حق ہے ہی لیکن اسلام نے محروم کا حق بھی قائم کیا ہے۔ محروم کا حق قائم کرنے کے لئے مُٹھیاں بھر کر دینے کا عملی نمونہ اُس سے ظاہر ہوا جس کے دادا نے احیائے اسلام کی مہم میں دو دو آنہ دینے والوں کے نام اپنی کتب میں محفوظ کر کے ان کو جریدہ عالم میں دوام بخشا ہے۔

ایک دفعہ ایک ایسے فرد کے متعلق جو حضور سے اپنے تعلق کا اظہار کیا کرتا تھا کسی نے شکایت کی۔ مجھے بُلا کر فرمایا کہ ان کو لکھ دیا جائے۔

لَانَرِثُ وَلَانُوْرَثُ

چنانچہ شکایت کرنے والے کی شکایت فوراً دُور ہو گئی۔ مجھے یاد آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہؓ فاطمہ نامی ایک خاتون کے چوری کرنے پر اس کے حق میں سفارش کی تو حضورؐ نے فرمایا کہ اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرتی تو اس کے ساتھ یہی سلوک ہوتا۔ ایسے اخلاق فاضلہ کا اظہار اللہ والوں سے ہی ہوتا ہے۔

1970ء میں مجھے حضورؒ کے سفرِ افریقہ و یورپ میں ہمرکاب ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ محسوس ہوتا تھا کہ ہسپانیہ کے لئے حضور کے دل میں نرم گوشہ تھا غرناطہ سے واپس میڈرڈ آرہے تھے راستے میں شاہراہ سے ہٹ کر بائیں طرف اونچی جگہ ایک پُرانا قلعہ نظر آیا جو اب آثار قدیمہ میں تبدیل ہو چکا تھا حضور کی کار اُدھر مُڑ گئی کوئی پروگرام نہ تھا اُوپر جا کر کار رُک گئی۔ دیر تک ان کھنڈرات میں گھومتے رہے پھر مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ حکومت کو درخواست دیں یہ جگہ مقاطعہ پر دے دیں ہم پانچ دس پونڈ سالانہ کرایہ ادا کرتے رہیں گے اور یہاں ڈیرہ لگا لیں۔ میں نے عرض کیا ایسی جگہوں پر لوگ کہتے ہیں جن بھوت رہتے ہیں۔ فرمایا اس بلند مقام پر کھڑے ہو کر جب ظفر صاحب کی آواز میں پانچ وقت رب جلیل کا نام فضا میں گونجے گا تو کیا کوئی جن بھوت رہے گا وہ تو سارے ملک سے نکل جائیں گے۔ پھر ہم طلیطلہ میں رُکے۔ مجاہدین اسلام کے نقوش پا کی تلاش میں شہر کے گلی کوچوں میں گھومے۔ اس مسجد میں گئے جس جگہ طارق بن زیاد نے پہلی نماز ادا کی تھی۔ تاریخ اسلام کی ورق گردانی کرتے ہوئے حضور خاموش ہو گئے اور پھر مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر کو فرمایا کہ حکومت کو درخواست دیں کہ یہ مسجد بیس 20 سال کے لئے ہمیں دے دی جائے ہم اس کی حفاظت کریں گے اور اللہ کا نام بلند کریں گے اتنے عرصہ میں شاید اللہ تعالیٰ کوئی اور راہ کھول دے۔ اس مسجد کے حصول کے لئے کوشش ہوئی لیکن کامیابی نہ ہوئی مگر اللہ تعالیٰ نے حضور کی تضرعات کو سُنا اور بپایۂ قبولیت جگہ دی اور بیس سال کی

بجائے دس سال کے بعد ہی توفیق عطا فرمائی کہ اپنے دست مبارک سے سرزمین ہسپانیہ میں مسجد کا سنگ بنیاد رکھیں جس سے اب اللہ تعالیٰ کی بزرگی و برتری کا اعلان ہوتا ہے۔

ایک دن میں پاس بیٹھا ڈاک پیش کر رہا تھا۔ محترم سید داؤد احمد صاحب مرحوم تشریف لائے علیک سلیک کے بعد کہنے لگے بھائی کیا آپ کو باجوہ صاحب نے بتایا ہیکہ ان کا بیٹا بی اے میں پاس ہوگیا ہے (اُس دن نتیجہ نکلا تھا) فرمایا نہیں۔ اور دریافت فرمایا باجوہ صاحب کیا منیر پاس ہوگیا ہے۔ محترم سید داؤد احمد صاحب کے کہنے کے بعد مجھ سے تصدیق بھی ایک پیار کا انداز تھا پھر فرمایا کہ اب کیا ارادہ ہے میں نے عرض کیا جو حضور فرمائیں۔ اس میں برکت ہوگی۔ یہ ذکر یہاں ہی ختم ہوگیا۔ تین چار ہفتہ کے بعد حضور کا ایک دوست جو ایک بینک کا بڑا افسر تھا ملنے آیا۔ وہ جب باہر نکلا تو مجھے کہا اپنے بیٹے کو کسی وقت میرے پاس بھیج دیں اور وہ چلا گیا۔ اس نے مجھ سے کوئی کوائف دریافت نہ کئے۔ ایک دن میرا بیٹا اس کے پاس گیا اور تقرری کا پروانہ لے کر واپس آ گیا۔ یہ تَعۡرِفُهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ کی عملی تفسیر تھی۔

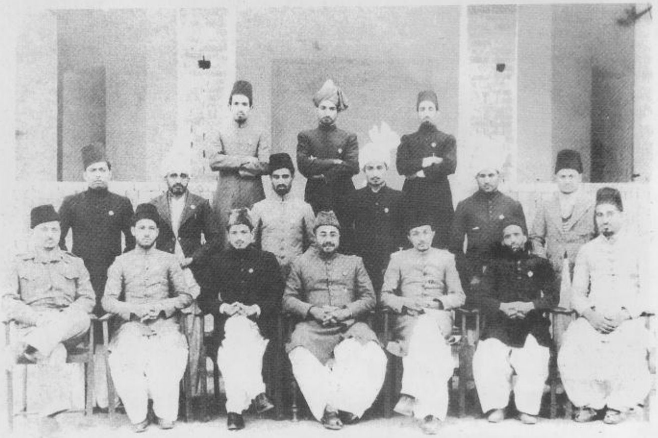
میں خادم آپ مخدوم تھے۔ خدمت میں تساہل، تغافل اور کوتاہی لاشعوری طور پر سرزد ہوتی ہے مگر آپ نے ہمیشہ لُطف و احسان کا سلوک فرمایا۔ اگر ناراضگی بھی ہوئی تو میرے سامنے اس کا اظہار نہ فرمایا بلکہ چشم پوشی فرمائی۔ میں سمجھ لیتا کہ عدم اظہار بھی ایک صورت اظہار کی ہے۔ ناراضگی دُور ہونے پر بھی کبھی اِظہار نہ فرمایا گویا

؎ میرے خدا نے رکھ لی میری بے کسی کی شرم

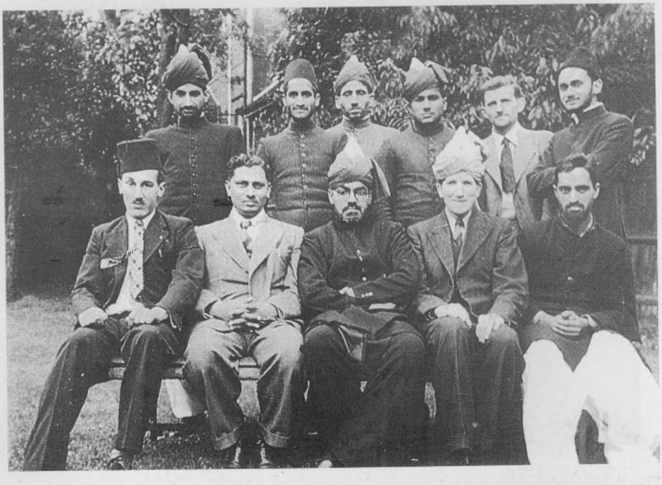
- عزیزم مرزا فرید احمد صاحب نے مجھے بتایا کہ حضور کی ایک ڈائری میں حضور کا ایک خواب درج ہے جس میں میرا ذکر ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے فرمایا کہ اس کے متعلق ایک غلط فہمی ہو گئی تھی جو دُور ہوگئی ہے۔ میرے مُحسن آقا اللہ تعالیٰ کی رضا کی ابدی جنتوں میں آپ کا بسیرا ہو۔ آمین۔ ؎

اے غائب از نظر کہ شدی ہم نشین دل
می بینمت عیاں و دعامی فرستمت

❁—❁—❁



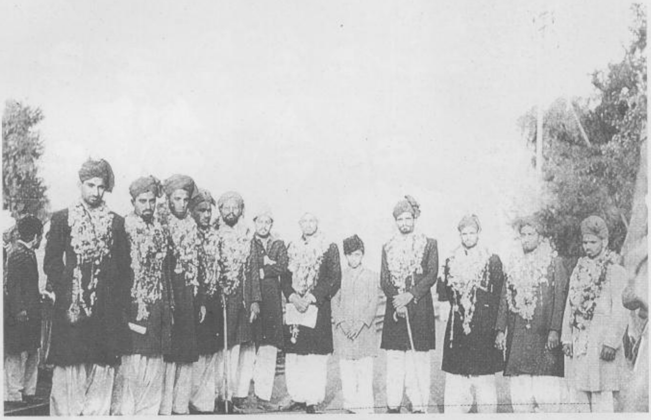
اراکین عاملہ مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ 1945ء کی ایک یادگار تصویر۔ آپ دوسری قطار میں نمایاں نظر آ رہے ہیں



مجلس خدام الاحمدیہ لندن کے ابتدائی ممبران ۔ آپ دوسری صف میں بائیں طرف کھڑے ہیں



ٹیوب سٹیشن لندن میں مربیان یورپ کا استقبال۔ جنوری 1946ء



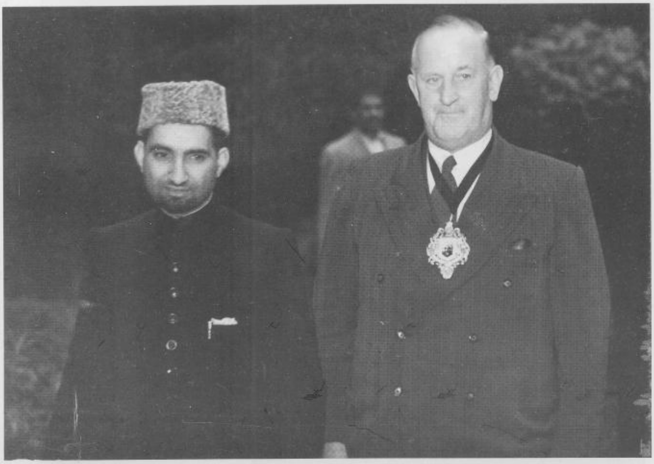
بیرون ملک روانگی سے قبل کا ایک فوٹوگراف 1947ء۔ آپ بائیں طرف کھڑے ہیں



گروپ فوٹو مجاہدین یورپ 1945ء



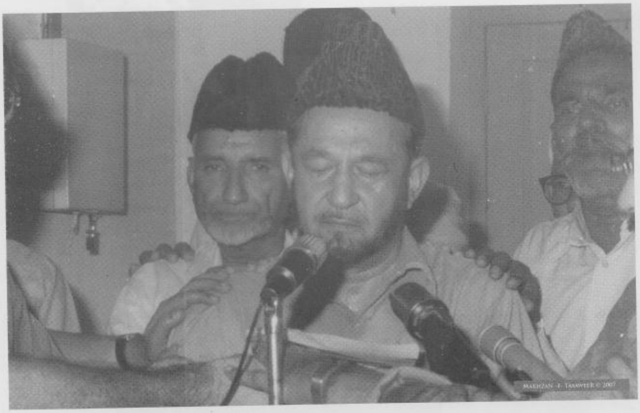
امام بیت الفضل لندن کی حیثیت سے ایک جماعتی تقریب میں شمولیت



امام بیت الفضل لندن کی حیثیت سے ایک جماعتی تقریب میں شمولیت



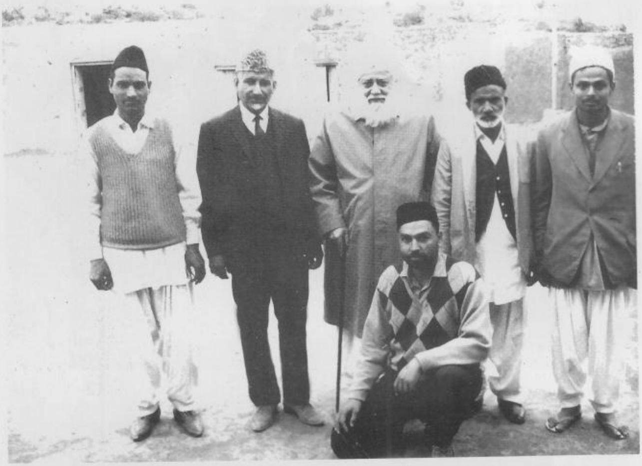
قادیان قافلہ کی ایک یادگار نایاب فوٹوگراف



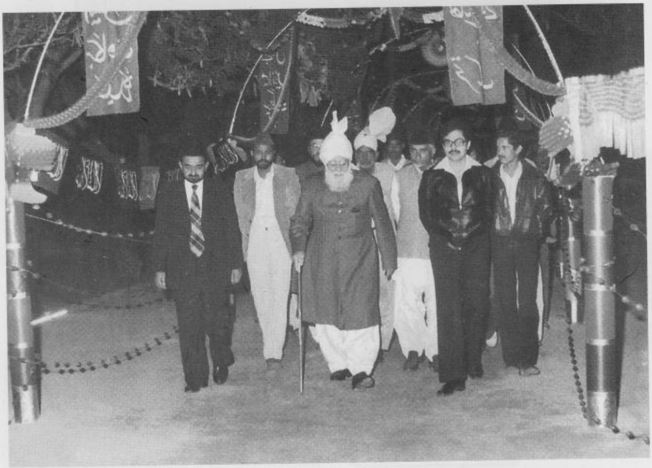
خلافت رابعہ کے آغاز پر پہلی بیعت کا منظر



خلافت رابعہ کے آغاز پر بیعت کے بعد پہلا خطاب۔ آپ نمایاں نظر آ رہے ہیں



نخلہ (جابہ) میں ایک تفریحی ٹرپ کے دوران ایک نایاب فوٹو۔جنوری 1967ء



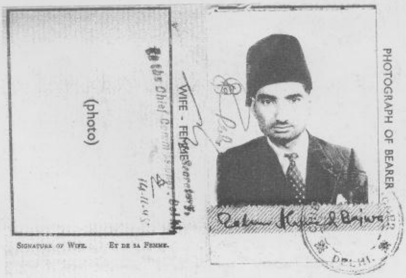
ایک تقریب کے لئے حضورؒ کی آمد آپ حضورؒ کے پیچھے نمایاں ہیں



احمد نگر زمینوں پر لی گئی ایک تصویر۔70-1969ء



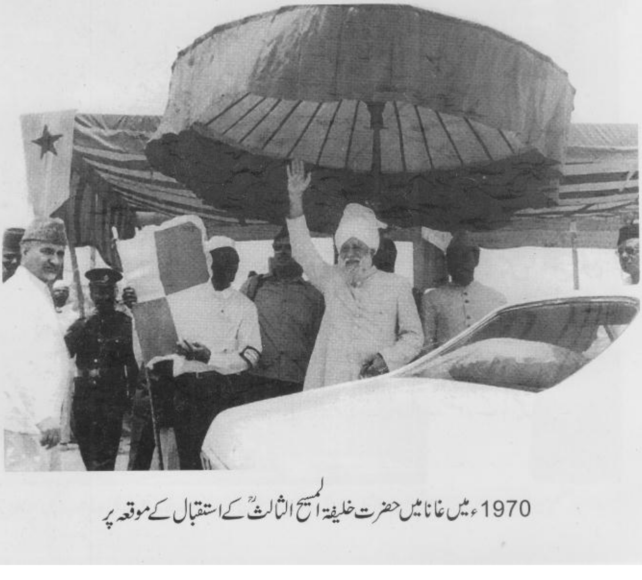
1973ء کے دَورہ کے دوران حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے اپنے ہاتھوں سے یہ فوٹو لی



مکرم چوہدری صاحب کی ایک یادگار تصویر جو 1945ء کے پاسپورٹ کی ہے



نائیجریا میں اپنے امام کے ہمراہ۔ بیت الذکر کے افتتاح کے موقعہ پر



1970ء میں غانا میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے استقبال کے موقعہ پر



کماسی غانا میں اپنے امام کے ساتھ



اکرا ایمبسڈر ہوٹل غانا میں حضورؒ کا استقبال۔ مکرم چوہدری صاحب حضور کے بائیں طرف



سالٹ پانڈ غانا میں اپنے امام کے پہلو میں نماز ادا کرتے



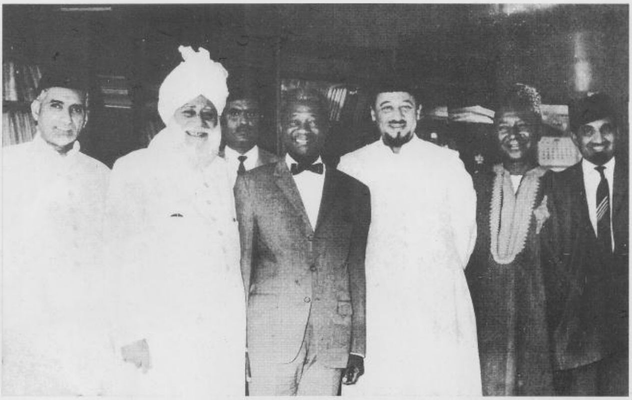
حضورؒ وزیراعظم سیرالیون جناب شا کا سٹیون کو ملاقات کے دوران تحفہ پیش کرتے ہوئے۔ چوہدری صاحب بھی موجود ہیں



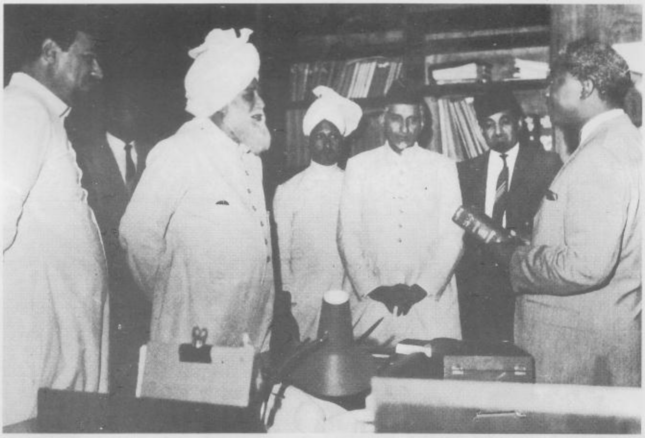
سالٹ پانڈ غانا میں اپنے امام کے پہلو میں نماز ادا کرتے



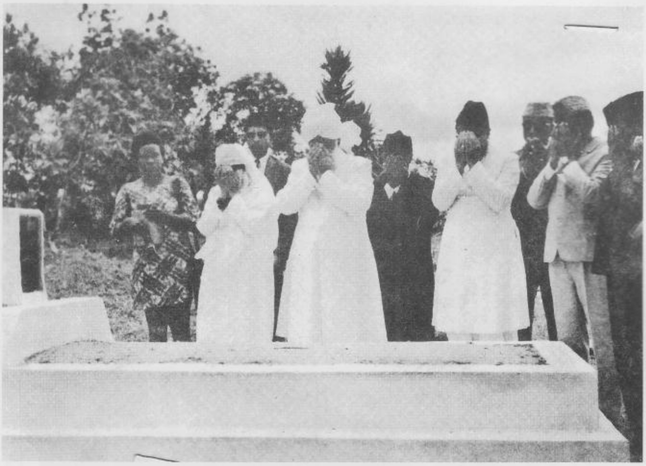
حضورؒ وزیراعظم سیرالیون جناب شا کا سٹیون کو ملاقات کے دوران تحفہ پیش کرتے ہوئے۔ چوہدری صاحب بھی موجود ہیں



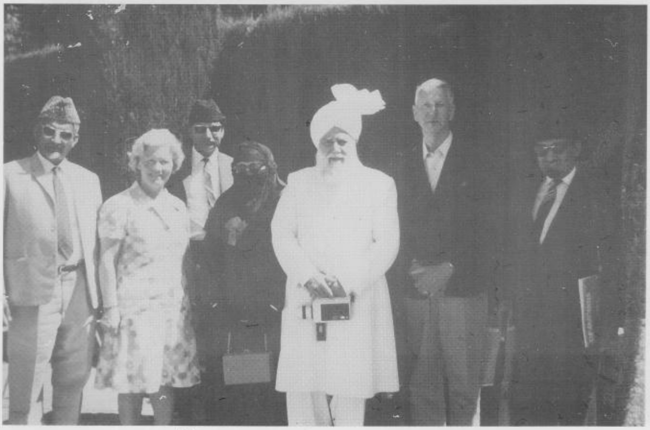
سیرالیون کے سربراہ کی امام جماعت کے ساتھ یادگار فوٹو۔آپ بائیں طرف



سیرالیون کے قائمقام گورنر جنرل کی حضورؒ کے ساتھ ملاقات ۔ درمیان میں مکرم چوہدری صاحب



الحاج مولانا نذیر احمد علی صاحب مرحوم کی قبر پر تاریخی حاضری



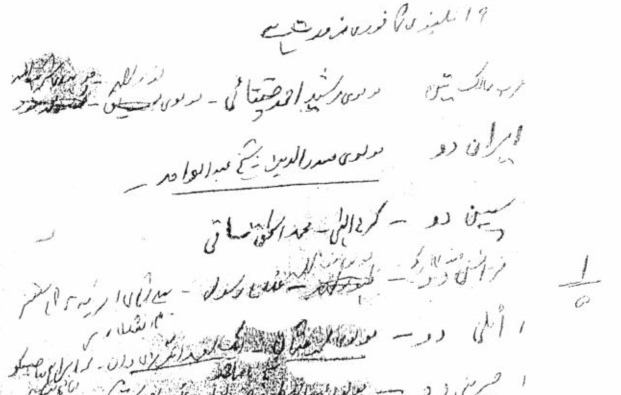
1970ء کے دورہ یورپ کے دوران ایک یادگار فوٹو

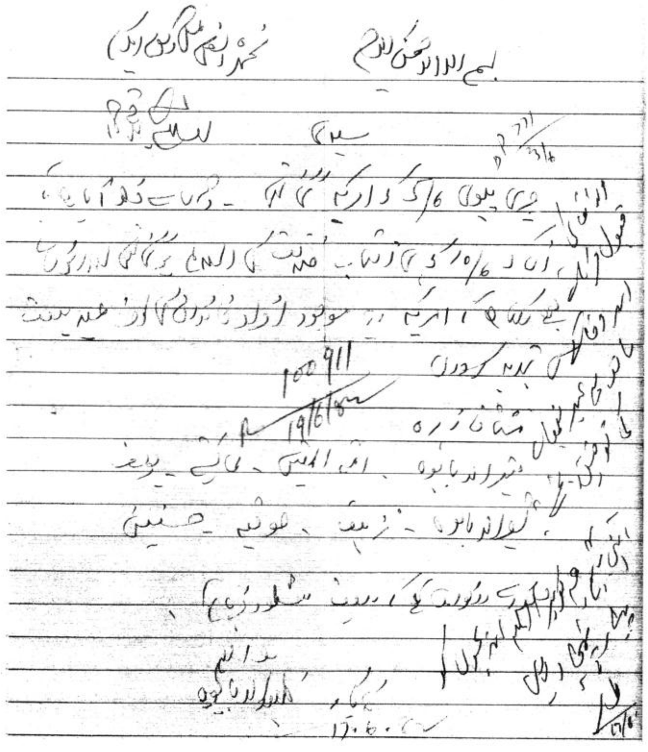


دورہ 1970ء کے دوران ایک نایاب فوٹوگراف

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ایک یادگار تحریر

بیرونی تبلیغ اور جماعتی تعلیم کے لئے مجاہدین تحریک جدید کا انتخاب


عرب ممالک تین ۔ مولوی رشید احمد چغتائی
ایران دو ۔ مولوی صدر الدین ۔ شیخ عبدالواحد
سپین دو ۔ کرم الٰہی ۔ محمد اسحاق ساقی
انگلستان تین
۲۱


بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سیدی

خلافت رابعہ کے آغاز پر تجدید عہد بیعت اور حضورؒ کا جواب

باب نمبر 15

علالت اور وفات

❁ علالت

❁ وفات

آخری علالت

آپ 1995ء سے علیل چلے آئے۔ کبھی ہسپتال میں داخل کروانا پڑا اور کبھی گھر میں منتقل کرنا پڑا۔ کبھی صحت مند ہو جاتے کبھی بیماری عود کر آتی۔ آپ Parkinson Desease (پارکینسن) میں مبتلا تھے۔ اس تکلیف دہ اعصابی بیماری میں آپ نے نہایت صبر وشکر کا مظاہرہ کیا ہر تکلیف کو خاموشی سے برداشت کیا اور استغفار، دُعاؤں اور درود شریف میں وقت گزارا۔ جوں ہی طبیعت بحال ہوتی آپ معمول کے کام کرتے۔

مکرم انصر احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ آپ کی تمام زندگی بہت منظم رہی۔ روٹین ورک ذرا بھر Disturb نہ ہوتا۔ بیماری میں بھی باوجود بہت کمزوری کے روٹین لائف Disturb نہ ہوئی۔ اور تمام کام سلیقے سے کرتے اور اپنی تمام اشیاء کو بھی سلیقے اور ترتیب سے رکھتے تھے۔

وفات

ایک لمبی تکلیف دہ علالت کے بعد آپ مورخہ 19 فروری 2002ء کو 83 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ آپ کی تدفین بوجہ موصی ہونے کے، بہشتی مقبرہ (دارالفضل) کے قطعہ خاص جو جماعت کے اہم عہدیداران، علماء اور واقفین زندگی مربیان کے لئے مخصوص ہے میں ہوئی۔

الفضل میں وفات کی اطلاع

آپ کی وفات کی اطلاع الفضل نے فرنٹ پیج پر یوں دی۔

57 سال تک خدمت کی توفیق پانے والے جماعت احمدیہ کے مخلص اور فدائی بزرگ محترم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب صدر صدر انجمن احمدیہ وفات پا گئے۔

آپ ایڈیشنل ناظر اعلیٰ، امام بیت الفضل لندن، پرائیویٹ سیکرٹری اور ناظر امور عامہ کے عہدوں پر بھی فائز رہے۔

احباب جماعت کو افسوس کے ساتھ اطلاع دی جاتی ہے کہ 57 سال تک بھرپور

خدمات سرانجام دینے والے مخلص اور فدائی خادم سلسلہ، صدر، صدر انجمن احمدیہ پاکستان اور ایڈیشنل ناظر اعلیٰ محترم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب مورخہ 19 فروری 2002ء بروز منگل شام 5 بجے اپنی اقامت گاہ دارالصدر شمالی ربوہ میں بقضائے الٰہی وفات پا گئے۔ آپ کی عمر 83 سال تھی۔

اگلے دن مورخہ 20 فروری بعد نماز عصر بیت المبارک میں محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر مقامی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ نماز جنازہ کے بعد احاطہ مسجد مبارک میں احباب نے لائن بنا کر محترم چوہدری صاحب کا آخری دیدار کیا جس کے بعد جنازہ بہشتی مقبرہ لے جایا گیا۔ تدفین قطعہ خاص میں عمل میں آئی۔ قبر تیار ہونے کے بعد محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب نے دعا کرائی۔

محترم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب ان خوش نصیب خدام دین میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ، حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع (ایدہ اللہ تعالیٰ) کے دور خلافت میں جماعت احمدیہ کی اہم جماعتی ذمہ داریاں احسن رنگ میں ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

● ابتدائی و خاندانی حالات

محترم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب 20 اپریل 1919ء کو چک نمبر 33 جنوبی ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صاحب کا نام محترم شیر محمد صاحب تھا آپ کے خاندان میں سب سے پہلے آپ کے والد صاحب کو خلافت ثانیہ کے ابتداء میں قبول احمدیت کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس دور میں مرکز احمدیت قادیان سے احباب جماعت کی تربیت اور دعوت الی اللہ کی غرض سے آپ کے گاؤں میں جب احمدی علماء کرام تشریف لایا کرتے تھے تو آپ کے والد صاحب ان کی مہمان نوازی کرتے اور اپنے گھر ٹھہراتے ایک مرتبہ حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحبؓ آپ کے گھر میں 10 دن تک قیام فرما رہے۔

- **تعلیم اور ملازمت**

آپ نے اپنے چک کے قریبی چک نمبر 34 جنوبی ضلع سرگودھا میں مڈل تک تعلیم حاصل کی اورنویں جماعت میں قادیان میں داخلہ لیا۔اس دوران محترمہ والدہ صاحبہ کی وفات ہوگئی تو آپ کو دوبارہ گاؤں بلالیا گیا۔اور لالیاں کے ہوسٹل میں قیام کر کے یہاں سے ہی میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ بہاولپور گورنمنٹ کالج سے ایف اے پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج فیصل آباد سے 1939ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا۔آپ نے اپنی ملازمت کا آغاز سیالکوٹ سے کیا اور اپنے ننھیال کے پاس نارووال کے قریبی گاؤں دھرگ میانہ میں رہائش اختیار کی۔آپ کو دفتر ڈسٹرکٹ سیالکوٹ میں ملازمت مل گئی۔یہاں 4-3 ماہ تک کام کیا اور پھر دہلی میں ملازم ہو گئے۔

- **وقفِ زندگی**

1944ء میں آپ کو زندگی وقف کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آپ کو حضرت صوفی غلام صاحبؓ (ماریشس والے) کے پاس بغرض تعلیم وتربیت بھجوانا شروع کیا۔آپ وہاں دینی مسائل اور ماریشس کے ایمان افروز واقعات سنتے اور مستفید ہوتے۔

- **خدمات سلسلہ**

آپ کی پہلی تقرری 14 جنوری 1946ء کو لندن مشن میں بطور (نائب) امام بیت الفضل ہوئی تین سال تک وہاں کامیاب خدمات سرانجام دینے کے بعد 1949ء میں (واپس) تشریف لائے اور آپ کو اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری کی خدمات سپرد کی گئی۔ 1950ء میں آپ واپس انگلستان خدمت دین کے لئے تشریف لے گئے اور 1955ء تک بطور امام بیت الفضل لندن کام کرتے رہے۔محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر کے بیرون ملک تشریف لے جانے کی وجہ سے 1955ء میں آپ کچھ عرصہ تک قائمقام وکیل التبشیر رہے۔آپ کے مرکز سلسلہ ربوہ میں دیگر مختلف عہدہ جات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

☆ 6نومبر 1955ءتا29فروری1960ءنائب ناظر اصلاح وارشاد

☆ یکم مارچ1960ءتا یکم جولائی 1961ءایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد

☆ 2جولائی 1961ء تا30اپریل1969ء ناظر زراعت

☆ یکم مئی1969ءکوناظر تجارت وصنعت

☆ 1966ءتا1969ءپرائیویٹ سیکرٹری

☆ 2مئی 1971ءکوناظر امور عامہ

☆ 2مئی 1978ءکوناظر امور خارجہ بھی مقرر ہوئے

☆ 3اگست1983ءکوایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد تعلیم القرآن ووقف عارضی

☆ 7اگست1995ءکوایڈیشنل ناظر اعلیٰ (اس عہدہ پر تاوفات خدمات سرانجام دیں)

☆ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے ہمراہ بطور پرائیویٹ سیکرٹری1970ءمیں دورہ مغربی افریقہ اور 1973ءمیں دورہ افریقہ ویورپ جانے کا موقع ملا۔

☆ مکرم صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کی وفات کے بعد 11دسمبر 1997ءکوحضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے آپ کوصدر،صدر انجمن احمدیہ کا اہم عہدہ سپرد کیا تاوفات آپ اس عہدہ جلیلہ پرفائز رہے۔

نصف صدی سے زائد عرصہ میں آپ کونہایت اہم فرائض سرانجام دینے کا موقع ملا۔آپ کا خدمت دین سے بھرپور وقف بلاشبہ خلافت سے وابستگی ،نظام سلسلہ کی اطاعت اور انتھک محنت کا آئینہ دار ہے۔

● **اہلیہ واولاد**

آپ کی اہلیہ صاحبہ کا نام محترمہ مشتاق زہرہ صاحبہ بنت محترم چوہدری عنایت اللہ صاحب آف دھرگ میانہ نارووال ہے۔آپ خدا تعالیٰ کے فضل سے بقید حیات ہیں۔آپ کے تین بیٹے دو بیٹیاں ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1- محترم منیر احمد صاحب باجوہ امریکہ

2- محترم نصیر احمد صاحب باجوہ امریکہ

3- محترمہ فریدہ جمیل صاحبہ اہلیہ محترم چوہدری شفقت محمود صاحب اسلام آباد

4- محترمہ امتہ النصیر صاحبہ اہلیہ محترم سہیل احمد صاحب لاہور

5- محترم ڈاکٹر ظہیر احمد صاحب باجوہ واقف زندگی مقیم واشنگٹن امریکہ۔

اللہ تعالیٰ محترم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے، آپ کی کمی کو اپنے فضل سے پورا فرمائے۔ اہلیہ صاحبہ، اولاد اور دیگر عزیز و اقارب کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(الفضل 25 فروری 2002ء)

لندن میں نماز جنازہ غائب

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے آپ کی نماز جنازہ غائب مورخہ 28 فروری 2002ء کو بیت الفضل لندن میں پڑھائی۔ اس موقع پر آپ کا تعارف یوں ہوا۔

’’مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صدر، صدر انجمن احمدیہ ربوہ مورخہ 19 فروری کو ربوہ میں وفات پا گئے۔ آپ کی عمر 83 سال تھی۔

محترم چوہدری صاحب کو 57 سال تک مختلف حیثیتوں میں خدمات سلسلہ بجالانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ 1942ء میں زندگی وقف کی اور پھر آپ خلافت ثانیہ کے دور میں بطور امام بیت الفضل لندن، اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ، قائمقام وکیل التبشیر، ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد اور ناظر زراعت خدمات بجالاتے رہے۔

خلافت ثالثہ کے دور میں آپ کو ناظر زراعت، ناظر صنعت و تجارت، ناظر امور عامہ اور پرائیویٹ سیکرٹری کے طور پر خدمات کی توفیق ملی۔

خلافت رابعہ کے اس دور میں آپ بطور ایڈیشنل ناظر اعلیٰ اور پھر وفات تک صدر، صدر انجمن

احمد یہ پاکستان کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے۔

آپ ایک پُروقار، صاحب الرائے شخصیت کے مالک اور اخلاص و وفا کا عمدہ نمونہ تھے۔

آپ نے اپنی بیگم کے علاوہ تین بیٹے اور تین بیٹیاں یادگار چھوڑی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور محترم چوہدری صاحب کے درجات بلند فرمائے‘‘

(الفضل 5 مارچ 2002ء)

- مکرم چوہدری صاحب موصوف کے بیٹے مکرم ظہیر احمد باجوہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ ابا جان کی وفات پر خاکسار نے امریکہ سے پاکستان کا سفر Via لندن کیا۔

دل غمگین تھا خیال آیا کہ حضور سے ملتے جاتا ہوں۔ دل کو ڈھارس ہوگی۔ حضور سے جب شرف ملاقات حاصل ہوا تو حضور نے دیکھتے ہی مجھے مخاطب ہو کر فرمایا۔

’’باجوہ صاحب تو وفات پا گئے ہیں۔ امی کا اب خیال رکھنا‘‘

قراردادہائے تعزیت

آپ کی وفات پر مختلف دفاتر اور اداروں نے قرارداد ہائے تعزیت پاس کیں جو مختلف جماعتی اخبارات و رسائل میں شائع ہوئیں۔

صدر انجمن احمدیہ پاکستان نے درج ذیل قرارداد تعزیت پاس کر کے آپ کی خدمات، صلاحیتوں کو یوں خراج تحسین پیش کیا۔

مکرم و محترم چوہدری ظہور احمد باجوہ کی وفات پر صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی قرارداد تعزیت

ہم جملہ ممبران صدر انجمن احمدیہ پاکستان محترم جناب چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ صدر، صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی وفات پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، چوہدری صاحب مرحوم کی اہلیہ محترمہ، آپ کے بیٹوں، بیٹیوں اور دیگر اعزہ و اقارب سے دلی تعزیت کا اظہار کرتے

ہیں۔اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت کرے اور جنت الفردوس میں اپنے مقام قرب سے نوازے۔

محض خدا تعالیٰ کے فضل سے چوہدری صاحب کو کئی حیثیتوں سے خدمات سلسلہ کی توفیق وسعادت میسر آئی۔ 1942ء میں جب آپ حکومت ہند کے مرکزی سیکرٹریٹ میں ملازم تھے، آپ نے زندگی وقف کی جسے حضرت مصلح موعودؓ نے منظور فرمالیا۔اپریل 1945ء میں آپ کا تقرر بطور مربی ہوا۔دارالواقفین قادیان میں رہ کر تربیت پائی اور دسمبر 1945ء میں آپ کو بطور مبلغ انگلستان بھجوایا گیا جہاں جنوری 1946ء میں آپ امام بیت الفضل لندن مقرر ہوئے۔ فروری 1949ء میں واپس پاکستان تشریف لانے پر آپ کا تقرر بطور اسسٹنٹ پرائیوٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ہوا۔اس دوران آپ کو حضرت مصلح موعودؓ کے ساتھ سندھ اور کوئٹہ کے سفروں میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔

جنوری 1950ء میں آپ کی تبدیلی جامعۃ المبشرین میں بطور معلم و متعلم کی گئی۔ جون 1950 میں آپ دوبارہ بطور امام بیت الفضل لندن انگلستان تشریف لے گئے۔1955ء میں واپسی پر کچھ عرصہ بطور قائمقام وکیل التبشیر خدمات سرانجام دینے کے بعد آپ کی تبدیلی مستقل طور پر صدر انجمن احمدیہ میں کردی گئی اور حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ ناظر اصلاح وارشاد کے نائب کے طور پر آپ کا تقرر ہوا۔

صدر انجمن احمدیہ میں آپ کی خدمات کا دور لمبے عرصہ پر پھیلا ہوا ہے۔خلافت ثانیہ میں آپ قائمقام ناظر اصلاح وارشاد، ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد اور ناظر زراعت کے طور پر خدمات بجالاتے رہے۔

خلافت ثالثہ میں آپ کو ناظر زراعت، ناظر صنعت وتجارت اور پرائیویٹ سیکرٹری کے طور پر خدمات کی توفیق ملی، اس حیثیت میں آپ کو متعدد بیرونی ممالک کے سفروں میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی ہمراہی کا شرف بھی حاصل ہوا۔1971ء سے 1983ء تک آپ نے بحیثیت ناظر امور عامہ اور امور خارجہ خدمات سرانجام دیں اور 1974ء کے پرآشوب دور میں آپ نے نظارت امور عامہ سے متعلق ذمہ داریاں نہایت حسن وخوبی سے نبھائیں۔

1983ء سے 1995ء تک آپ ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد تعلیم القرآن ووقف عارضی رہے۔ اگست 1995ء میں آپ کا تقرر بطور ایڈیشنل ناظر اعلیٰ ہوا اور دسمبر 1997ء سے وفات تک آپ صدر، صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے طور پر خدمات بجالاتے رہے۔ آپ طویل عرصہ الشرکتہ الاسلامیہ کے مینجنگ ڈائریکٹر اور فضل عمر فاؤنڈیشن کے ڈائریکٹر رہے۔ 1984ء میں آپ کو اسیر راہ مولیٰ بننے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ قید کا عرصہ آپ نے بڑی جرات اور ہمت سے گزارا بلکہ آپ کا نمونہ دوسرے احمدی اسیران کے لئے ہمت افزائی کا موجب بنا۔ آپ کی نصف صدی سے زائد عرصہ پر ممتد خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ممبران صدر انجمن احمدیہ کے نام اپنے تعزیتی خط میں تحریر فرمایا۔

''محترم چوہدری صاحب انتہائی مخلص، فدائی اور بے لوث خدمت کرنے والے خادم دین تھے۔ جس رنگ میں انہوں نے سلسلہ کی خدمت کی ہے وہ قابل قدر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں اجر عظیم عطا فرمائے اور سلسلہ کو ان جیسے مخلص، فدائی خادم دین عطا فرمائے۔ آمین''

ہم ممبران صدر انجمن احمدیہ اپنے اس مخلص، فدائی رفیق کار کی وفات پر حضور، بیگم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ، آپ کے بیٹوں، بیٹیوں اور دیگر اعزہ و اقارب سے تعزیت کا اظہار کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور دین و دنیا میں ان کا حامی و ناصر ہو اور ہم سب کو سلسلہ کی بے لوث خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(ناظر اعلیٰ صدا نجمن احمدیہ)

(الفضل 15 مارچ 2002ء)

لجنہ کے آرگن ماہنامہ مصباح میں آپ کی وفات کی خبر

محترم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب صدر، صدر انجمن احمدیہ کی وفات

نصف صدی سے زائد عرصہ خدمت دین کا فریضہ ادا کرنے والے نہایت مخلص اور فدائی

بزرگ محترم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب مورخہ 19 فروری 2002ء کو وفات پا گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

محترم چوہدری صاحب صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے صدر، امام بیت الفضل، ایڈیشنل ناظر اعلیٰ، پرائیویٹ سیکرٹری اور ناظر امور عامہ کے علاوہ متعدد دیگر فرائض سرانجام دیتے رہے۔ آپ کی وفات ایک عظیم سانحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ محترم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔

ادارہ مصباح آپ کی وفات پر دلی تعزیت کا اظہار کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی بیگم صاحبہ بیٹوں و بیٹیوں اور دیگر پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا خراج عقیدت اور کتبہ

مکرم چوہدری صاحب موصوف کی وفات کے وقت حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ صاحب خود بیمار تھے اور خطبہ میں ذکر نہ کر پائے۔ تاہم صدر انجمن احمدیہ کے نام تعزیتی خط میں جن الفاظ میں خراج تحسین حضور نے مکرم چوہدری صاحب موصوف کو پیش فرمایا وہ خاندان باجوہ کے لئے ایک سرمایہ حیات ہے جو اس وقت کتبہ کی زینت ہے۔ کتبہ کی عبارت یوں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ

ولد چوہدری شیر محمد صاحب

صدر، صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ

دارالصدر شمالی۔ ربوہ

ولادت 1919ء پیدائشی احمدی

وفات 19 فروری 2002ء عمر 83 سال

نمبر وصیت 6579/19-02-1943

بحیثیت امام بیت الفضل لندن۔ ایڈیشنل ناظر اصلاح و ارشاد، ایڈیشنل ناظر تعلیم القرآن ووقف عارضی۔ناظرامورعامہ وپرائیویٹ سیکرٹری خدمت سلسلہ کی توفیق پائی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے ان کی وفات پر فرمایا

’’محترم چوہدری صاحب انتہائی مخلص۔فدائی اور بے لوث خدمت کرنے والے خادم دین تھے۔جس رنگ میں انہوں نے سلسلہ کی خدمت کی ہے وہ قابل قدر ہے۔اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔اور سلسلہ کو ان جیسے مخلص،فدائی خادم دین عطا فرمائے۔آمین‘‘

باب نمبر 16

اُذْکُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاکُمْ

خراج عقیدت

- حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
- مکرم حافظ مظفر احمد صاحب ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد مقامی
- مکرم چوہدری محمد علی صاحب وکیل التصنیف
- مکرم بشیر احمد خان صاحب رفیق سابق امام بیت الفضل
- مکرم نصر اللہ خان صاحب مرحوم ایم اے شاہد مربی سلسلہ
- مکرم محمد لطیف احمد صاحب اسسٹنٹ پرائیوٹ سیکرٹری
- مکرم سید کمال یوسف صاحب سابق مبلغ سکنڈے نیویا
- مولانا محمد اعظم اکسیر صاحب نگران شعبہ تخصص
- مکرم چوہدری رشید الدین صاحب سابق مربی سلسلہ
- مکرم پروفیسر محمد خالد گورائیہ صاحب نائب صدر عمومی
- مکرم انجینئر محمد سعید احمد سابق سیکرٹری وقف نو ضلع لاہور
- مکرم پروفیسر محمد سلطان اکبر صاحب آف امریکہ
- محترمہ شمیم ریاض صاحبہ بیگم کرنل ریاض ورک صاحب
- محترم ظہیر باجوہ صاحب۔ لخت جگر

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

مؤرخہ 17 نومبر 2007ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے لندن میں مکرم ظہیر احمد باجوہ ابن مکرم ظہور احمد باجوہ صاحب کی بیٹی کے نکاح کے اعلان میں مکرم باجوہ صاحب کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

''سندس ظہیر صاحبہ ظہیر احمد باجوہ صاحب کی بیٹی ہیں اور چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ کی پوتی، جو ایک زمانہ میں چالیس کی دہائی کے وسط میں یہاں بیت الفضل لندن میں مبلغ رہے ہیں۔ شمسی صاحب کے ساتھ بھی انہوں نے کام کیا ہے۔ اس کے بعد پاکستان میں مختلف مرکزی دفاتر میں رہے ہیں اور بڑی وفا اور اخلاص سے انہوں نے اپنا وقف نبھایا ہے۔ پھر خلیفہ رابعؒ نے ان کو (ایڈیشنل) ناظر اعلیٰ بنایا اور پھر صدر، صدر انجمن احمدیہ بنایا۔ باوجود تجربہ کار ہونے کے اور انجمن احمدیہ کے صدر ہونے کے ہمیشہ مجھ سے جب میں ناظر اعلیٰ تھا مشورہ کیا کرتے تھے اور اچھے مشورے دیا بھی کرتے تھے۔ کبھی یہ نہیں ہوا کہ میں صدر ہوں اس لئے میری مانو۔ آخری وقت میں بیماری بھی زیادہ تھی۔ لیکن باوجود بیماری کے بڑے اچھے طریقے سے اور عمدہ طریقے سے اجلاس کنڈکٹ کیا کرتے تھے۔ ظہیر باجوہ صاحب ان کے بیٹے ہیں اور یہ بھی واقف زندگی ہیں اور امریکہ میں جماعت کا کام کر رہے ہیں..........

اللہ تعالیٰ آئندہ بھی ان کی نسلوں کو جماعت سے وابستگی۔ خلافت سے وابستگی اور اللہ اور رسول کی کامل اطاعت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا کرے اور نیک نسلیں پیدا ہوں۔ آمین

مکرم حافظ مظفر احمد صاحب ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد مقامی

مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب مرحوم کی دینی خدمات کا سلسلہ امام بیت الفضل لندن سے لے کر صدر، صدر انجمن احمدیہ کے اعلیٰ ترین عہدہ تک طویل ہے۔ انہیں پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ، صدر انجمن احمدیہ میں بطور ناظر امور عامہ اور ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد

تعلیم القرآن ووقف عارضی خدمات کی توفیق ملی۔

مختلف مواقع پر قائمقام ناظر اعلیٰ کے طور پر بھی خدمات انجام دیتے رہے۔ حضرت خلیفة المسیح الثالثؒ کے ساتھ بیرون ممالک کے بعض سفروں میں بھی معیت کی توفیق ملی۔ مکرم باجوہ صاحب خلافت اور خاندان حضرت مسیح موعودؑ سے وفا اور محبت کا تعلق رکھنے والے تھے۔ آپ ایک سیدھے سادھے جاٹ صاف گو اور ہمدرد انسان تھے۔ ایک صاحب حیثیت زمیندار ہوتے ہوئے ہمیشہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے والے تھے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود طبیعت میں انکسار غالب تھا۔ خلافت کے ادب واحترام اور نظام سلسلہ کی روح کو خوب سمجھتے اور اس کا ادراک رکھتے تھے۔

خلافت ثالثہ میں ان کے ساتھ تفصیلی تعارف کا موقع 1981ء میں بہاولنگر کے ایک طویل سفر میں ہوا۔ جہاں چوہدری بشیر احمد باجوہ صاحب مرحوم کے بیٹے کی دعوت ولیمہ کی تقریب تھی اور حضرت مرزا طاہر احمد صاحب اس میں خصوصی طور پر مدعو تھے۔ بہاولنگر کے چولستان میں شکار وغیرہ کے پروگرام کے علاوہ دعوت ولیمہ کے موقع پر کثیر تعداد میں تشریف لائے ہوئے غیراز جماعت مہمانان سے انہوں نے خطاب بھی فرمانا تھا۔ حضرت میاں صاحب نے جب کسی دوسری مصروفیت کے باعث معذرت کی تو مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب کے ذمہ متبادل وفد لے کر جانے کی ذمہ داری سپرد ہوئی۔ انہوں نے استاذی المکرم ملک سیف الرحمن صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ مکرم بشیر احمد رفیق صاحب سابق امام بیت الفضل لندن اور خاکسار کو اپنے ہمراہ تیار کرلیا۔ اس طویل سفر کے لئے چوہدری فضل احمد ڈوگر صاحب کی ایک پرانی کار مستعار لی گئی۔ ڈرائیونگ کی خدمت مکرم بشیر احمد رفیق صاحب نے انجام دی اور ہمیں ان بزرگان کی معیت وصحبت میں ربوہ سے براستہ فیصل آباد، وہاڑی، حاصل پور، بہاولنگر تک آٹھ دس گھنٹے طویل سفر کا موقع میسر آیا۔

سفر میں انسان کے بے تکلف اخلاق کا مطالعہ آسان ہوتا ہے۔ مکرم چوہدری صاحب موصوف کو ایک کم گو، مرنجان مرنج اور ساتھیوں کا خیال رکھنے والا ہمدرد پایا۔ بہاولنگر پہنچنے کے اگلے

روز دعوت ولیمہ سے قبل قریب بارہ بجے دن وہ جلسہ سجا۔جس کا پروگرام خاکسار کی تقریر پر مشتمل تھا۔جس کے لئے موضوع حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عشق رسول تجویز ہوا۔ عاجز نے سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض واقعات کے علاوہ آپ کا منظوم فارسی اور اردو کلام بھی پیش کیا۔اور دیہاتی ماحول کی مناسبت سے بعض اشعار ترنم سے گا کر خاص لَے میں پڑھے۔

محترم باجوہ صاحب نے کمال ہمدردی سے علیحدگی میں جہاں اس تقریر کی حوصلہ افزائی کی وہاں اپنی اس بے لاگ رائے کا بھی اظہار کیا کہ تقریر میں اشعار گا گا کر پڑھنا غیروں کا طریق ہے۔ ہمارے باذوق سنجیدہ علمی ماحول میں پسندیدہ نہیں۔اسے اختیار کرنے میں احتیاط ہی کرنی چاہئے۔ یہ بات ہمدردی کے علاوہ ان کے نفیس مذاق اور صاف گوئی کو بھی ظاہر کرتی تھی۔میں نے عرض کیا کہ وہاں دیہاتی ماحول کی مناسبت سے یہ انداز تھا ورنہ علمی تقاریر میں مجھے بھی بطریق پسند نہیں اس پر مطمئن ہو گئے۔اور ان کی یہ نصیحت بعد میں بھی میرے کام آتی رہی۔اس سفر کی دیگر باتیں اور روداد اپنی جگہ دلچسپ ہے۔جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں مگر یہ بات اہم ہے کہ ان تمام بزرگوں نے اس عاجز سے عمر کے غیر معمولی تفاوت کے باوجود اس سارے سفر میں کسی بوریت کا احساس نہیں ہونے دیا بلکہ لطائف کی پھلجھڑیوں میں یہ خوشگوار اور یادگار سفر آنکھ جھپکنے میں کٹ گیا۔

بعد میں خاکسار کے ساتھ مکرم باجوہ صاحب کی ہمدردی اور ذاتی تعلق کا اظہار اس طرح بھی ہوا کہ شادی کے بعد والدین کے ساتھ مشترکہ رہائش رکھنے میں بعض خانگی الجھنیں اور پریشانیاں سامنے آئیں تو محترم باجوہ صاحب نے یہ بے لاگ مشورہ دیا کہ ایسی صورت میں اختلاف سے بچنے کی خاطر الگ رہائش اختیار کرنا زیادہ مناسب ہے۔ مجھے تعجب بھی ہوا کہ ایک جاٹ ہوتے ہوئے (جو مشترکہ خاندانی نظام کے عادی ہوتے ہیں) بظاہر یہ مشورہ اپنے دیہاتی دستور کے برعکس تھا۔ مگر بعد میں اندازہ ہوا کہ جماعتی، دینی مزاج ان کے دیگر رجحانات پر ایسا غالب تھا کہ اسی کے رنگ میں وہ رنگین تھے۔

محترم باجوہ صاحب کے خلافت کے ادب واحترام کے تقاضے بھی بہت بلند تھے۔ایک دفعہ ذکر فرمایا کہ بیٹے ظہیر نے حضور سے بیٹی کا نام رکھوانے کے متعلق مشورہ کیا تو باجوہ صاحب فرمانے

لگے کہ حضور کے بے شمار اہم دینی کام اور مصروفیات ہوتے ہیں نام خود تجویز کر کے حضور سے برکت کی دعا لے لینی چاہیے۔

جن دنوں آپ صدر، صدر انجمن احمدیہ تھے۔ایک روز مجھے اپنے دفتر یاد کیا۔ خاکسار اس وقت ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد دعوت الی اللہ کے فرائض ادا کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے سسرال کے گاؤں دھرگ میانہ ضلع نارووال میں جماعت کچھ کمزور ہو چکی ہے۔ میرے سسر مرحوم علاقہ کے بڑے بااثر زمیندار اور بڑے مخلص اور دبنگ احمدی تھے مگر بعد میں ان کے بیٹے سیاست وغیرہ میں پڑ گئے اور جماعتی رابطہ کمزور ہو رہا ہے۔اس لئے میری خواہش ہے کہ کسی روز ہم وہاں جانے کا پروگرام بنائیں اور ایک جلسہ سیرت النبی کیا جائے تا کہ مقامی لوگوں پر نیک اثر ہو، کمزور احمدیوں کو حوصلہ ہو اور ہمارے نسبتی بھائیوں کا بھی جماعت سے رابطہ بہتر ہو جائے۔ چنانچہ دن مقرر ہو گیا اور ربوہ سے ہم دو گاڑیوں میں دھرگ میانہ کے لئے روانہ ہوئے۔ محترم باجوہ صاحب مع بیگم صاحبہ الگ گاڑی میں اور خاکسار اپنے دفتر کی گاڑی میں تھا۔ پہلے ہم محترم باجوہ صاحب کے سسرال پہنچے پھر آپ ہی کے زیر صدارت سیرت النبیؐ کے موضوع پر جلسہ ہوا جس میں خاکسار نے تقریر کی۔ گاؤں میں باجوہ صاحب کے سسرالی خاندان کے اثر کی وجہ سے یہ جلسہ کھلے عام لاؤڈ سپیکر پر کیا گیا۔جس میں غیر از جماعت بھی شامل تھے۔ ان سب کو کھانے کی دعوت میں شریک کیا گیا اور اس کا بہت عمدہ اثر ہوا۔

محترم باجوہ صاحب کو صلہ رحمی کے ساتھ کمزور جماعتوں سے رابطے اور وہاں جماعت کے وقار کی بحالی کا کتنا خیال تھا۔ الغرض محترم باجوہ صاحب مرحوم گوناگوں خوبیوں کے مالک تھے۔جن کا احاطہ میرے آپ سے مختصر رابطہ کے باعث ممکن نہیں۔مگر جتنا رابطہ آپ سے رہا اس میں آپ کو ہمیشہ سلسلہ کا مخلص اور خلافت کا اطاعت گزار اور محبت کرنے والا منکسر المزاج اور باوفا خادم جماعت پایا۔ اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ان کی اولاد کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرماتے ہوئے ان کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

مکرم چوہدری محمد علی صاحب وکیل التصنیف

مجھے آپ کو بہت قریب سے دیکھنے اور پڑھنے کا موقع ملا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یورپ اور افریقہ کے دوسفروں میں ہم دونوں کو ہم رکاب ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ بطور پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔ میں نے دیکھا کہ آپ بڑے حوصلے والے انسان تھے۔ زندگی بہت منظم تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ اعتماد کا کام آپ سے لیا کرتے تھے۔ اور آپ بہت سرعت کے ساتھ مفوضہ کام سرانجام دے دیتے تھے۔ حافظہ بھی کمال کا تھا ایک دفعہ حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمشنر صاحب کے پاس کسی کام کے لئے بھیجا۔ ملاقات بہت لمبی تھی واپسی پر آپ نے آدھ گھنٹہ کے لگ بھگ رپورٹ زبانی ہی حضور کو دے دی۔ میں حیران تھا کہ اتنی لمبی ملاقات اور تمام رپورٹ زبانی اور فرفر دے رہے ہیں۔ آپ کو ایک دورہ یورپ میں کار حادثہ میں شدید چوٹیں آئیں ہسپتال میں داخل کروانا پڑا اس موقع پر مکرم باجوہ صاحب ہمیں حوصلہ دیتے رہے۔

آپ کی بہت سی خوبیوں میں سے ایک یہ خوبی تھی کہ آپ شگفتہ مذاق کرتے تھے اور مذاق کو برداشت کرنے کا مادہ بھی تھا۔ میں برملا کہہ سکتا ہوں۔

He could make joke and he could take joke

مکرم بشیر احمد رفیق صاحب سابق امام بیت الفضل لندن حال شکاگو

یہ 1945 کی بات ہے۔ میں ان دنوں تعلیم الاسلام ہائی سکول کا طالب علم تھا اور مجلس خدام الاحمدیہ قادیان کا ممبر بھی تھا۔ ایک دن سکول میں یہ اعلان ہوا کہ مربیان جو یورپین ممالک میں اشاعت دین کے لئے بھجوائے جارہے ہیں کے اعزاز میں ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا ہے۔ جو طلباء اس میں شامل ہونا چاہیں وہ وقت مقررہ پر خدام الاحمدیہ کے مرکزی دفاتر کے خوبصورت اور سبز وشاداب لان میں پہنچ جائیں۔ خاکسار اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ اس بابرکت تقریب میں شامل ہوا۔ اسٹیج پر مربیان کرام سبز پگڑیاں پہنے ہوئے تشریف فرما تھے۔ میں نے محترم ظہور احمد باجوہ صاحب کو پہلی مرتبہ وہاں دیکھا۔ حضرت مصلح موعودؓ بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ آپ

نے ایک ولولہ انگیز خطاب سے سامعین کو نوازا اور فرمایا کہ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ خواہ ہمیں کتنی بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ ہم انشاء اللہ اسلام کا جھنڈا یورپ میں گاڑیں گے۔ اور یورپ کو اسلام کی آغوش میں لا کر ہی دم لیں گے۔ حضورؓ نے فرمایا کہ یہ مربیان اسلام یورپ کی فتح میں ہراول دستہ کا کام دیں گے۔

جناب ظہور احمد صاحب باجوہ کو اللہ تعالیٰ نے مردانہ حسن سے مالا مال کر رکھا تھا۔ آپ کے سر پر سبز پگڑی بہت بھلی لگ رہی تھی۔ میں یہ سارا وقت ان کی قسمتوں پر رشک کرتا رہا۔ جنہیں اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں ہراول دستہ کا خطاب ملا تھا۔ غالباً دسمبر 1945ء میں مربیان کا یہ قافلہ قادیان ریلوے اسٹیشن سے عازم یورپ ہوا۔ اس دن ان مربیان کو رخصت کرنے کے لئے قادیان کے احمدیوں کی ایک کثیر تعداد اسٹیشن پر موجود تھی۔ ان دنوں یورپ کی طرف جانے والے لوگوں کو رخصت کرتے وقت بہت رقت انگیز مناظر ہوتے تھے۔ اس سفر کو سات سمندر پار کا نام دیا جاتا تھا۔ نعرہ ہائے تکبیر کی گونج میں ان مجاہدین کو رخصت کیا گیا۔ ان مربیان کی اور عوام کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ لیکن دوسری طرف یہ اطمینان بھی تھا کہ قادیان کی اس چھوٹی سی بستی سے مسیح محمدی کے پروانے یورپ پر یلغار کرنے کے لئے جا رہے ہیں۔ بظاہر تو بے سروسامان تھے۔ لیکن اللہ کی تائید ان کو حاصل تھی۔ خاکسار بھی الوداع کہنے والوں میں شامل تھا۔ فالحمد للہ!

خاکسار پارٹیشن کے بعد تعلیم الاسلام کالج لاہور میں داخل ہو گیا اور 1953ء میں بی اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد جامعۃ المبشرین میں داخل ہو گیا۔ 1958ء میں خاکسار نے جامعہ سے شاہد کا امتحان پاس کیا۔ ان دونوں یہ طریق تھا کہ جامعہ سے کامیاب ہونے والے طلباء کو ایک انٹرویو بورڈ کے سامنے پیش ہونا ہوتا تھا جو اس بات کا فیصلہ کرتی تھی کہ طلبا کو تحریک جدید اور صدر انجمن کے درمیان بانٹا جائے۔ تحریک جدید کے سپرد ہونے والے طلباء عموماً بیرون ممالک خدمات سرانجام دیتے تھے۔ اور صدر انجمن کے حصہ میں آنے والے طلبا عموماً پاکستان میں خدمات بجا لاتے تھے۔

میں بھی اس بورڈ کے سامنے پیش ہوا۔ بورڈ میں حضرت مولانا درد صاحب، حضرت چوہدری

مشتاق احمد باجوہ صاحب اور حضرت چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب شامل تھے۔ کچھ سوال و جواب کے بعد مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب نے فرمایا انہیں تحریک جدید کے سپرد کیا جائے۔ باقی دو ممبران نے بھی ان کی رائے سے اتفاق کیا اور خاکسار تحریک جدید کے سپرد ہوا۔ بعد میں محترم باجوہ صاحب اکثر مجھے فرمایا کرتے تھے کہ تمہارا انتخاب میں نے کیا تھا۔

اب میں ایک عظیم احسان کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو حضرت باجوہ صاحب نے اس عاجز پر کیا اور جو میں کبھی بھی نہیں بھول سکتا۔ میری زبردست خواہش تھی کہ لندن کے لئے میری اہلیہ بھی میرے ساتھ جائے۔ ان دنوں پہلی دفعہ بیرون ممالک جانے والے مربیان کے ساتھ فیملی نہیں بھجوائی جاتی تھی۔ میں نے دعاؤں اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں درخواستوں کے ذریعہ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ لے جانے میں کامیابی حاصل کر لی اور ہم دونوں میاں بیوی جانے کی تیاریوں میں لگ گئے۔

لندن کے لئے روانہ ہونے سے چند دن پہلے اچانک مجھے حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب مرحوم وکیل التبشیر نے کیا فرمایا۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ امام مسجد لندن نے لکھا ہے کہ ہمارا بجٹ اس بات کا متحمل نہیں ہوسکتا کہ بشیر احمد رفیق مع فیملی یہاں آئے۔ اس لئے فی الحال انہیں اکیلے بھجوایا جائے۔ حضرت میاں صاحب نے فرمایا کہ چونکہ امام صاحب کے فرمانے کے مطابق بجٹ میں گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے تمہارے ساتھ تمہاری فیملی بھجوائے جانے کا اجازت نامہ منسوخ کیا جاتا ہے۔ مجھے یہ سن کر شدید صدمہ ہوا۔ میں حضرت میاں صاحب کے دفتر سے نہایت پریشانی کی حالت میں نکلا۔ باہر سڑک پر حضرت باجوہ صاحب سائیکل پر سوار اپنے دفتر کو تشریف لے جارہے تھے۔ مجھے دیکھا تو سائیکل سے اتر پڑے اور میری پریشانی کا جو میرے چہرے سے ٹپک رہی تھی کا سبب دریافت فرمایا۔ خاکسار نے ساری بات بتا دی۔ حضرت باجوہ صاحب نے فرمایا۔ آؤ میاں صاحب سے بات کرتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ چل پڑا۔ وہ مجھے ساتھ لے کر حضرت میاں صاحب کے دفتر میں داخل ہوئے۔ محترم باجوہ

صاحب نے حضرت میاں صاحب سے فرمایا کہ مجھے رفیق صاحب نے بتایا ہے کہ امام مسجد لندن نے اس بنا پر ان کی فیملی کو ساتھ لے جانے پر اعتراض کیا ہے کہ بجٹ میں گنجائش نہیں ہے۔ مکرم باجوہ صاحب نے فرمایا کہ امام صاحب کو غلطی لگی ہے۔ انہوں نے بجٹ کا بغور مطالعہ کئے بغیر لکھ دیا ہے کہ گنجائش نہیں ہے۔ میں لمبے عرصہ تک وہاں امام رہا ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ رفیق صاحب کی فیملی کے وہاں رہائش پذیر ہونے سے بجٹ پر کوئی خاص اثر نہیں پڑے گا۔ نیز اس کے وہاں جانے کی صورت میں لازماً چندہ جات بڑھیں گے۔ محترم امام صاحب وہاں اکیلے کام کر رہے ہیں ۔ان کو بشیر احمد رفیق کی صورت میں نائب امام مل جائے گا تو یقیناً چندہ جات میں اضافہ ہوگا محترم باجوہ صاحب نے میرا کیس اس قدر مدلل طور پر پیش کیا کہ حضرت میاں صاحب نرم پڑ گئے محترم باجوہ صاحب نے عرض کیا کہ آپ انگلستان مشن کا بجٹ منگوائیں۔ میں اس سے یہ ثابت کر دوں گا کہ اس کی فیملی کے جانے سے بجٹ پر کوئی بوجھ نہیں پڑے گا۔ حضرت میاں صاحب نے وکالت مال سے بجٹ منگوایا۔ محترم باجوہ صاحب نے تفصیل سے یہ ثابت کیا کہ وہاں ایک مربی کی فیملی کے لئے بجٹ میں گنجائش موجود ہے۔ حضرت میاں صاحب نے اپنے ایک نائب کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ بشیر احمد رفیق کی فیملی ان کے ساتھ ہی جائے گی۔ اس لئے اس کے مطابق انتظامات کئے جائیں۔

ہم دفتر سے باہر نکلے تو محترم باجوہ صاحب نے مجھے گلے لگایا اور فرمایا کہ میں نے ہی تحریک جدید میں بھجوائے جانے کے لئے تمہارا انتخاب کیا تھا اور آج مجھے خدا تعالیٰ نے توفیق دی کہ تمہاری فیملی کو تمہارے ساتھ بھجوانے میں کردار ادا کروں۔ میں حضرت باجوہ صاحب کا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکتا اور میرا دل ہمیشہ ان کے لئے جذبات تشکر اور دعا سے معمور رہتا ہے۔ میں ایک لمبے عرصہ تک انگلستان خدمات سرانجام دیتا رہا اور اس عرصہ میں حضرت باجوہ صاحب سے ملاقات نہیں ہوسکی۔ 1970ء میں حضرت خلیفہ ثالثؒ نے اس عاجز کو انگلستان سے واپس بلا کر نائب پرائیویٹ سیکرٹری مقرر فرمایا۔ حضرت باجوہ صاحب پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔ میں ان کی

خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے میرا پرتپاک استقبال کیا۔ چند ہفتوں کی رخصت کے بعد میں نے آپ کی خدمت میں حاضری دی۔ میں بہت گھبرایا ہوا تھا۔ کہ اتنی اہم ذمہ داری میں کیسے نباہ سکوں گا۔ حضرت باجوہ صاحب نے میری رہنمائی کی۔ مجھے سارا کام سمجھایا۔ اور مجھے اپنے دفتر میں بٹھایا۔ چند دنوں کے بعد محترم باجوہ صاحب کو ناظر زراعت مقرر کر دیا گیا اور خاکسار ان کی جگہ پرائیویٹ سیکرٹری مقرر ہوا۔ میری گھبراہٹ اور پریشانی کو دیکھتے ہوئے ایک دن محترم باجوہ صاحب مجھے اپنے دفتر لے گئے۔ اور چند گھنٹے لگا کر مجھے تفصیل سے ہدایات دیں۔ حضورؒ کے طریق کار سے آگاہ کیا۔ پرائیویٹ سیکرٹری آفس کے عملہ کے بارے میں مجھے بیش بہا معلومات فراہم کیں۔ اور فرمایا کہ اللہ پر توکل کر کے اپنے کام کا آغاز کرو۔ جہاں تمہیں کوئی مشکل پیش آئے فوراً مجھ سے رابطہ کر کے مجھ سے مشورہ کر لیا کرو۔

ربوہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ روزانہ بعد نماز عصر اپنی زمینوں پر تشریف لے جاتے تھے۔ اور وہاں دو تین گھنٹے زمینوں پر گھوم پھر کر مزارعین کو ہدایات جاری فرماتے تھے۔ خاکسار اس دوران قافلہ کے لئے چائے پانی وغیرہ کے انتظامات کرتا تھا۔ حضور روزانہ مجھے چند بزرگان کی فہرست دیا کرتے تھے۔ تا میں انہیں حضورؒ کی طرف سے شام کی محفل کے لئے مدعو کروں۔ اس فہرست میں حضرت باجوہ صاحب مستقلاً شامل ہوتے تھے۔ حضورؒ زمینوں پر کاشت وغیرہ کے سلسلہ میں محترم باجوہ صاحب سے مشورہ کرتے تھے اور پھر ہدایات جاری فرماتے تھے۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ حضور کو حضرت باجوہ صاحب سے بہت محبت ہے۔ حضور ان کی باتوں کو غور سے سنتے تھے۔

یہ سلسلہ میرے پرائیویٹ سیکرٹری ہونے تک جاری رہا۔ ممکن ہے بعد میں بھی جاری رہا ہو۔

میں ڈیڑھ سال پرائیویٹ سیکرٹری کے فرائض سرانجام دینے کے بعد دوبارہ بطور امام بیت الفضل لندن روانہ ہوا۔ لندن میں بیت الفضل کے قریب روٹری کلب آف وانڈز ورتھ کے اجلاسات ہوا کرتے تھے۔ حضرت خان صاحب فرزند علی خان صاحب سے لے کر خاکسار تک تمام امام صاحبان اس کے ممبر رہے تھے۔ کلب میں ایک عمر رسیدہ انگیز مسٹر ریمنڈ کنگ

(Raymond King) ہوا کرتے تھے۔ساری عمر محکمہ تعلیم میں گزاری تھی اور ایک سکول سے ہیڈ ماسٹر ریٹائر ہوئے تھے۔ یہ اکثر مجھے سابقہ امام صاحبان کے بارہ میں بتایا کرتے تھے۔ ایک دن میں نے ان سے حضرت ظہور احمد باجوہ صاحب کے بارہ میں دریافت کیا تو مسٹر کنگ کہنے لگے۔ مجھے محترم باجوہ صاحب کے روٹری کلب کا دورہ اچھی طرح یاد ہے۔ وہ نہایت خوش شکل اور اچھے قد و قامت کے انسان تھے۔ ان کے جسم پر سوٹ بہت سجتا تھا۔ وہ کلب کی میٹنگز میں سوٹ میں ملبوس ہو کر آیا کرتے تھے۔ مسٹر کلنگ نے کہا کہ محترم باجوہ صاحب کو انگریزی تمدن، طرز بودو باش اور انگلستان کی تاریخ پر عبور حاصل تھا۔ نہایت شستہ انگریزی بولتے تھے اور کلب میں بے حد مقبول تھے۔ میں مسٹر کنگ کی زبانی محترم باجوہ صاحب کی تعریف سن کر بہت خوش ہوا۔

انگلستان میں ایک دوست جناب عبدالعزیز دین صاحب ہوا کرتے تھے۔ یہ 1928ء میں لندن آئے تھے۔ اور اکثر امام صاحبان کے ساتھ نہایت خلوص کا تعلق رکھتے تھے اور اکثر مجھے سابق امام صاحبان کی باتیں سنایا کرتے تھے۔ ایک دن باتوں باتوں میں محترم باجوہ صاحب کا ذکر خیر آ گیا۔ عبدالعزیز دین صاحب نے فرمایا۔ محترم باجوہ صاحب نہایت غیرت مند انسان تھے۔ خلافت احمدیہ سے عشقیہ تعلق رکھتے تھے۔ اطاعت ان کا خاصہ تھا۔ محترم عزیز دین صاحب فرمانے لگے کہ ایک دن محترم باجوہ صاحب نے مجھے کہا کہ احاطہ میلر وز روڈ کے ایک فلیٹ میں ایک فیملی کرایہ دار ہے۔ جس نے پچھلے چھ ماہ سے فلیٹ کا کرایہ ادا نہیں کیا۔ اور اسطرح سلسلہ کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ میں نے کئی دوستوں کو ان کی طرف بھیجا ہے کہ وہ انہیں سمجھائیں اور کرایہ ادا کرنے پر آمادہ کریں۔ لیکن وہ بجائے اپنی اصلاح کر کے کرایہ ادا کرنے کے ان دوستوں سے بدتمیزی سے پیش آتے ہیں۔ تم میرے ساتھ تو چلو۔ تاکہ اس کو سمجھائیں۔ مکرم عزیز دین صاحب فرمانے لگے کہ میں حضرت باجوہ صاحب کے ساتھ اس فلیٹ پر گیا اور گھنٹی بجائی تو کرایہ دار صاحب باہر آ گئے۔ اور حسب سابق بدتمیزی کا مظاہرہ کرنے لگے محترم باجوہ صاحب جو عام طور پر پرسکون طبیعت مالک تھے کا رنگ سرخ ہو گیا۔ اور آپ نے بڑی گرج دار آواز میں کرایہ دار کو مخاطب کر کے فرمایا۔

دیکھو اگر یہ فلیٹ میرا ہوتا تو میں بخوشی تمہیں اس میں بغیر کرایہ کے رہنے دیتا لیکن یہ سلسلہ عالیہ کی جائیداد ہے اور میں انگلستان میں سلسلہ کی جائیداد کا نگران ہوں اور کسی صورت میں بھی سلسلہ کا نقصان برداشت نہیں کرسکتا۔ اس لئے میں تمہیں الٹی میٹم دیتا ہوں کہ اگر کل تک تم نے کرایہ ادا نہ کیا۔ تو میں خود آکر تمہارا سامان باہر پھینک دوں گا۔ حضرت باجوہ صاحب نے یہ باتیں کچھ اس انداز میں کیں کہ کرایہ دار نرم پڑ گیا اور کہا کہ باجوہ صاحب! میں کل آکر آپ کو کرایہ کی ساری رقم ادا کردوں گا۔

محترم باجوہ صاحب جب تک انگلستان میں رہے آپ کو دمہ کی شدید شکایت رہی۔ آپ اس کا علاج کروا رہے تھے کہ ایک دن آپ کو وکالت تبشیر سے حکم موصول ہوا کہ حضورؓ نے آپ کی واپسی کے احکامات جاری کئے ہیں۔ اس لئے آپ فوراً پاکستان کے لئے روانہ ہو جائیں۔ محترم باجوہ صاحب نے اس خط کا ذکر کسی سے نہیں کیا اور سیدھے تھامس کک (Thomas Cook) کے دفتر میں پہنچ کر اپنی سیٹیں بک کروالیں۔ اس شام کو محترم عبدالعزیز صاحب مشن میں حضرت باجوہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو باجوہ صاحب نے ان کو تبشیر سے آمدہ حکم کے بارہ میں اور سیٹیں بک کرانے کا ذکر کیا۔ جناب عبدالعزیز دین صاحب نے کہا۔ باجوہ صاحب! آپ کو جانے کی اتنی کیا جلدی تھی۔ آپ کا علاج ہو رہا ہے۔ آپ کے بال بچے بھی آپ کے پاس ہیں۔ بچوں کو مڈٹرم میں سکول سے اٹھانا بھی مناسب نہیں۔ آپ تبشیر سے کچھ عرصہ کی مہلت بھی تو لے سکتے تھے۔ آپ نے کیوں اتنی جلدی کی۔ حضرت باجوہ صاحب نے فرمایا۔ عزیز صاحب! جب حضور نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ فوراً واپس آجاؤ تو اس میں کسی قسم کی چون و چرا کی گنجائش کہاں ہے اور میں نے تو اپنی سیٹیں بک کرانے میں جلدی اس لئے کی ہے تا مجھے جماعت کے دوست غلط مشورے دے کر میرے عزم کو متزلزل نہ کریں۔ خلیفہ وقت کا حکم باقی سب پر حاوی ہے۔ بھلا میں ایک واقف زندگی ہو کر ان کے حکم سے سرتابی کیسے کرسکتا تھا۔ یہ تھا اطاعت کا اعلیٰ نمونہ جسے حضرت باجوہ صاحب نے قائم کیا۔ اور آئندہ آنے والے مربیان کے لئے اطاعت امام کا سبق اپنے عمل

سے پڑھایا۔ اللہ تعالیٰ اس مردمومن، خلافت کے فدائی، اسلام کے جاں نثار سپاہی پر اپنی رحمتوں کی بارشیں نازل فرمائے۔ آمین!

1980ء میں یہ عاجز مستقلاً ربوہ تحریک جدید میں حاضر ہوا محترم باجوہ صاحب کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے بہت ساری ہدایات دیں جو بعد میں میرے لئے مشعل راہ ثابت ہوئیں۔ میں نے ربوہ میں اپنے لئے ایک آرام دہ مکان بنایا اور اس میں منتقل ہو گیا۔ محترم باجوہ صاحب گاہے بگاہے میرے گھر تشریف لاتے اور میرے ساتھ کافی نوش فرماتے۔ یہ سلسلہ ایک عرصہ تک جاری رہا۔ انہی دنوں کی بات ہے کہ ایک دن میرے دروازہ پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو باہر ایک معزز شخص کو کھڑا پایا۔ انہوں نے اپنا تعارف کرایا اور بتایا کہ وہ اسٹنٹ کمشنر ہیں اور ربوہ ان کے حلقہ میں شامل ہے۔ میں انہیں اندر لے گیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ کبھی انگلستان نہیں گئے۔ کسی نے بتایا کہ انگلستان میں ایک لمبے عرصہ تک قیام پذیر ہونے کے بعد ایک شخص یہاں رہتا ہے تو مجھے شوق ہوا کہ میں تم سے ملوں اور انگلستان کے بارہ میں معلومات حاصل کروں کمشنر صاحب اس کے بعد جب بھی دورہ پر ربوہ آتے تو ضرور میرے گھر تشریف لاتے۔ ایک دو مرتبہ اپنی فیملی کو بھی ساتھ لائے۔ ان دنوں حضرت باجوہ صاحب ناظر امور عامہ تھے۔ میں انہیں ان ملاقاتوں کی اطلاعات دیتا تھا تا کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ دو ایک مرتبہ حضرت باجوہ صاحب نے بھی کمشنر صاحب کی اپنے گھر پر دعوت کی اور مجھے بھی حاضر ہونے کا ارشاد فرمایا۔ کمشنر صاحب حضرت باجوہ صاحب سے بے حد متاثر تھے اور آپ کے اخلاق عالیہ اور مہمان نوازی کا ذکر مجھے بھی کیا کرتے تھے۔

انہی دنوں کی بات ہے کہ اچانک ایک دن حضرت باجوہ صاحب کے گھر پر چھاپہ پڑا۔ اور حضرت باجوہ صاحب کو گرفتار کر لیا گیا۔ F. I . R اسٹنٹ کمشنر صاحب نے درج کرائی تھی اور اس میں لکھا گیا تھا کہ حضرت باجوہ صاحب کے گھر سے ضبط شدہ لٹریچر برآمد ہوا ہے۔ یہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ حضرت باجوہ صاحب ناظر امور عامہ کے علاوہ سرگودھا کے ایک متمول زمیندار خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ وسیع زرعی جائداد کے مالک تھے اور اپنے علاقہ میں بہت

اثر رسوخ رکھتے تھے۔ان کے تمام بھائی فوج اور انتظامیہ میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔

یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح ربوہ میں پھیل گئی اور حضرت باجوہ صاحب کے دوست احباب پر اداسی چھا گئی۔ مجھے بار بار یہ خیال آتا رہا کہ یہ شخص جو سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوا تھا۔ جو اپنے والدین کے بڑے بیٹے ہونے کے ناطے ناز و نعم سے پلا بڑھا تھا۔جس نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنی زندگی راہ مولیٰ میں قربانی کے لئے پیش کر دی تھی۔ جو انگلستان میں سالہا سال اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے علاوہ پاکستان کے نام کو بھی اجاگر کرنے میں نمایاں کردار ادا کرتا رہا تھا۔آج ایک سراسر جھوٹے مقدمہ میں جیل کی سلاخوں کے پیچھے بند ہے۔اس کا وقت کیسے گزرتا ہوگا۔ وہ جیل کی صعوبتیں کیسے برداشت کر رہا ہوگا۔خیر کچھ عرصہ کے بعد حضرت باجوہ صاحب کو ضمانت پر رہائی ملی۔آپ ربوہ آئے تو آپ کا شاندار استقبال کیا گیا۔اگلے ہی دن حضرت باجوہ صاحب میرے غریب خانہ پر تشریف لائے۔کافی کا دور چلا۔حضرت باجوہ صاحب اپنے قید و بند کے قصے سناتے رہے۔رخصت ہوتے وقت مکرم باجوہ صاحب نے فرمایا کہ مجوکہ صاحب یعنی اسسٹنٹ کمشنر تو ہم دونوں کے دوست ہیں۔لیکن تم سے اس کے تعلقات زیادہ ہیں۔تم کسی وقت اس سے معلوم تو کرو کہ اس نے میرے خلاف یہ جھوٹا مقدمہ کیوں بنایا۔ میں نے عرض کیا کہ میں ایک دو دن میں ان سے ملاقات کر کے اصل حقیقت جاننے کی کوشش کروں گا۔

دو چار دن کے بعد میں چنیوٹ اے سی اصاحب کے بنگلہ پر حاضر ہوا۔ وہ اپنے وسیع و عریض لان میں اپنے حواریوں کی جلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور مجھے اپنے ساتھ بٹھا کر سب حواریوں کو کہا۔ کہ اب آپ لوگ چلے جائیں میں نے ان سے ضروری باتیں کرنی ہیں۔ جب سب لوگ چلے گئے۔تو اے سی صاحب فرمانے لگے۔رفیق صاحب مجھے معلوم ہے آپ کیوں میرے پاس آئے ہیں۔لیکن قبل اس کے کہ آپ کوئی بات کریں میری بات سن لیں۔مجوکہ صاحب فرمانے لگے ایک دن مجھے کمشنر صاحب کی طرف سے ایک لکھی لکھائی F.I.R ملی جس میں درج تھا کہ میں نے مکرم باجوہ صاحب کے گھر پر چھاپہ مار کر ان کے گھر سے

ضبط شدہ لٹریچر برآمد کیا ہے۔میں F.I.R پڑھ کر ششدر رہ گیا۔میں نے تو کوئی چھاپہ نہیں مارا تھا۔پھر باجوہ صاحب میرے محسن اور دوست بھی تھے۔میں ان کے متعلق اتنا بڑا جھوٹ کیسے بول سکتا تھا۔ چنانچہ میں فور جھنگ میں کمشنر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔اور جھوٹے F.I.R پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔کمشنر صاحب نے کہا۔مجوکہ صاحب یہ احکام بالا احکام کی طرف سے آئے ہیں۔آپ یا تو ان پر دستخط کر کے باجوہ صاحب کو گرفتار کریں یا پھر یہ سمجھیں کہ آپ کی ملازمت ختم ہے۔میں سوچ میں پڑ گیا۔کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔بالآخر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ مجھے اپنی نوکری بچانی چاہیے۔خواہ اس کے لئے اپنے ایک مشفق دوست کی بھی قربانی دینی پڑے۔ چنانچہ میں نے دستخط کر دیئے اور اگلے دن باجوہ صاحب کو گرفتار کر لیا گیا۔

مجوکہ صاحب ساری بات کہہ چکنے کے بعد فرمانے لگے کہ رفیق صاحب ! اس دن سے لے کر آج تک میں شرم کے مارے ربوہ نہیں جا سکا۔میں باجوہ صاحب سے نہایت شرمندہ ہوں۔آپ براہ کرم انہیں کہیں کہ مجھے معاف کر دیں۔میں نے اپنے ضمیر کے خلاف فیصلہ صرف اس لئے کیا کہ میری نوکری چلے جانے کا خطرہ تھا۔میں ان سے رخصت ہوا اور ربوہ آ کر مکرم باجوہ صاحب کو ساری بات بتا دی۔

غالباً 1980ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ یورپ کے دورہ پر تشریف لائے محترم باجوہ صاحب بھی بطور پرائیویٹ سیکرٹری حضور کے قافلہ میں تھے۔حضور لندن تشریف لائے۔ مجھے حضرت باجوہ صاحب نے فرمایا کہ انگلستان کے احمدیوں کو تم جانتے ہو۔اس لئے ان کے خطوط جو حضور کے نام آتے ہیں اور حضور جو جواب دیتے ہیں ان کو ایک نظر دیکھ لیا کرو۔نیز اس کام میں میرا ہاتھ بٹاؤ۔اسی دورہ کے دوران حضور سپین بھی تشریف لے گئے۔ جہاز میں حضور کی سیٹوں کے عین پیچھے جو سیٹیں تھیں ان پر مکرم باجوہ صاحب اور میں بیٹھے تھے۔جب جہاز میڈرڈ کے قریب پہنچا تو اچانک حضور نے پیچھے مڑ کر ہمیں فرمایا: مجھے تو طارق کے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں تم بھی سن رہے ہو؟ ہم دونوں نے نفی میں سر ہلا دیا حضور پر اس وقت رقت طاری تھی اور اونچی آواز میں دعاؤں کا ورد کر رہے تھے۔ہم دونوں بھی ان دعاؤں میں شامل ہو گئے۔فالحمد للہ!

1980ء میں انگلستان کے قیام کے دوران حضور مع قافلہ لیک ڈسٹرکٹ کی سیاحت کے لئے تشریف لے گئے۔ خاکسار حضور کی کار چلا رہا تھا۔ پچھلی کار میں مکرم باجوہ صاحب سوار تھے۔ ایک ریسٹورنٹ میں ہم کھانا کھانے کے لئے رکے۔ تیز موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ کھانے سے فارغ ہو کر حضور نے باجوہ صاحب کو فرمایا کہ آپ اپنی کار میں ہم سے آگے جائیں۔ ہم آہستہ آہستہ بعد میں آئیں گے۔ مکرم باجوہ صاحب کی کار میں مکرم صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب بھی سوار تھے۔ وہ آگے نکل گئے۔ مجھے حضور نے ارشاد فرمایا کہ میں گاڑی آہستہ چلاؤں۔ کچھ دیر کے بعد اچانک ہم نے دیکھا کہ جس گاڑی میں باجوہ صاحب سوار تھے وہ سڑک سے پھسل کر دور فاصلہ پر کیچڑ میں دھنسی ہوئی ہے۔ میں نے گاڑی روکی اور دوڑ کر کار کے پاس پہنچا مکرم صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب محفوظ تھے اور انہیں کوئی چوٹ نہیں آئی تھی۔ لیکن مکرم باجوہ صاحب چونکہ ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر سوار تھے۔ ان کے ہونٹوں پر اور جسم کے دوسرے حصوں پر چوٹیں آئی تھیں۔ مکرم باجوہ صاحب کو قریبی ہسپتال پہنچایا گیا۔ اگلے دن حضور کے ارشاد پر میں ہسپتال گیا۔ مکرم باجوہ صاحب کو پٹیاں بندھی ہوئی تھیں اور آپ پر حادثہ کا خاصہ اثر تھا۔ میں نے دریافت کیا۔ باجوہ صاحب! کیا حال ہے؟ آپ نے انگریزی میں جواب دیا "As good as can be" (یعنی بالکل ٹھیک ہوں)۔ آپ نے فوراً سوال کیا کہ حضورؒ تو خیریت سے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ ہماری گاڑی کو تو کوئی حادثہ پیش نہیں آیا اس لئے حضورؒ مع حضرت بیگم صاحبہ بالکل خیریت سے ہیں مکرم باجوہ صاحب کے ہونٹوں پر جو زخم آیا تھا آخر تک اس کے نقش نظر آتے رہے۔ میں باجوہ صاحب کی بہادری پر حیران تھا کہ اس قدر چوٹیں لگنے کے باوجود وہ کہہ رہے ہیں کہ

"As good as can be"

محترم ظہور احمد باجوہ صاحب کو سلسلہ کے اموال اور جائیداد کی حفاظت کا خاص خیال رہتا تھا۔ وہ بلا ضرورت سلسلہ کے اموال میں سے ایک پینی Penny کا خرچ بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے باوجود تمول کے نہایت سادہ زندگی بسری - ربوہ میں آپ روزانہ سردی ہو یا گرمی

سائیکل پر سوار ہو کر دفتر تشریف لاتے تھے۔ حالانکہ آپ چاہتے تو اپنے لئے ذاتی طور پر موٹر کار خرید سکتے تھے۔ ایک واقعہ اس سلسلہ میں یاد آ گیا محترم باجوہ صاحب امام بیت الفضل لندن تھے اور میلر وز روڈ پر واقع مشن ہاؤس کے بالائی حصے میں رہائش پذیر تھے۔ انہی دنوں آپ کے چھوٹے بھائی بشیر اصغر باجوہ پاکستان سے ہجرت کر کے لندن آ گئے محترم ظہور احمد باجوہ صاحب نے انہیں اپنے فلیٹ کے ایک کمرہ میں ٹھہرایا۔ چند دنوں بعد بشیر اصغر باجوہ صاحب کو ملازمت مل گئی اور انہوں نے کام شروع کر دیا۔ ایک دن مکرم حضرت باجوہ صاحب نے اپنے چھوٹے بھائی کو بلا کر فرمایا۔ بشیر! جب تک تمہارے پاس ملازمت نہ تھی تو بحیثیت چھوٹے بھائی کے میرے گھر پر رہ سکتے تھے اور یہ تمہارا حق تھا۔ اب جبکہ تمہیں ملازمت میسر آ گئی ہے تو یہ ہرگز جائز اور مناسب نہیں کہ تم سلسلہ کے فلیٹ میں جو امام مسجد کے لئے مخصوص ہے رہ سکو۔ اس لئے یا تو باہر اپنی رہائش کا انتظام کر دیا پھر مشن ہاؤس کے اسی کمرہ میں رہو لیکن جماعت کو باقاعدہ اس کا کرایہ ادا کرو۔ چنانچہ جب تک بشیر اصغر باجوہ صاحب مرحوم اپنے بڑے بھائی کے ساتھ ان کے فلیٹ میں مقیم رہے وہ باقاعدہ اپنے کمرہ کا کرایہ ادا کرتے رہے۔

1979-80ء کی بات ہے۔ میں ربوہ میں مقیم تھا اور مجھے ایک ابتلاء کا سامنا تھا۔ جس کی وجہ سے میں بے حد پریشانی اور تکلیف کا شکار تھا۔ ایک دن دروازہ کی گھنٹی بجی۔ میں نے دروازہ کھولا تو سامنے حضرت باجوہ صاحب کو کھڑے پایا۔ میں نے فوراً انہیں اندر آنے کی دعوت دی۔ سردی کا موسم تھا۔ ہم مشن میں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ حضرت باجوہ صاحب خلافِ معمول خاموش تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے اٹھ کر مجھے گلے سے لگایا اور دیر تک گلے سے لگائے رکھا۔ پھر فرمایا۔ دیکھو تمہارے قدم ڈگمگانے نہ پائیں۔ ابتلاء مؤمنین کو ہی آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس طرح اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے۔ جو ثابت قدم رہتے ہیں وہ اللہ کا قرب پانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اور جن کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں وہ اپنی دنیا و آخرت کی خرابی کا باعث بنتے ہیں۔ دیر تک آپ مجھے تسلی دیتے رہے۔ آپ رخصت ہوئے تو میں نے محسوس کیا گویا ایک بھاری بوجھ میرے ذہن سے اُتر چکا ہے۔ اس کے بعد بھی محترم باجوہ صاحب گاہے بگاہے میرے غریب خانے پر تشریف

لا کر مجھے ہمت دلاتے رہتے تھے۔ **فجزاہ اللہ احسن الجزاء**

حضرت باجوہ صاحب خلافتِ احمدیہ کے جانثاروں میں سے تھے۔آپ جب بھی حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے دونوں ہاتھ باندھ کر ان کے سامنے کھڑے رہتے۔اور جب تک حضور بیٹھنے کے لئے ارشاد نہ فرماتے آپ دستہ بدستہ کھڑے رہتے۔حضور کو بھی آپ سے بے حد محبت تھی۔اکثر مشورہ کے لئے آپ کو بلا لیتے تھے۔آموں کے موسم میں آموں کی ٹوکریاں ان کو بجھواتے۔حضرت باجوہ صاحب کا گھر قصرِ خلافت سے چند منٹ کے فاصلہ پر تھا۔آپ لنچ بریک میں اپنے گھر جاتے تو شاید 10 منٹ سے زیادہ وقت نہ ملتا۔لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی محبت اور شفقت کے نتیجہ میں دوپہر کا کھانا حضورؒ کے گھر سے آیا کرتا تھا۔اور باجوہ صاحب کے اصرار پر بھی کہ ان کا گھر بالکل قریب ہے۔جب تک محترم باجوہ صاحب پرائیویٹ سیکرٹری رہے ان کا کھانا حضور اقدسؒ کے کچن سے آتا ہے۔بعد میں جب میں نے حضرت باجوہ صاحب سے چارج لیا تو یہ سلسلہ میرے پرائیویٹ سیکرٹری رہنے کے آخری دن تک جاری رہا۔حضورؒ کی شفقت تھی۔اوران کی حضرت باجوہ صاحب سے محبت تھی۔

حضرت باجوہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بچے چوہدری ظہیر احمد باجوہ کو وقف کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔آپ نے اس بیٹے کو اعلیٰ تعلیم دلائی۔اور پھر سلسلہ کے سپرد کر دیا۔اور اپنی زندگی میں اپنے ایک بیٹے کی سلسلہ کے لئے خدمات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔عزیز ظہیر اب خدا تعالیٰ کے فضل اور حضرت باجوہ صاحب کی دعاؤں سے امریکہ کے نائب امیر ہیں۔آخر میں میری دعا ہے کہ میرا مولیٰ حضرت باجوہ صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ کو اگلے جہان میں اپنا قرب عطاء فرمائے۔آمین!

مکرم نصر اللہ خان صاحب ایم اے شاہد مربی سلسلہ

خاکسار کے ساتھ چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب موصوف سے رابطہ اور تعلق میرے میدان عمل میں آنے کے بعد 1966ء میں ہوا اور خاکسار آپ کی خوبیوں اور اوصاف حسنہ سے آشنا

ہوا۔ایک دفعہ ایک تنفیذی عمل میں میری مدد کی ضرورت تھی۔تو خاص تعاون کے بعد بڑے ممنون ہوئے۔ چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ ایک ریز روذہن کے اچھے منتظم تھے اور نہایت خوش دلی کے ساتھ ہر آنے جانے والے کو ملتے جب خاکسار مسجد بشارت پیدروآباد (قرطبہ سپین) کے افتتاح کے موقع پر 1982ء میں سپین جا رہا تھا تو جناب چوہدری صاحب سے ملاقات کے لئے گیا ملاقات سے بہت خوش ہوئے اور سپین جانے کی خواہش کا بشدت اظہار کرتے رہے اور مجھے اجازت نامہ دے کر خاص دعائیں کرنے کی تلقین فرماتے رہے۔ 1974ء کی ایک یادنا قابل فراموش ہے جب خاکسار مکرم ڈاکٹر عبدالرحمان صاحب صدیقی امیر جماعت احمدیہ حیدرآباد ڈویژن (میر پورخاص) کے ساتھ چوہدری صاحب موصوف کو ملنے دارالصدر گیا تو نہایت اخلاص اور سادگی کے ساتھ چائے کا انتظام کیا اور نہایت معذرت کرتے ہوئے تکلفات نہ ہونے کا ذکر کیا مگر نہایت سادگی کے ساتھ ایک بے تکلف مجلس میں بڑا سرور آیا۔خاکسار ماہنامہ انصاراللہ ربوہ کے ایڈیٹر ہونے کی حیثیت سے اکثر اوقات ملتا رہتا تھا۔

مکرم محمد لطیف احمد صاحب اسسٹنٹ پرائیوٹ سیکرٹری

اس دنیا میں آنے والے ہر انسان کو بالآخر ایک دن کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَان کے حکم ایزدی کے تحت یہاں سے جانا ہوتا ہے۔اپنی ابدی اور آخری منزل کی طرف حیات، ممات کا یہ سلسلہ اسی طرح چلتا آرہا ہے اور چلتا رہے گا مگر کچھ لوگ اپنے عظمت کردار، اپنے طرز عمل اور کارناموں کے کچھ ایسے نقوش اپنے پیچھے چھوڑ جاتے ہیں جو ہمیشہ یادرکھے جاتے ہیں اور آنے والی نسلوں کے لئے رہنمائی کا کام دیتے ہیں۔اس کی نمایاں جھلک ہمیں محترم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ کے حالات زندگی میں ملتی ہے۔جس کی مختصراً تفصیل جو نصف صدی سے زائد عرصہ تک اُن سے تعلق رہنے کے نتیجہ میں خاکسار کے علم میں آئی وہ کچھ اس طرح ہے۔

تقسیم ملک سے کچھ سال قبل حضرت المصلح الموعودؓ نے سلسلہ عالیہ احمدیہ کی ضرورت کے پیش نظر تعلیم یافتہ ،نوجوانوں کو تحریک فرمائی کہ پڑھے لکھے نوجوان وقف زندگی کی تحریک میں شامل

ہو کر خدمت دین کے لئے آگے آئیں۔ محترم باجوہ صاحب جو اس وقت اپنی تعلیم کی تکمیل (گریجوایشن) کے بعد گورنمنٹ کے کسی محکمہ میں اچھی جگہ ملازمت کر رہے تھے۔ انہوں نے فوراً اس پر لبیک کہا اور اس عظیم تحریک میں شمولیت کا شرف حاصل کیا۔ اور پھر وقف زندگی کے اس عہد کو ایک مقدس فریضہ سمجھتے ہوئے انتہائی خوش اسلوبی سے اپنے آخری سانس تک نبھایا۔

اس سلسلہ میں انہیں حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد کے مطابق قادیان میں مناسب دینی کورس مکمل کرنے کے بعد سب سے پہلے انگلستان میں دو مرتبہ کچھ سال بطور انچارج مربی، امام بیت الفضل لندن خدمت کی سعادت حاصل ہوئی۔ اُس وقت سلسلہ کے نامساعد معاشی حالات کی وجہ سے محترم باجوہ صاحب نے (جن کا تعلق ایک زمیندار گھرانے سے تھا) وقف زندگی کے عہد کو صدق دل سے نبھایا۔ اور تحریک جدید کے مطالبات کو مدنظر رکھتے ہوئے بڑی سادگی سے اپنے شب و روز گزارے۔ اور اس وقت کے محدود وسائل میں انگلستان جیسے اہم مشن کی تمام ذمہ داریوں کو بطریق احسن پورا کیا۔ جس کے نتیجہ میں ان کے لئے یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ انہیں حضرت مصلح موعودؓ کی خوشنودی حاصل رہی۔ اس ضمن میں ایک چھوٹا سا واقعہ یاد آ گیا کہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایبٹ آباد کے ایک سفر میں محترم باجوہ صاحب بطور پرائیویٹ سیکرٹری حضور کے ساتھ گئے ہوئے تھے۔ وہاں ایک دن میرے ہاتھ میں جرابوں کا ایک نیا جوڑا دیکھ کر فرمانے لگے کہ انگلستان مشن کے قیام کے دوران ہمیں اپنے مختصر الاؤنس میں گزارہ کرنا ہوتا تھا۔ وہاں میرے پاس ایک وقت میں جرابوں کا صرف ایک جوڑا ہوتا تھا۔ جسے میں روزانہ رات کو دھو کر اگلے دن استعمال میں لاتا تھا۔ اگرچہ یہ ایک معمولی سا واقعہ ہے۔ مگر اس سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں حالات کے مطابق وقف زندگی کے عہد (سادہ زندگی) کی پاسداری کا کس قدر احساس تھا اور دنیاوی آسائشوں کی ان کی نظر میں کیا حیثیت تھی۔

قادیان دارالامان سے 1945ء کے آخر میں مبلغین کا جو تاریخی گروپ بیرون ہندوستان تبلیغی مشن پر روانہ ہوا تھا۔ اس میں محترم باجوہ صاحب بھی شامل تھے جن کا تقرر انگلستان مشن کے

لئے ہوا تھا۔ اس زمانہ میں مبلغین کی بیرون ممالک کے لئے روانگی کی خبر تمام جماعتوں کے لئے خاص طور پر بڑی خوشی اور فخر کا موجب ہوتی تھی اور ریل کے راستوں میں جہاں بھی اطلاع ملتی تھی۔ احباب جماعت اسٹیشنوں پر بڑی کثرت سے ملاقات کے لئے حاضر ہوتے اور کہیں کہیں خوشی سے شکرانے کے طور پر نعرے بھی لگائے جاتے تھے۔ خاکسار 1945ء میں سکول کا طالب علم تھا۔ جب ہمیں مبلغین کے اس گروپ کی روانگی کی اطلاع ملی تو خاکسار مغلپورہ لاہور کی جماعت کے کچھ احباب اور اطفال کے ہمراہ مغلپورہ ریلوے اسٹیشن پر ان سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا تھا۔ سب مبلغین ایک ہی ریل کے ڈبے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے سبز پگڑیاں پہنی ہوئی تھیں۔ بڑا ایمان افروز اور دلکش نظارہ تھا۔ اس وقت میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ آئندہ زندگی میں کبھی ان میں سے کچھ مجاہدین خصوصاً محترم باجوہ صاحب کے ساتھ طویل عرصہ تک خدمت سلسلہ کے مواقع میسر آئیں گے۔

محترم باجوہ صاحب سے خاکسار کا سب سے پہلا رابطہ 57-1956ء میں بطور اکاؤنٹنٹ روزنامہ الفضل ہوا۔ اس وقت الفضل اصلاح وارشاد کے زیر نگرانی شائع ہوتا تھا۔ باجوہ صاحب اس وقت ناظر اصلاح و ارشاد تھے وہ نظارت اصلاح و ارشاد کے وسیع تر کام کے باوجود ''الفضل'' جو نظارت کا ایک ذیلی ادارہ تھا اور اس کی نگرانی ایک اضافی کام تھا اس کے دفتری معاملات کا اکثر جائزہ لیتے رہتے تھے۔ اور کبھی کبھی اپنے دفتری اوقات کے بعد دفتر ''الفضل'' میں جو اس وقت محلہ دارالرحمت غربی کے آخری کنارے پر تھا وہاں اپنے گھر دارالصدر غربی سے پیدل تشریف لا کر دفتر کے انتظامی امور اور الفضل کی ایجنسیوں کے حسابات کا جائزہ لیتے اور الفضل کے چندوں کی وصولی کے نظام کی بہتری کے لئے خطوط وغیرہ لکھواتے اور پھر ان کو اپنے زیر نگرانی رکھتے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انہیں اپنی اضافی ذمہ داریوں کا بھی کس قدر احساس تھا۔

محترم باجوہ صاحب جہاں ایک کامیاب مبلغ تھے۔ وہاں انتظامی امور کی انجام دہی میں بھی انہیں خاص دسترس حاصل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ بڑے زیرک

اور ذہین انسان تھے۔ معاملہ فہمی میں انہیں خاص ملکہ حاصل تھا۔ بہت پیچیدہ اور گہرے معاملات کی تہہ تک بہت جلد پہنچ کر بہترین رنگ میں اسے نپٹا دیتے۔ ان کا طرز استدلال بہت متاثر کن اور حتمی طور پر قائل کر دینے والا ہوتا تھا۔ جن دوستوں کو ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ معاملہ فہمی میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔

اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ جماعتوں پر ہر طرح کے حالات آتے رہتے ہیں بعض اوقات بہت بڑی بڑی آزمائشیں آجاتی ہیں۔ جیسا کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی تاریخ گواہ ہے۔ جماعت احمدیہ پر بھی بڑے نازک ترین دور آئے۔ ایسے حالات میں اکابرین سلسلہ کی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ باجوہ صاحب محترم ان حالات میں اپنی خداداد فراست سے بڑی خوش اسلوبی اور حکمت سے ان حالات سے نبرد آزما ہوتے رہے ہیں۔ 1970ء کی دہائی میں جو بہت بڑی آزمائش جماعت پر آئی اور حالات انتہائی دگرگوں ہو گئے تھے۔ اس وقت اُن کا نام بھی نظارت امور عامہ کے سربراہ ہونے کی وجہ سے خاص طور پر معاندین کے سامنے تھا۔ ان حالات میں حکمت کے پیش نظر انہیں تقریباً ڈیڑھ ماہ کا عرصہ مسلسل شب کو گھر سے باہر گزارنا پڑا۔ مجھے یاد ہے یہ طویل عرصہ انہوں نے بڑی سادگی سے خالی چارپائی پر بغیر بستر کے گزار دیا۔

محترم باجوہ صاحب کو تقریباً نصف صدی تک صدر انجمن احمدیہ کی بڑی اہم نظارتوں میں بطور ناظر خدمت کی سعادت ملتی رہی...... اُن کے کام کرنے کا اپنا ایک انداز تھا۔ جن اداروں میں بھی گئے وہاں اُس ادارہ کے طریق کار اور مزاج کو سمجھتے ہوئے اپنی خداداد صلاحیتوں سے وہاں مناسب تبدیلیاں لا کر اس ادارہ کی کارکردگی کو اعلیٰ معیار تک پہنچا دیتے......

خاکسار کو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے عہد مبارک میں محترم باجوہ صاحب کے بہت قریب رہ کر کام کرنے کا موقع ملا۔ انہیں حضور کے پرائیویٹ سیکرٹری کی اہم ذمہ داریوں کا بہت احساس تھا۔ حتی الامکان دفتر کے تمام کاموں کی پوری پوری نگرانی رکھنے کے ساتھ حضور کے روزانہ کے پروگرام کی بروقت تکمیل کا پوری توجہ سے اہتمام کرواتے۔ حضور کے نام آنے والی تمام

ڈاک جن کی تعداد سینکڑوں تک ہوتی تھی حضور کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے (حضور کی ہدایات کی روشنی میں) ہر خط کو خود شروع سے آخر تک پڑھتے اور حضور کی آسانی کے لئے مختلف شقوں میں ترتیب دے کر حضور کیخدمت میں پیش کرنے کے لئے بھجواتے اکثر ایسا ہوتا کہ وہ اپنے دفتر میں ساری ڈاک ایک بڑے میز کے ساتھ کھڑے ہو کر پڑھتے اور خط کی نوعیت کے مطابق الگ الگ رکھتے جاتے۔ کھڑے ہو کر ڈاک پڑھنے کا ان کا اپنا ایک انداز تھا۔ اس پر بعض اوقات دو، اڑھائی گھنٹے یا اس سے بھی زیادہ وقت لگ جاتا۔ مگر وہ ڈاک کی ترتیب اور دیگر کاموں کی تکمیل تک دفتری اوقات کار سے بے نیاز ہو کر مصروف رہتے۔ عصر کی نماز تک عموماً اور بعض اوقات عصر کے بعد تک بھی کام کرتے رہتے۔

مکرم باجوہ صاحب کے دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں آنے کے کچھ عرصہ بعد حضور رحمہ اللہ کے علم میں آیا کہ باجوہ صاحب عصر تک کام کی تکمیل کے لئے دفتر میں موجود رہتے ہیں۔ درمیان میں گھر نہیں جاتے۔ تو حضور نے ان کے لئے ظہر کے بعد باقاعدہ اپنے باورچی خانہ سے کھانا بھجوانے کی ہدایت فرمائی۔ یہ سلسلہ جب تک باجوہ صاحب دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں رہے قائم رہا۔

دفتری کاموں میں جب بھی کسی خط یا حوالہ کی ضرورت پیش آئی تو دیکھنے میں آیا کہ مکرم باجوہ صاحب بڑی اعلیٰ پایہ کی یاداشت کے مالک تھے۔ حیران کن حد تک درست نشان دہی کرتے کہ اب سے 2 ماہ قبل یا اس سے بھی زیادہ عرصہ قبل فلاں شخص کے خط میں اس معاملہ کا ذکر تھا۔ یہاں تک کہ یہ بھی بتا دیتے کہ فلاں رنگ کے کاغذ پر پہلے یا دوسرے صفحہ پر انہوں نے اس کے لئے لکھا ہوا ہے۔ یہ بات کئی مرتبہ تجربہ میں آئی اور بڑا حیران کر دیتی تھی اور تلاش کرنے پر ہمیشہ ان کی نشان دہی درست ثابت ہوتی۔

حضورؒ کے نام ڈاک میں آنے والے اہم خطوط کے جوابات حضورؒ کی ہدایت کے مطابق خود لکھتے یا لکھواتے تھے۔ ان کی تحریر میں بڑی جاذبیت اور الفاظ بڑے پُر اثر اور بامقصد ہوتے تھے۔ خود کام کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں کام لینے کا بھی بڑا سلیقہ تھا۔ بڑے مناسب رنگ میں

رہنمائی کرتے ۔خاکسار کے تجربہ میں آیا کہ صحیح کام انجام دینے پر بڑی قدر کرتے اور پھر ہمیشہ یاد رکھتے تھے۔

انگلستان میں قیام کے دوران جہاں انہوں نے بڑی جانفشانی سے مشن کا کام کیا وہاں انگریزی زبان میں بھی اپنی استعداد کو بہت بڑھایا اور پھر اس حد تک اس پر عبور حاصل ہوگیا کہ یہاں پاکستان میں جب بھی انہیں کوئی مضمون یا آرٹیکل لکھنا ہوتا تو اپنا صحیح مافی الضمیر ادا کرنے کے لئے اُردو کی بجائے انگریزی میں لکھتے ۔اس میں انہیں زیادہ آسانی رہتی ۔ایسے مضامین کی تکمیل کے بعد کسی اردو دان دوست سے اس کا ترجمہ کرواتے ۔ان کے مضامین بڑے جامع اور بڑے پُراثر ہوتے تھے۔مکرم مسعود احمد خان صاحب دہلوی سابق ایڈیٹر الفضل کو ان کے کئی مضامین کے اردو ترجمہ کا موقع ملا۔نفس مضمون پر ہر جہت سے ان کی گرفت بڑی مضبوط اور قائل کردینے والی ہوتی۔

محترم باجوہ صاحب بڑی باوقار اور متاثر کن شخصیت کے مالک تھے۔ بڑا صاف ستھرا اور ضرورت کے مطابق ہر طرح کا لباس پہن لیتے ۔مگر اس میں بھی بڑی حد تک سادگی ہوتی ۔صبح کے وقت ان کے گھر میں جب بھی ان سے ملاقات کا موقع ملا۔اکثر تہہ بند پہنے ہوتے اور بلا تکلف مل لیتے ۔تاہم ان کی شخصیت ہر لباس میں نمایاں رہتی۔

محترم باجوہ صاحب جیسی ہمہ جہت صفات کی مالک اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم رکھنے والی بزرگ ہستی کے محاسن کا احاطہ کرنا تو کارے دارد۔تاہم خاکسار نے اپنی یادداشت سے کچھ پہلو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔قابل تحسین ہیں ایسے مجاہدین سلسلہ جنہوں نے وسائل میسر نہ ہونے کے باوجود وقف زندگی اور تحریک جدید کے مطالبات کو ہمیشہ پیش نظر رکھا اور صدق دل سے اپنے فرائض کی ادائیگی کے ساتھ بڑی سادگی سے اپنی ساری زندگی گزار دی۔

مکرم سید کمال یوسف صاحب سابق مبلغ سکنڈے نیویا

آپ نے مؤلف کتاب ہذا کے ساتھ ایک ملاقات کے دوران مکرم باجوہ صاحب کے متعلق یوں اپنے خیالات کا اظہار کیا کہ گو براہ راست تو مجھے ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع نہیں ملا تاہم

یورپ میں خدمات دینہ بجالاتے وقت اکثر ملاقات رہتی ۔فون پر بھی رابطہ رہتا۔ایک دوبار مبلغین کی میٹنگز میں بھی شمولیت اکٹھی کی۔

آپ کی طبیعت میں ایک نظم وضبط سلیقہ اور نفاست کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے معاملات کو بروقت ترتیب کے ساتھ سرانجام دیتے اور ریکارڈ مرتب کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔

اخلاق و کردار کو ہر طرح کی آلائشوں سے پاک رکھا، ڈرتے ڈرتے زندگی بسر کی۔مرحوم سچے سیدھے اور صاف احمدی تھے احمدیت کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔خلافت سے عقیدت اور پیار کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور دلی جذبہ کے ساتھ اطاعت خلافت کرتے۔خاموش طبع اور بے ریا انسان تھے مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک مگر فضول خوش گپیوں میں وقت نہ گزارتے۔

بارعب شخصیت کے مالک تھے مگر طبیعت میں نرمی تھی۔ ہر ایک کے ساتھ بے تکلّف ہو جاتے خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ بہت گہرے مراسم تھے۔

ماتحتوں کے ساتھ سلوک بہت اچھا تھا، ماتحتوں کے کام کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ میں نے ایک دفعہ مضمون لکھا تو فون پر شاباش دی میں نے ربوہ میں بھی دیکھا بطور ناظر امور بالغ نظری، باریک بینی، انتہائی دیانت اور تقویٰ سے تمام کام خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے۔ خداداد طبعی صلاحیتوں سے خدمت کی۔

مکرم مولانا محمد اعظم اکسیر صاحب نگران شعبہ تخصص مربیان ربوہ

انسان کی شخصیت، اس کی ذہانت اور کام کرنے کا طریق ایک ہی واقعہ سے معلوم ہوجاتا ہے۔ مارچ 1981ء کا واقعہ ہے۔ میں گوجرانوالہ میں بطور مربی ضلع متعین تھا اور مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب ناظر امور عامہ تھے۔ ان دنوں گوجرانوالہ اور شیخوپورہ کے بعض حصوں میں ایک بگولے (Cyclone)) نے آناً فاناً تباہی مچادی۔ جہاں جہاں سے اس کا گزر ہوا گھروں کو اپنی لپیٹ میں لیتا گیا تا کہ زمین پر کھڑے ٹریکٹرز اور تھریشرز اور بڑی بڑی مشینوں کو بھی اپنی تیز وتند ہوا سے اڑا کر اس نے بہت دور دور تک پھینک دیا۔ ہر طرف موتا موتی کا عالم تھا۔ گوجرانوالہ سے

6 میل کے فاصلہ پر مدنی پور گاؤں بہت متاثر ہوا۔خبر ملتے ہی خاکسار چند خدام کے ساتھ وہاں پہنچا۔حالات کا جائزہ لے کر فوری طور پر کچھ مدد بھی کی۔وقار عمل کے ذریعہ خدمت خلق کا بھی حق ادا کیا اور ربوہ آ کر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں سارا واقعہ اور تباہی کا ذکر کیا۔حضور نے فوری طور پر ناظر صاحب امور عامہ سے ملنے کا ارشاد فرمایا اور خود بھی ناظر امور عامہ کو کچھ ہدایات دیں۔

مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب نے مجھے مخاطب ہو کر کہا کہ جائزہ اور رپورٹس تو بعد میں آتی رہیں گی۔فوری طور پر بتائیں۔ان کی ضرورت کیا ہے۔تن ڈھانکنے کے لئے کپڑوں، پیٹ بھرنے کے لئے خوراک کی کتنی ضرورت ہوگی۔میرا جواب ابھی جاری تھا کہ از خود ہی مجھے تن ڈھانکنے کے لئے بہت سے نئے کپڑے دیئے اور کچھ خوراک بھی اور کہا فوراً لے جائیں اور ان کی ضروریات کا خیال کریں۔اگر مزید ضرورت محسوس ہو تو فوری آگاہ کریں۔

میں نے حسب ہدایت کام کیا اور خدام نے اس گاؤں میں روزانہ جا جا کر منظم وقار عمل بھی کیا۔ جس کا گاؤں اور ارد گرد کے لوگوں پر بہت اثر تھا۔ بعد میں خاکسار گاؤں کے مولوی صاحب اور نمبر دار کو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ سے ملاقات کے لئے ربوہ بھی لایا۔حضور نے ملاقات کے دوران گاؤں کے مولوی صاحب کو پگڑی اور لباس سے نوازا۔

کیونکہ یہ لوگ جماعت کی مدد اور جذبہ خدمت خلق کے نتیجہ میں بہت گرویدہ ہو چکے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ارد گرد کے لوگ تو تماشا دیکھ کر چلے جاتے ہیں اصل خدمت کرنے والی تو جماعت احمدیہ ہے۔

اس واقعہ کی سنگینی اور بداثرات سے نپٹنے کے لئے محترم باجوہ صاحب کی ذہانت، امام وقت کی اطاعت اور مخلوق خدا سے ہمدردی عیاں ہے۔

مکرم چوہدری رشید الدین صاحب مربی سلسلہ نظارت امور عامہ

گاؤں کی قربت اور خاندانوں کے باہمی تعلقات کے باوجود خاکسار کو محترم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب سے ملاقات کا موقع اس وقت ملا جب آپ 1955ء میں لندن سے واپس ربوہ

تشریف لائے ۔ 1956ء میں آپ نائب ناظر اصلاح وارشاد مقرر ہوئے ۔اس وقت حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ ناظر تھے ۔ 1957ء میں ہماری کلاس نے شاہد پاس کرنے کے بعد نظارت اصلاح وارشاد میں رپورٹ کی ۔حضرت صاحبزادہ صاحب نے خاکسار کو کام کے لئے اپنے ساتھ رکھ لیا۔اس طرح قریباً ایک سال تک مجھے محترم باجوہ صاحب کے قریب رہ کر نظارت میں کام کرنے کا موقع مل گیا۔

ایک دفعہ حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کہیں باہر تشریف لے گئے اور مولوی قمر الدین صاحب انسپکٹر اصلاح وارشاد رخصت پر تھے۔مکرم باجوہ صاحب نے ان دنوں محترم مولوی صاحب کا کام میرے سپرد کر دیا مجھے یاد ہے کہ جب میں کوئی چٹھی لکھتا تو آپ اصلاح فرماتے اور بتاتے کہ کس طرح تحریر کو بہتر اور مؤثر بنایا جاسکتا ہے۔آپ عموماً اس فقرہ کا ضرور اضافہ فرماتے کہ آپ کو سلسلہ کی روایات کا خیال رکھنا چاہیئے یا آپ کو سلسلہ کی روایات کے خلاف عمل نہیں کرنا چاہئے۔اس طرح ہمیں آپ سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔آپ کی تحریر پختہ،مختصر اور موثر ہوتی تھی ۔ان دنوں آپ کبھی کبھی رسالہ ''لاہور'' میں ایک کالم بھی لکھا کرتے تھے۔عموماً علماء کے بارہ میں کسی خبر یا بیان کو موضوع سخن بناتے ۔ گہری طنز کرتے اور ان کی خوب خبر لیتے ۔آپ کا یہ کالم مختصر اور دلچسپ ہوتا تھا۔

آپ کی دینی گفتگو بھی بڑی مؤثر اور تسلی بخش ہوتی مخالف پر آپ کی گرفت مضبوط ہوتی اور اسے لاجواب کر دیتے ۔لوگوں کو پیغام حق پہنچانے کے سلسلہ میں آپ ایک کامیاب مبلّغ تھے ......محترم باجوہ صاحب دفتری امور میں بڑے باقاعدہ انسان تھے۔عین وقت پر دفتر پہنچ جاتے ۔پورا وقت اپنی میز پر موجود رہتے۔ضروری کاموں کے سوا کہیں اِدھر اُدھر نہ جاتے ۔دلجمعی اور دلچسپی سے کام کرتے ۔وقت پورا ہونے کے بعد ہی گھر واپس جاتے۔سمجھدار افسر کی طرح دفتر کا ہر کام ان کے ذہن میں مستحضر ہوتا اور ان کی خواہش اور کوشش ہوتی کہ سب کام وقت پر سرانجام دیئے جائیں۔

مسجد مبارک کا انتظام وانصرام نظارت اصلاح وارشاد کے ماتحت ہوتا ہے۔وہ ہفتہ بھر ریڈیو پر

موسمیاتی خبریں بھی سنتے تا کہ جمعہ کے دن نمازیوں کے لئے حالات کے مطابق انتظام کیا جاسکے۔ وہ چاہتے کہ کام پورا ہو جائے، رکھ رکھاؤ کا انہیں زیادہ خیال نہ ہوتا تھا۔ ایک دفعہ جبکہ جلسہ سالانہ کے دن قریب تھے میں دفتر کے باہر برآمدہ میں کھڑا تھا کہ مکرم باجوہ صاحب جلدی میں دفتر سے نکلے۔ کچھ پریشان نظر آئے۔ فرمایا کہ مجھے جلد از جلد جلسہ گاہ تک پہنچاؤ۔ ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ حضور معائنہ کے لئے وہاں تشریف لے جارہے ہیں۔ اس وقت موٹریں تو میسر نہ تھیں۔ سائیکل کے پیچھے کیریر (carrier) پر وہ بیٹھتے نہ تھے فرماتے کہ مجھے گھبراہٹ ہوتی ہے۔ میں نے آگے انہیں بٹھایا اور سائیکل دوڑائی۔ الحمد للہ کہ ہم حضور سے دو منٹ قبل سٹیج پر پہنچ گئے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے جلسہ گاہ کا معائنہ فرمایا۔ بعض امور کے بارہ میں وضاحت طلب فرمائی۔ تیاری کو مکمل پا کر حضور نے خوشنودی کا اظہار فرمایا اور واپس تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ہم بھی اسی طرح سائیکل پر دفتر واپس آ گئے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ کی نگرانی میں غالباً پانچ سال تک نظارت اصلاح وارشاد کا انتظام آپ نے بڑی کامیابی سے چلایا۔ حضرت مصلح موعودؓ کا اعتماد آپ کو حاصل تھا۔ جب لمبی بیماری اور کمزوری کی وجہ سے حضرت صاحبزادہ صاحب کے لئے کام کرنا مشکل ہو گیا تو حضور نے آپ کو ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد مقرر فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے بطور ناظر زراعت، ناظر صنعت وتجارت، ناظر امور عامہ اور ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد تعلیم القرآن ووقف عارضی لمبا عرصہ خدمت سلسلہ کی توفیق پائی۔ آخر میں آپ صدر، صدر انجمن احمدیہ بھی رہے۔ غرض اس ممتاز خادم سلسلہ کا آخر عمر تک اوڑھنا بچھونا سلسلہ احمدیت کی خدمت ہی رہا۔

غالباً 1960ء میں جبکہ خاکسار بطور مربی سلسلہ کوئٹہ میں مقیم تھا مکرم باجوہ صاحب مختلف جماعتوں کا دورہ کرتے ہوئے کراچی پہنچے اور وہاں سے کوئٹہ تشریف لے گئے۔ ان دنوں محترم شیخ محمد حنیف صاحب امیر جماعت تھے۔ مرکزی مہمان عام طور پر انہی کے ہاں قیام فرماتے اور مکرم شیخ صاحب خوشی سے ان کی اچھی مہمان نوازی کرتے۔ محترم باجوہ صاحب ان کے ہاں جانے کی بجائے خاکسار کے غریب خانہ پر تشریف لے آئے۔ فرمایا کہ میں نے سوچا آپ کے ہاں قیام

بے تکلفی کی وجہ سے خوشگوار رہے گا۔محترم مولانا غلام احمد فرخ صاحب مربی سلسلہ سندھ اور محترم مولانا قمر الدین صاحب انسپکٹر اصلاح وارشاد آپ کے ساتھ تھے۔ان بزرگوں کے لئے ہم نے بیٹھک میں انتظام کر دیا اور محترم باجوہ صاحب کے لئے الگ ایک کمرہ خالی کر دیا۔رات جب سونے کا وقت ہوا تو آپ نے بیگ کھولا اور تہبند پہن کر آ گئے۔میرے چھوٹے بھائی عزیز بشیر احمد صاحب اس وقت گورنمنٹ کالج کوئٹہ میں زیر تعلیم تھے۔انہیں یہ تہبند دیکھ کر حیرانی ہوئی اور کہا کہ مجھے تو خیال تھا کہ آپ کوئی اچھا سا نائٹ سوٹ پہنیں گے۔کیا آپ لندن میں قیام کے دوران بھی رات کو تہبند ہی پہنا کرتے تھے۔آپ نے فرمایا کہ بشیر! لندن میں تو میں نے تہبند نہیں پہنا لیکن پاکستان واپس آنے کے بعد پہلی رات سے ہی میں نے تہبند پہننا شروع کر دیا تھا۔سادگی اور بے تکلفی آپ کا خاص وصف تھا۔کھانے اور چائے کے اوقات پر آپ کے کمرہ میں محفل جمتی۔ کبھی کبھی محترم امیر صاحب یا مقامی جماعت کے کوئی اور بزرگ بھی شامل ہو جاتے۔ ہفتہ بھر آپ نے قیام فرمایا یہ وقت خوب رونق میں گزرا۔اس عرصہ میں مرکزی بیت اور محلہ جات میں کئی تربیتی اجلاس منعقد ہوئے علماء کرام تقاریر کرتے اور محترم باجوہ صاحب صدارتی ریمارکس دیتے۔آپ اپنے دعوت الی اللہ کے واقعات بیان کرتے۔ نیز احباب جماعت کو مختلف تربیتی امور کی طرف توجہ دلاتے۔

جب آپ ناظر امور عامہ تھے تو ایک دن خاکسار کو طلب فرمایا۔ میں دفتر میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ محترم صاحبزادہ مرزا انور احمد صاحب تین افراد کے ساتھ وہاں تشریف فرما ہیں۔ آپ نے ان میں سے ایک صاحب کے ساتھ میرا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ ان کے والد محترم چوہدری کرم رسول صاحب (پروفیسر زرعی کالج، لائل پور حال فیصل آباد) کے حضرت مصلح موعودؓ کے ساتھ خاص مراسم تھے۔ یہ ایک مشکل میں ہیں اور سخت پریشان ہیں۔آپ کے گاؤں کے ایک بڑے چوہدری نے ان کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ یہ اپنے تعلق کی وجہ سے محترم صاحبزادہ صاحب کو ساتھ لے کر ہمارے پاس فریادرسی کے لئے آئے ہیں۔میری نظر آپ پر پڑی ہے۔ آپ حضور کے تعلق کے پیش نظر پوری کوشش کریں کہ ان کی مشکل دور ہو جائے۔

خاکسار ان کو ساتھ لے کر سرگودھا میں متعلقہ شخص کے پاس گیا۔ وہ احمدی نہیں تھے اور سخت مزاج کے آدمی تھے اور ان صاحب سے سخت برہم تھے۔ تاہم خدا تعالیٰ کے احسان سے مختصر گفتگو کے بعد وہ میری بات مان گئے اور کہا کہ میں انہیں معاف کرتا ہوں۔ یہ تسلی سے واپس جائیں۔ اب ان کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہیں ہوگی۔ اس پر یہ لوگ بہت خوش ہوئے اور ربوہ آ کر محترم صاحبزادہ صاحب اور محترم باجوہ صاحب کا شکریہ ادا کر کے واپس گئے۔

مکرم باجوہ صاحب کے بچپن کے زمانہ میں ہمارے علاقہ میں تعلیمی سہولتوں کا فقدان تھا۔ اور سرگودھا کے زمیندار خوش حال تھے۔ اس لئے ان کے بچے تعلیم کی بجائے چودھراہٹ میں زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔ پھر باجوہ صاحب کے خاندان میں چودھراہٹ کے علاوہ نمبرداری بھی تھی۔ اور آپ سب سے بڑے اور لاڈلے بیٹے تھے۔ خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سب شان وشوکت اور چوپال کی رونق کو تیاگ کر آپ مشکل حالات میں تعلیم حاصل کرنے میں جت گئے۔ آپ کے دل میں کچھ خاص لگن ہی تھی جو آپ کو حصول تعلیم کے لئے جگہ جگہ لئے پھری۔ یہاں تک کہ بی اے آپ نے اس وقت کے لحاظ سے دور دراز اور ریگستان میں واقع بہاول پور سے کیا۔ میں نے ایک دفعہ دریافت کیا کہ آپ کیوں اتنی دور چلے گئے۔ کیا اس سے ورے کوئی کالج موجود نہیں تھا؟ بے ساختہ فرمایا کہ وہاں کوئی فیس نہیں لی جاتی تھی۔ اس وقت ریاست بہاولپور پر عباسی خاندان کے نوابوں کی حکومت تھی اور ساری ریاست میں تعلیم مفت تھی۔

(یہ ریاست اضلاع بہاول پور، بہاول نگر اور رحیم یار خاں پر مشتمل تھی۔)

بی اے کرنے کے بعد 1942ء میں آپ وائسرائے کے سیکرٹریٹ دہلی میں ملازم ہو گئے۔ 1945ء میں حضرت مصلح موعودؓ نے جماعت کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو خاص تحریک فرمائی کہ وہ سلسلہ احمدیہ کی فوری ضرورت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر کے خدمت دین میں حصہ لیں۔ آپ نے اس پر لبیک کہتے ہوئے زندگی وقف کر دی اور مارچ 1945ء میں قادیان حاضر ہو کر مربیان کلاس میں داخل ہو گئے۔ اسی سال دسمبر میں آپ کا تقرر لندن میں بطور مبلغ

ہو گیا۔ چار سال بعد فروری 1949ء میں آپ واپس پاکستان آئے اور ڈیڑھ سال یہاں قیام کیا۔ پھر جولائی 1950ء میں آپ نے لندن پہنچ کر امام بیت الفضل کا چارج سنبھالا اور پانچ سال سے زائد عرصہ تک کامیابی کے ساتھ خدمت سلسلہ کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ 1955ء میں آپ مستقل طور پر پاکستان تشریف لے آئے اور اس کے بعد آخر عمر تک صدر انجمن احمدیہ ربوہ کی متعدد نظارتوں میں بطور نائب ناظر، ایڈیشنل ناظر اور ناظر فرائض ادا کرتے رہے۔ اس طرح آپ نے کمال اخلاص سے اپنی ساری عمر خدمت سلسلہ میں گزار دی۔ آپ نے بتایا کہ جب میں نے زندگی وقف کرنے کے بعد اپنی ملازمت سے استعفیٰ دیا تو میرے انگریز افسر نے بڑے تعجب کا اظہار کیا اور ازراہ ہمدردی مجھے بہت سمجھایا اور بار بار کہا کہ اتنی اچھی سرکاری ملازمت کو نہ چھوڑو۔ تمہارا کام تسلی بخش ہے۔ میں جلد تمہاری ترقی کے لئے سفارش کرنے والا ہوں اور آئندہ بھی ترقی کے بڑے مواقع ہیں۔ میں نے انہیں بتایا کہ دین کی خدمت کے لئے میں نے امام وقت کی آواز پر لبیک کہا ہے اب میں ہرگز پیچھے نہیں رہ سکتا۔ ان کی حیرانی قائم رہی۔ فرمایا کہ کئی سال بعد لندن کے قیام کے وقت اس انگریز افسر سے ملاقات ہوگئی۔ پھر وہ میرے پاس آتے رہے اور کہتے کہ تم نے اچھا کیا کہ دنیا چھوڑ کر دین کی خدمت اختیار کر لی۔ یہ اچھا اور تسلی بخش سودا ہے......

بزرگوں کی دعاؤں سے مکرم باجوہ صاحب کی شادی ہر لحاظ سے بابرکت ثابت ہوئی۔ آپ کی اہلیہ محترمہ ایک باوقار، دانشمند اور خدمت سلسلہ بجالانے والی خاتون ہیں۔ خوشگوار ازدواجی زندگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین بیٹے اور دو بیٹیاں عطا فرمائیں۔ یہ سب خدا تعالیٰ کے فضل سے نیک اور کامیاب زندگیاں گزار رہے ہیں۔ آپ کے چھوٹے صاحبزادے مکرم ڈاکٹر چوہدری ظہیر احمد باجوہ صاحب آج کل نائب امیر جماعت احمدیہ امریکہ کے طور پر خدمت سلسلہ کی توفیق پا رہے ہیں۔ مکرم باجوہ صاحب کے خاندان میں احمدیت ان کے والد محترم چوہدری شیر محمد صاحب کے ذریعہ آئی۔ خوش قسمتی سے انہوں نے عنفوان شباب میں ہی بیعت کر لی اور پھر دن بدن اخلاص اور نیکی میں ترقی کرتے گئے۔ جبکہ ان کے والد مکرم چوہدری علی بخش

صاحب نمبردار احمدی نہ تھے بلکہ مخالفت کرتے تھے۔ سعادت مند بیٹے کی یہ شدید خواہش تھی کہ جو روحانی نعمت انہیں حاصل ہوئی ہے والد بھی اس سے فیضیاب ہوں لیکن وہ متعصب پیروں اور سجادہ نشینوں کے زیر اثر اپنی صوفیانہ ظاہر داری کے زعم میں مگن رہتے اور کسی احمدی عالم کی بات سننے یا ان سے مذہبی گفتگو کرنے کے روادار نہ تھے۔ مرکز سلسلہ سے آنے والے کارکنان انہی کے چوپال میں آ کر قیام کرتے۔ وہیں ایک کونہ میں واقع بیت میں نمازیں پڑھتے، درس دیتے اور تقاریر کرتے۔ بزرگ نمبردار صاحب کو یہ باتیں پسند نہ تھیں۔ تقاریر کے وقت وہ چوپال کے دوسرے کونہ میں موجود رہائشی کمروں میں جا بیٹھتے تا کہ احمدیت کا ذکر ان کے کانوں میں نہ پڑے۔ اسی طرح کئی سال گزر گئے۔ ہدایت پانے کا بھی ایک وقت ہوتا ہے۔ ایک دفعہ مرکز سلسلہ قادیان سے حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحبؓ دورہ پر چک نمبر 33 تشریف لے گئے۔ چوپال میں بیٹھے ہوئے ایک دن جبکہ نمبردار صاحب بھی وہاں موجود تھے حضرت مولانا صاحبؓ نے مکرم چوہدری شیر محمد صاحب کی تحریک پر لوگوں کے سامنے مسائل تصوف اور روحانی حقائق بیان کرنے شروع کئے۔ حسب دستور نمبردار صاحب وہاں سے اٹھ کر کچھ دور ایک کمرہ میں جا بیٹھے تا کہ تقریر کے اثر سے محفوظ ہو جائیں۔ حضرت مولانا صاحبؓ نے اپنی آواز بلند کر دی تا کہ نمبردار صاحب کے کانوں تک کچھ نہ کچھ کلمات خیر پہنچ جائیں۔ ایک تو تقریر ان کے ذوق کے مطابق تھی اور دوسرے مولانا صاحب کا دلی خلوص کام کر رہا تھا:

سخن کز دل بروں آید نشیند لا جرم بر دل

نہ چاہنے کے باوجود نمبردار صاحب کے ذوق تصوف کو تسکین ملی اور روحانی حقائق ان پر اثر انداز ہوئے۔ تقریر کے بعد حضرت مولانا صاحبؓ حسب پروگرام اگلے گاؤں جانے کی تیاری کرنے لگے۔ مکرم نمبردار صاحب نے اندر سے کسی کے ذریعہ پیغام بھجوایا کہ اگر مولانا آج روانگی ملتوی کر دیں تو رات کو میں ان کی تقریر ان کے سامنے بیٹھ کر سنوں گا۔ احباب کے اصرار پر آپ نے روانگی ملتوی کر دی۔ فرماتے ہیں کہ رات کو میں نے ان کے ذوق کے مطابق فلسفہ ایمان اور

مسائل تصوف پر تین گھنٹے تک تقریر کی جو انہوں نے شوق سے سنی۔ اگلا دن بھی وہ حضرت مولانا صاحبؓ سے گفتگو کرتے رہے۔ الحمد للہ کہ انہیں انشراح صدر حاصل ہو گیا اور آپ کی موجودگی میں ہی انہوں نے اور ان کے کئی ساتھیوں نے بیعت کر لی۔

محترم چوہدری علی بخش صاحب تعلیم یافتہ اور زیرک انسان تھے۔ بیعت کے بعد انہوں نے ایمان اور اخلاص میں جلد جلد ترقی کر لی اور بہتوں سے آگے نکل گئے۔ دیگر نیکیوں کے علاوہ انہوں نے وصیت بھی کر دی جو ان کی جائیداد کے لحاظ سے ایک بڑی قربانی تھی۔ وفات کے بعد آپ بہشتی مقبرہ قادیان میں دفن ہوئے۔ یہ بھی خاص اتفاق تھا کہ ان کی اور میرے دادا مکرم چوہدری اللہ بخش صاحب کی وفات قریب قریب ہوئی۔ چنانچہ ہم ان دونوں بزرگوں کے تابوت اکٹھے ہی قادیان لے کر گئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور زندگی بھر کے یہ دو دوست بہشتی مقبرہ قادیان کے ایک ہی قطعہ میں دفن ہوئے۔ یہ جون 1947ء کے دن تھے جبکہ کئی جگہ فسادات شروع ہو چکے تھے۔ پاکستانی علاقہ سے قادیان جانے والے غالباً یہ آخری جنازے تھے۔

یہ وہ بزرگ تھے جن کی زیر نگرانی مکرم باجوہ صاحب نے اپنا بچپن گزارا اور ان سے تربیت پائی۔ اس سلسلہ میں وہ اپنے دادا صاحب سے زیادہ متاثر تھے فرماتے تھے کہ جب میں نے زندگی وقف کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے صرف دادا صاحب سے مشورہ کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ارشاد پر تمہارے دل میں نیکی کی ایک تحریک پیدا ہوئی ہے اس لئے فوراً زندگی وقف کر دو۔ چنانچہ آپ نے زندگی وقف کر دی اور خدمت سلسلہ میں لگ گئے۔

ایک واقف زندگی کے طور پر آپ نے ساری زندگی سادگی اور کفایت شعاری سے بسر کی اور کسی طرف طمع کی نظر سے نہیں دیکھا۔ مکرم چوہدری مشتاق احمد باجوہ صاحب سابق امام بیت فضل لندن و وکیل الزراعت تحریک جدید سے آپ کے قریبی تعلقات تھے۔ جب سندھ میں غلام محمد بیراج بنا تو انہوں نے وہاں ایک وسیع رقبہ حاصل کیا۔ اب انہیں ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو اس زمین کو آباد کر سکے۔ انہوں نے اس بارہ میں مکرم باجوہ صاحب سے رابطہ کیا۔ مکرم باجوہ صاحب نے اپنے گاؤں کے ایک بزرگ جو ان کاموں میں دلچسپی رکھتے تھے کو مکرم چوہدری مشتاق

احمد صاحب سے ملا دیا۔ باہمی معاہدہ تحریر ہونے لگا تو مکرم چوہدری صاحب نے محترم باجوہ صاحب سے کہا کہ آپ بھی حصہ دار بن جائیں۔ فرمایا کہ ایک حصہ میرا ہوگا اور ایک آباد کرنے والے کا اور تیسرا حصہ آپ کا ہوگا۔ انہوں نے اس بات پر بڑا زور دیا لیکن باجوہ صاحب نے صاف انکار کر دیا۔ کہا کہ آپ زمین خریدنے والے اور یہ آباد کرنے والے۔ میرا کوئی تعلق نہیں میں مفت میں کیسے حصہ دار بن جاؤں۔ آپ کی خواہش کے مطابق میں نے آدمی مہیا کر دیا ہے۔ آپ کی زمین آپ کو مبارک ہو۔ کوئی عام زمیندار ہوتا تو وہ ضرور لالچ میں آجاتا لیکن مکرم باجوہ صاحب اس طرف بالکل مائل نہ ہوئے اور آخر تک اپنے اس فیصلہ پر خوش رہے۔ بحیثیت واقف زندگی سادگی اور کفایت شعاری آپ کا طرّہ امتیاز تھا۔

(الفضل 4 فروری 2010ء)

مکرم پروفیسر محمد خالد گورائیہ صاحب نائب صدر عمومی

مکرم باجوہ صاحب مرحوم خدا کے فضل سے قول سدید سے کام لینے والے، سیدھی کھری اور سچی بات کرنے والے کھلے دل کے انسان تھے۔ لگی لپٹی، ملمع سازی یا ظاہر داری کا لحاظ کئے بغیر بات کرنے والے ایک کھرے اور سچے انسان تھے۔ بعض لوگ ان کی اس عادت کی وجہ سے ناراض بھی ہو جاتے تھے لیکن انہیں اس بات کی ذرہ بھر بھی پرواہ نہیں ہوتی تھی۔

خاکسار نائیجیریا سے آیا ہوا تھا۔ ہم آپ کے گاؤں 33 چک میں (چوہدری محمد اسلم باجوہ صدر جماعت و ناظم انصاراللہ ضلع سرگودھا) کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے میں نے ایک عجیب سوال کر دیا اس کے جواب میں فرمایا کہ ایک وقف زندگی کے لئے عہدے اہمیت نہیں رکھتے ہیں وقف کی اہمیت ہوتی ہے اور جو کام بھی خلیفہ وقت اور نظام جماعت سپرد کر دے اسے اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق انتہائی دیانت داری کے ساتھ کما حقہ ادا کرنے میں ہی اصل حسن ہے۔ اس موقع پر انہوں نے ایک واقعہ بھی سنایا۔ فرمانے لگے کہ جب حضورؒ نے میری تقرری بطور ناظر امور عامہ فرمائی تو میں حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کے پاس گیا اور ان سے عرض کی کہ آپ نے

ایک لمبے عرصہ تک اس عہدہ پر کام کیا ہے۔ کچھ ہدایات فرمائیں حضرت میاں صاحب نے فرمایا۔ کوئی ہدایت ودایت نہیں جو معاملہ سامنے آئے اپنے ضمیر، عقل اور سمجھ بوجھ کے مطابق حل کرلیا کرو۔ کوئی بات نہیں غلطیاں بھی ہوں گی خلیفہ وقت کی ذات راہنمائی اور ہدایت کے لئے موجود ہے۔ دعا کے ساتھ جاؤ اور کام شروع کرو۔ فرمانے لگے کہ حضرت میاں صاحب کی اسی ہدایت اور فرمان کی روشنی میں کام کرتے رہے اللہ کا فضل ہے خلیفہ وقت کی دعاؤں اور راہنمائی سے کبھی کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ آج کل حالات اور ہیں ان ابتدائی واقفین زندگی نے انتہائی مشکل حالات میں خدا پر توکل اور بھروسہ کرتے ہوئے اپنے وقف کی روح کو نہ صرف زندہ رکھا بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ بنے۔ جن دنوں آپ لندن میں تھے۔ آپا مشتاق بتاتی ہیں کہ بعض اوقات مہمان نوازی کا بھرم رکھنا مشکل ہو جاتا تھا۔ 1950ء کی دہائی میں اکثر مبلغین مشرقی اور مغربی افریقہ، یورپ اور دوسرے ممالک کو Via لندن ہی جایا کرتے تھے۔

مکرم باجوہ صاحب مرحوم کی زبان پر شکوہ وشکایت تو درکنار۔ یہ واقفین زندگی کا وہ گروہ تھا جو قادیان اور ربوہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جلیل القدر رفقاء کی صحبت میں پروان چڑھے تھے اور خدا تعالیٰ کا سلوک بھی ان سے ایسا تھا کہ اِدھر دل میں کوئی خواہش پیدا ہوئی اُدھر خدا نے غیب سے پوری کر دی۔ زبان پر لانے کی ضرورت بھی نہ ہوتی تھی۔

بات کہنے اور کرنے کا بھی عجیب دلچسپ انداز ہوا کرتا تھا۔ مجھے خدا تعالیٰ نے نائیجیریا کے قیام کے دوران بہت سے نوجوانوں کو ملازمتیں دلوانے کی توفیق دی۔ آپ نے ایک دفعہ مجھے حکم دیا کہ سعید احمد باجوہ ابن چوہدری محمد اسلم باجوہ جنہوں نے BSC ایگریکلچر میں کی ہوئی ہے اسے بھی نائیجیریا لے جاؤں ان کے ارشاد کے پیچھے کیونکہ دعا تھی اس لئے خاکسار چھٹیوں کے بعد جب نائیجیریا گیا تو جاتے ہی عزیزم سعید احمد باجوہ کی درخواست جمع کروا دی اس کی منظوری مل گئی اور عزیزم سعید احمد باجوہ صاحب چند ماہ بعد ہمارے پاس نائیجیریا پہنچ گئے ان کے والد چوہدری اسلم باجوہ صاحب سے بہت محبت اور پیار کا رشتہ تھا اور وہ صدر جماعت بھی تھے اور انہیں اپنی طرف سے

سر براہ نمبر دار بھی بنایا ہوا تھا۔

اسی طرح ان کا بھتیجا آفاق احمد باجوہ بھی وزٹ ویزا پر کسی طرح نائیجیریا پہنچ گیا۔ عام حالات میں اس کے لئے ملازمت ملنا مشکل تھا چند دن بعد اسے بھی خاکسار نے ملازمت دلوادی۔

خاکسار جب نائیجیریا سے ربوہ آیا تو ناظر تعلیم صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب کو نصرت جہاں اکیڈمی کے لئے قائمقام پرنسپل کی ضرورت تھی میری میاں صاحب سے کوئی واقفیت نہیں تھی حضرت میاں صاحب کو کسی نے خاکسار کے بارہ میں بتایا ہوا تھا اور انہوں نے مجھے انٹرویو کے لئے بلایا۔ میاں صاحب سے ملاقات سے قبل خاکسار بھائی جان ظہور احمد باجوہ صاحب کے پاس چلا گیا خاکسار نے عرض کی کہ میاں صاحب نے مجھے بلایا ہے فوراً فون اٹھایا اور میاں صاحب کو صرف اتنا کہا کہ گورائیہ صاحب کو آپ نے بلایا ہے یہ میرے عزیز ہیں۔ میرا خیال تھا کہ سفارش کریں گے کوئی تعارف کروائیں گے صرف اتنی سی بات کی اور کہا کہ جا کر مل لیں۔

اس کے بعد خاکسار پورے 21 سال نصرت جہاں اکیڈمی کا پرنسپل رہا آپ بچوں کے داخلے کے لئے سفارش کر دیا کرتے تھے اور خاکسار کو کسی بھی داخلہ کے لئے کبھی مجبور نہیں کیا یا یاددہانی تک بھی نہیں کروائی۔ ہم بھی معمول کی کارروائی کر کے اکثر و بیشتر بچوں کو داخل کر لیا کرتے تھے۔ ہم سفارش کروانے والوں کو بھی قواعد کی کارروائی کے انتظار کا کہہ دیتے تھے۔

ربوہ آنے کے بعد خاکسار کو ان کے خاصا قریب رہنے کا موقع ملا۔ جب کبھی ملاقات میں دیر ہو جاتی تو خود بھی بلا لیتے ورنہ ہمارا آپا مشتاق سے ایسا عزت و احترام اور پیار و محبت کا رشتہ تھا کہ دل کرتا تھا کہ ان کو مل کر آئیں۔ ربوہ سے باہر چونکہ ہماری رشتہ داریاں مشترکہ تھیں جب بھی کسی خوشی یا غمی کے لئے جانا ہوتا تو خاکسار کو گاڑی میں لے کر جاتے اس طرح کئی سفر ہم نے اکھٹے کئے اور ان کی کمپنی کو ہمیشہ ہی ہم نے انجوائے کیا۔

میری دوسری شادی کے موقع پر سرپرستی کا حق بھی ادا کیا اور میری دوسری بیوی ویسے بھی ان کے قریبی دوست اور دہلی کے ساتھی چوہدری عزیز احمد صاحب کی صاحبزادی ہیں۔

بھائی جان ظہور احمد باجوہ صاحب بہت ہی زیرک انسان تھے مجھے جب بھی کسی مشورہ اور

راہنمائی کی ضرورت پڑی ہر موقع پر مشورہ دیا اور جس کے نتیجے میں ہمیشہ صحیح سمت کا تعین ہوتا رہا۔اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں انہیں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کی اولاد کو بھی اپنے بزرگ والد کا ہر رنگ میں صحیح وارث بنائے آمین ثم آمین۔

بیماری کے ایام میں بھی ایک لمبے عرصہ تک دفتر بڑی مشکل سے تشریف لاتے رہے اور بہت سے آپ کے رفقائے کار آپ کے تجربہ سے زندگی کے آخری سانس تک ان سے فیض یاب ہوتے رہے۔

جب آپ نے وقف کیا تو تلونڈی موسیٰ خاں میں چوہدری محمد الٰہی چیمہ اور فضل الٰہی چیمہ کی اولاد میں سے بعض عورتوں نے وقف کا صحیح ادراک نہ ہونے کی وجہ سے رونا شروع کر دیا۔ یہ گھرانہ آپ کے قریبی رشتہ دار اور آپا مشتاق کے ننھیال کا گھر تھا عورتوں کے رونے کا واقعہ بڑا ہی عجیب ہے یہ گھرانہ آدھے احمدی اور آدھے غیر احمدی تھے۔

ایک دفعہ ایک مربی صاحب مرکز قادیان سے تشریف لائے تھے اور ان کے ڈیرے دیوان خانے اور مہمان خانے میں ہر کھانے پر بیسیوں افراد موجود ہوتے تھے۔حسن اتفاق سے کھانا کھلانے والے نے مربی صاحب کے بارہ میں سمجھا کہ یا تو انہوں نے کھانا کھالیا ہے یا یہ گاؤں کا ہی کوئی آدمی ہے۔جب بزرگوں کو پتہ چلا کہ مربی صاحب نے پورا دن کھانا نہیں کھایا اور نہ ہی آپ سے کسی نے پوچھا ہے تو انہوں نے ملازمین اور گھر والوں کو سخت ڈانٹ ڈپٹ کی کہ تم نے یہ کیا ظلم کیا ہے؟ یہ واقعہ گھر کی عورتوں اور بچوں تک کو یاد تھا۔کہ مربی صاحب کو اس طرح نظر انداز کیا گیا ہے کہ ان کے دسترخوان سے ایک مربی صاحب کو کھانا نہیں ملا چنانچہ جب بھائی ظہور احمد باجوہ صاحب وقف کر کے قادیان چلے گئے اور تلونڈی موسیٰ خان میں پتہ چلا کہ ہمارا بھائی بھی مربی بن گیا اور وہ بھی تربیتی دوروں پر جگہ جگہ جائے گا شاید اسے بھی کوئی کھانا پوچھے گا یا نہیں یہ سوچ کر گھر کی عورتوں نے رونا شروع کر دیا۔

مکرم انجینئر محمد سعید احمد سابق سیکرٹری وقف نو ضلع لاہور

خاکسار عموماً ربوہ بزرگوں سے ملاقات کرنے اور فیض پانے اور دعا کی درخواست کرنے کے لئے آیا کرتا تھا مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ بھی میری اس فہرست میں شامل تھے جو میں نے بزرگوں کی بنا رکھی تھی۔ میں جب بھی آتا، پیار سے پیش آتے، ادب کرتے اور اپنے ارد گرد بیٹھے دوستوں سے تعارف کرواتے۔ میں اس وقت ڈپٹی انجینئر تھا اور GHQ میں کام کرتا تھا تعارف میں کبھی میرے عہدے کا ذکر نہ کرتے بلکہ عموماً کہتے کہ یہ میرے چھوٹے بھائی چوہدری محمود احمد باجوہ کا قریبی دوست ہے گویا چھوٹے بھائی کے حوالے سے بات کر کے اپنے بھائیوں کی عزت بھی بڑھاتے۔

آپ کے قریب بیٹھ کر عرفان کی باتیں ہی سننے کا موقع ملا۔ غیبت کبھی نہ سنی، آنے والے ہر ملاقاتی سے پیار سے ملتے۔ آپ بلند حوصلہ کے مالک اور برداشت کا مادہ بہت تھا۔ ایک دفعہ میری موجودگی میں ایک دوست آئے جن کا ایک ناظر صاحب سے معمولی جھگڑا تھا اور آپ اس وقت ناظر امور عامہ تھے۔ آپ نے اس ملاقاتی کو سمجھانے کی بہت کوشش کی۔ اس نے باتوں باتوں میں کہہ دیا کہ آپ فریق ثانی کی اس لئے طرفداری کر رہے ہیں کہ وہ آپ کے ہم منصب ہیں۔ اس کی اس بات پر آپ نے ایک لفظ نہ بولا نہ طیش میں آئے بلکہ سمجھانے کا سلسلہ مسلسل جاری رکھا۔

آپ اپنی شہرت کو یا ریا کو پسند نہ کرتے تھے بلکہ نیکی کر دریا میں ڈال کی عملی تصویر تھے آپ کے زندگی وقف کرنے پر آپ کے والد محترم نے ایک قطعہ زمین آپ کے نام لگوا دی تا مالی لحاظ سے پریشانی نہ ہو۔

آپ کے والد محترم چوہدری شیر محمد صاحب نے آپ کے دادا مکرم چوہدری علی بخش صاحب سے بہت پہلے بیعت کر لی تھی مگر جماعت میں دیر سے داخل ہونے کے باوجود مکرم چوہدری علی بخش صاحب اخلاص اور فدائیت میں بہت آگے بڑھ گئے تھے۔ آپ بہت متوکل علی اللہ تھے چندہ جات باقاعدگی سے اور بروقت دینے لگے۔ اور بیٹوں کو بھی چندہ ساتھ ساتھ دینے کی تلقین کرتے بلکہ کہا

کرتے تھے کہ خدا کا حق اس کی زمین پر فصل آنے پر ہی ادا کرو۔

ایک سال گندم اتنی ہوئی کہ کسانوں سے سنبھالی نہ گئی۔مکرم شیر محمد صاحب نے بھی کوٹھوں میں گندم رکھ کر بقیہ چھت پر رکھوادی مکرم چوہدری علی بخش صاحب نے بیٹے کو کہا بھی کہ چندہ دے دو مگر بیٹے سے سستی ہوگئی کہ ابھی دیتے ہیں پھر اس سال اتنی بارش ہوئی کہ گندم پرنالوں کے ذریعہ بہنے لگی۔مکرم شیر محمد صاحب نے اپنے والد کے پاس آکر دعا کی درخواست کی کہ دعا کریں اناج ضائع نہ ہوجائے۔باپ نے بیٹے سے کہا کہ اگر چندہ وقت پر دیا ہوتا تو ایسا نہ ہوتا۔

مکرم پروفیسر محمد سلطان اکبر صاحب آف امریکہ

آپ چک 33 جنوبی کے رہنے والے تھے دومیل کے فاصلے پر ہمارا گاؤں چک 35 جنوبی ہے اس لئے تین پشتوں سے باجوہ صاحب مرحوم کے خاندان اور ہمارے خاندان کے قریبی تعلقات رہے ہیں مرحوم کے دادا جان محترم چوہدری علی بخش صاحب میرے دادا جان حضرت چوہدری مولا بخش صاحبؓ صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گہرے دوست تھے۔اسی طرح میرے ابا جان محترم چوہدری ہدایت اللہ صاحب کے مرحوم باجوہ صاحب کے اباجان محترم چوہدری شیر محمد صاحب سے بڑے پیار و محبت کے مراسم تھے۔بفضلہٖ تعالیٰ خاکسار نے ان سب بزرگوں کو خوب اچھی طرح سے دیکھا ہوا ہے اور یہ سب مجھ سے انتہائی شفقت و پیار کا سلوک کیا کرتے تھے اس زمانہ میں جب آپ کالج کے طالب علم تھے سائیکل سواری کا ہی زیادہ رواج تھا اس لیے جب کبھی محترم باجوہ صاحب ہمارے گاؤں میرے چچا محترم چوہدری عطاء اللہ صاحب سابق ناظر مال آمد کو ملنے تشریف لاتے تو خاکسار اپنے بچپنے کے شوق میں باجوہ صاحب کو کہتا کہ مجھے بھی سائیکل پر سواری کرائیں چنانچہ آپ مجھے اپنے آگے سائیکل پر بٹھا کر گاؤں کے ایک دو چکر لگا کر میری دلداری کرتے یہ محبت و پیار کا سلوک خاکسار کے ساتھ آخری دم تک رہا بہت ہی محبت کرنے والے وجود تھے حتی کہ جب کبھی آپ کار پر سوار ہو کر دفتر صدر انجمن جارہے ہوتے تھے تو رستہ میں جب بھی مجھے دیکھ لیتے فوراً کار رکوا کر نہایت شفقت سے مصافحہ کرتے اور حال و خیریت

دریافت فرماتے ۔محترم باجوہ صاحب خلافت احمدیہ سے فدائیت کی حد تک احترام واطاعت کا تعلق رکھتے تھے خلیفہ وقت کی طرف سے جو بھی ارشاد ہوتا اس کی تعمیل بغیر کسی عذر اور بلا چوں وچراں کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے غالباً 1955ء کی بات ہے جب آپ دوسری بار لندن سے واپس تشریف لائے تو مجھے وکالت تبشیر کے ایک کارکن نے بتایا کہ محترم باجوہ صاحب میں یہ خوبی ہے کہ جب بھی آپ کو مرکز سے نئی جگہ تقرری کے احکام ملے تو آپ نے کبھی اپنی جائز مجبوری یا حالات کا عذر کئے بغیر فوراً اس حکم پر بخوشی لبیک کہا آپ کو تین خلفائے احمدیت کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا سبھی آپ کو قدر اور تعریف کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

محترم باجوہ صاحب نے ایک دفعہ خود بیان فرمایا کہ 1955ء میں جب میں لندن سے واپس ربوہ آیا تو میرے پاس کچھ فارغ وقت تھا میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں لکھا کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں ایم اے انگلش میں امتحان پاس کرلوں۔ اتفاق سے اگلے روز جمعہ تھا اور بیت المبارک میں دوران خطبہ میں عین حضرت صاحب کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔حضرت صاحب نے جمعہ کی نماز سے فراغت کے بعد اسی وقت ارشاد فرمایا کہ ابھی فوراً صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے ممبران کا اجلاس ہو۔اور چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب کی خدمات صدر انجمن احمدیہ کے حوالے کردی جائیں۔ چنانچہ حضرت صاحب کے ارشاد پر فوراً عمل کیا گیا اور بطور نائب ناظر اصلاح وارشاد میری خدمات صدر انجمن کے سپرد کردی گئیں۔اور پھر تا دم حیات صدر انجمن احمدیہ ہی میں خدمات سلسلہ بجالاتے رہے۔ وفات کے وقت آپ صدر،صدر انجمن احمدیہ کی حیثیت سے خدمت سلسلہ بجالا رہے تھے۔

مرحبا۔ باجوہ صاحب! آپ نے تعمیل ارشاد خلافت میں سر تسلیم خم کردیا۔تو اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو اس عظیم خدمت وسعادت سے سرفراز فرمایا۔محترم باجوہ صاحب سے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ بھی بہت پیار وشفقت کا سلوک فرمایا کرتے تھے۔ 1966ء تا 1969ء محترم باجوہ صاحب، حضرت صاحب کے پرائیویٹ سیکرٹری رہے۔اور پھر 1970ء اور 1973ء میں حضرت

خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے دورہ مغربی افریقہ اور دورہ یورپ میں حضرت صاحب کے ساتھ بطور پرائیویٹ سیکرٹری بھی مصاحبت کا شرف پایا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے باجوہ صاحب مرحوم کے ساتھ پیار وشفقت کے ایک نظارے کا خاکسار خود گواہ ہے۔لندن میں صد سالہ جوبلی جلسہ سالانہ 1989ء کے موقع پر خاکسار عام سامعین میں بیٹھا ہوا تھا۔محترم باجوہ صاحب بھی ہمارے ساتھ عام سامعین میں بیٹھے تھے۔ منتظمین جلسہ کو غالباً سٹیج کی ٹکٹ دینے میں سہو ہو گیا۔جب حضرت صاحب خطاب کے لئے سٹیج پر تشریف لائے اور حضور کی نگاہ محترم باجوہ صاحب پر پڑی۔تو آپ نے فوراً محبت سے اعلان فرمایا ''محترم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب میرے پاس سٹیج پر تشریف لے آئیں'' چنانچہ محترم باجوہ صاحب تعمیل ارشاد میں عام سامعین کے حلقہ سے اٹھ کر اپنے محبوب آقا کے قدموں میں سٹیج پر جا بیٹھے۔

(الفضل 8 جولائی 2002ء)

محترم شمیم ریاض بیگم کرنل ریاض ورک صاحب لاہور کینٹ (نسبتی بہن)

جنوری 2011ء کو صبح چار سے پانچ کے درمیان خواب میں دیکھتی ہوں کہ میں کسی نامعلوم مقام پر ہوں۔ جہاں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ موجود ہیں۔ وہ مجھے اپنے پاس بلاتے ہیں اور پاس بیٹھنے کو کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کیا باجوہ صاحب کی بیگم آپ کی بہن ہیں۔ میں جواب دیتی ہوں جی حضور وہ میری بڑی بہن ہیں۔حضور فرماتے ہیں کہ آپ کو تو علم ہوگا کہ انہوں نے اپنی زندگی کے کافی سال باجوہ صاحب کی خدمت میں وقف کر دیئے تھے جتنا عرصہ وہ بیمار تھے ان کی بیگم نے دنیا تیاگ دی تھی۔خود کو ہر خوشی اور غم کے موقع سے لاتعلق کر لیا تھا۔صرف اس لئے کہ وہ باجوہ صاحب کی خدمت میں رات دن مصروف رہتی تھیں اور اُن کو ایک لمحہ کے لئے بھی تنہا نہ چھوڑتی تھیں اپنے ہاتھ سے ان کا کھانا بناتیں اور کھلاتی تھیں۔ باجوہ صاحب کا ہر کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔اور انہوں نے نہایت خوش اسلوبی سے اپنا فرض نبھایا اور میں ان سے بہت خوش ہوں۔

حضور نے باجوہ صاحب کی بیگم صاحبہ کی تعریف بہت اچھے الفاظ میں کی تھی ۔ میں سمجھتی ہوں کہ جس طرح ظہور احمد باجوہ صاحب ایک نہایت نیک اور اعلیٰ صفت انسان تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں ویسا ہی نیک سیرت ساتھی دیا۔

ظہور احمد باجوہ صاحب میرے پھپھی زاد بھائی اور بہنوئی تھے ۔ میں نے اپنی شادی سے پہلے کافی عرصہ آپا جان اور بھائی جان کے ساتھ ربوہ میں گزارا، بھائی جان میری ہر بات خوشی سے سنتے اور اسے مان بھی جاتے تھے ۔ان کے بچے اور بھائی بہن ان سے بات کرتے جھجکتے تھے لیکن وہ کبھی میری کسی بات کا بُرا نہ مناتے بلکہ وہ میری بات مان جایا کرتے اور مجھے کبھی نہ ٹوکتے تھے ۔ میرا اور ان کا تعلق ایک باپ اور بیٹی جیسا تھا۔

گرمیوں کی دوپہر کے کھانے میں تندوری روٹی اور کریلے گوشت لسی کے ساتھ بہت پسند کرتے تھے۔

اکثر کہا کرتے تھے کہ دنیا میں وہ لوگ کامیاب ہیں جو سب سے اچھا تعلق رکھتے ہیں اس لئے سب سے ملا کرو اور خاص طور پر جب بھی ربوہ آ ؤ تو حضور کے خاندان کے افراد سے ضرور ملا کرو۔

میں نے جتنا بھی وقت بھائی کے ساتھ گزارا ہے ہمیشہ ان کی زبان سے اچھے الفاظ ہی سنے ۔ کبھی کسی کی دل شکنی نہ کرتے ۔ان کی شخصیت کی خوبیاں الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہیں ۔بچوں، بڑوں اور عزیزوں کے ساتھ مثالی سلوک تھا۔

اپنی بیگم کی بہت قدر کرنے اور ان کو بہت عزت اور محبت دیتے تھے ان کا بہت خیال رکھتے تھے ۔آپا جان کچھ عرصہ کے لئے بیمار ہوئیں تو ان کی بہت تیمارداری کی اور ہر طرح سے ان کا خیال رکھا ان کی جوڑی بے مثال تھی ۔

خدا تعالیٰ بھائی جان کے درجات بلند کرے اور ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے ۔آمین

لختِ جگر کے جذبات اپنے ابا مرحوم کے بارہ میں

زندگی کی رواروی میں بے شمار دن گزر گئے ۔ بہت سے مہربان وجود ایک ایک کر کے رخصت ہوئے ۔ دل آزردہ کی تہہ در تہہ افسردگی نے کبھی تو کہا کہ ان پیاروں کی یاد میں ان کی دلدار محبتوں کا

ذکر کروں وہی اداسی خود بے ہمت سا کر دیتی کہ کچھ لکھنے میں ایک رکاوٹ سی آڑے رہی۔

مولانا شیخ مبارک احمد صاحب سابق امیر و مشنری انچارج امریکہ میرے لئے ایک شفیق اور مہربان وجود تھے نہ ان کے لئے لکھ سکا اور نہ ہی حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب امیر جماعت امریکہ کے لئے اپنے جذبات کو کاغذ پر اُتار سکا۔ ادھر میرے ابا کی وفات کو 11 برس ہونے کو آئے اور تقریباً ہر روز یہی یاد کی رہگزر پر ان کے ہمراہ اپنی عمر کے خوبصورت ماہ و سال گزرتے نظر آتے لیکن آج اس لمحے سے قبل جو کام ایک پہاڑ لگتا تھا یعنی قلم اٹھانا اور ایک خادم دین کی حیات کے چند بکھرے ہوئے اوراق یکجا کروں۔ اچانک ایک غیر شعوری رو کے تحت جیسے آسان سا ہو گیا۔ اور ان یادوں کے درمیان یہ حیرت انگیز عقدہ بھی کھلا کہ خدمت دین اور عشق خلافت ہی دراصل ہر طرح کی ترقیات کا سبب ہیں۔ جبھی عشاق کی یہ داستان اپنے نواح میں کیسے انمٹ نقوش جیسے ثبت کرتی جاتی ہیں۔

پہلی یاد بھی عجیب یاد ہے۔ ربوہ میں ہمارا گھر بن رہا تھا۔ میں ابا کے ساتھ ہوں لڈوؤں کی تقسیم ہو رہی ہے خوشی کا موقع ہے۔ ابا ٹھیکیداروں کے ساتھ کچھ باتیں کر رہے ہیں میں نے غور سے ابا کو دیکھا۔ اور پھر یہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیسا گھر تعمیر کرنے کی توفیق انہیں دی کہ جس میں ہر وقت ہی زبردست گہما گہمی رہتی۔ مہمانوں کا ایک طرح سے تانتا بندھا رہتا۔ ایک وقت میں تقریباً بیس بیس مہمان عزیز و اقارب رہائش پذیر ہوتے وہ سب زیادہ تر ربوہ میں تعلیم حاصل کرنے آئے ہوتے۔ یہ سب رشتہ داروں کا گھر تھا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ صرف دو کمروں میں چھت کا پنکھا تھا۔ گرمیوں کی دوپہر میں ایک کمرے میں تمام مرد حضرات اور دوسرے کمرے میں خواتین آرام کرتیں۔ اسی طرح رات کو گھر کے ایک حصہ میں مرد چارپائیاں بچھا کر سونے اور عورتیں دوسرے حصہ میں۔ اور گھر میں سونے کے چار کمرے تھے مگر ملحقہ غسلخانے نہیں تھے۔ گھر میں چارپائیوں کے سوا مشکل ہی سے کوئی قابل ذکر فرنیچر تھا لہٰذا کمروں میں بھی کوئی فرنیچر نہ تھا۔ کافی بعد میں فرنیچر خریدا گیا اور کمروں کے ساتھ غسل خانے تعمیر ہوئے مگر ابا کو اٹیچ باتھ روم اور

فرنیچر وغیرہ سے ایک نوع کی تکلیف تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ کثرت سے ٹھہرنے والے مہمانوں کے لئے ایک طرح سے مشکل پیدا ہوگی۔ ان کی بے چینی درست ثابت ہوئی۔ ابا گھر میں آنے والے مہمانوں کی خدمت کرنے میں بہت خوشی محسوس کرتے ان کے آرام کا ہر ممکن خیال رکھنے میں کوشاں رہتے۔ اکثر نلکے سے خود پانی نکالتے اور ٹب بھر کر مہمانوں کو نہانے کے لئے پیش کرتے۔

خدا تعالیٰ نے ابا کو بہادری اور دلیری کا وصف بھی عطا کیا ہوا تھا۔ ایک دن جب سب کھانا کھا رہے تھے صحن میں نہ جانے کیسے ایک سانپ نکل آیا سب لوگ مارے خوف کے چار پائیوں پر چڑھ گئے مگر ابا نے بڑے سکون کے ساتھ ایک لاٹھی لے کر اس کا پیچھا کیا اور سانپ کو مار دیا۔ دفتری کاموں، تمام ذمہ داریوں کو ادا کرتے وقت دلیرانہ چائی سے فیصلے کرتے اور جماعت کے مفاد کو پیش نظر رکھتے۔ جماعتی خدمت کے دوران اگر کوئی ناخوشگوار صورتحال درپیش ہوتی تو ظاہر ہے کہ ایسے واقعات کو حضرت خلیفۃ المسیح کے حضور پیش کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ تاہم ایسے مواقع پر اعلیٰ عہدیداران بھی ابا کی ڈیوٹی لگاتے کہ حضور انور کی خدمت میں اطلاع کریں جو ابا بغیر حیل و حجت کمال سکون و ادب کے ساتھ پہنچا دیتے۔ مجھے یاد ہے کہ جماعت کے ایک بہت ہی بزرگ دوست نے مجھے ایک مرتبہ کہا کہ اپنی والدہ صاحب کو کہنا کہ وہ باجوہ صاحب کو صبح دفتر جانے سے پہلے ٹھنڈی اور میٹھی لسی پلا کر روانہ کیا کریں۔ میں نے گھر جا کر پیغام پہنچا دیا۔ ابا نے مجھے کہا کہ انہیں کہنا کہ آپ کی نصیحت پر عمل تو ہوگا لیکن کروں گا وہی جو جماعت کے مفاد میں درست خیال کروں گا۔

ان کی زندگی ایک سچے انسان کے طور پر گزری اور یہ کہ کام کو صرف بطور کام نپٹا دینے کے لئے انہوں نے کبھی نہیں کیا بلکہ اس کو اس طرح کرتے کہ جو ان کے نزدیک اس کام کی درست اور حقیقی صورت ہوتی۔ اگر کبھی غلطی ہوتی تو بلا جھجک تسلیم کر لیتے اور خواہ مخواہ اپنے دفاع میں توجیحات پیش کرنے کی عادت نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سب کی نگاہ میں ان کا ایک وقار اور مقام تھا۔

کئی سال تک ناظر امور عامہ کی نازک ذمہ داریاں ادا کرنے کی توفیق پائی۔ خدا تعالیٰ نے

انہیں متوازی سوچ، صاف ذہن اور معاملات کی گہری سمجھ بوجھ کے ساتھ ساتھ ایک غیر معمولی بصیرت عطا فرمائی تھی۔ منٹوں میں کسی بھی معاملے کی گہرائی پا جاتے اور تفصیلی غور کے نتیجے میں جو فیصلہ کرتے کبھی بھی اس پر ان کا معذرت خواہانہ رویہ نہ ہوتا تھا۔ میرے علم میں ہے کہ ان کے بعض فیصلوں پر ان کے بہت قریبی دوستوں کو بھی شکر رنجی ہوئی مگر ان کی ناراضگی اور غصہ خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ یا تو کسی خواب کی بنا پر یا صورت حال کی وضاحت پر جلد دُور ہو جاتا۔ ایک دوست نے مجھے بتایا کہ ایک دفعہ ابا نے ایک فیصلہ ان کے خلاف دیا جس پر انہیں بہت تکلیف اور ناراضگی تھی اور انہوں نے حضور انور کی خدمت میں معاملہ پیش کرنے کا فیصلہ کیا مگر رات کو خدا تعالیٰ کا ایسا تصرف ہوا کہ انہوں نے خواب میں باجوہ صاحب کو خدا تعالیٰ کی طرف جھکے ہوئے دیکھا۔ اس سے ان کی ناراضگی ختم ہوگئی اور انہوں نے اس کے بعد ہمیشہ ابا کے فیصلوں کو تحسین کی نگاہ سے دیکھا۔

ابا نے گھر میں دودھ کے لئے ہمیشہ بھینس رکھی ہوئی تھی اور اس کے لئے ایک نوکر مقرر تھا۔ جب بھی نوکر چھٹی چلا جاتا تو ہمارے لئے مسئلہ کھڑا ہو جاتا۔ ایک دفعہ ہم دونوں بھائی شطرنج کھیلنے میں مصروف تھے۔ یہ جون کا گرم مہینہ تھا اور ربوہ کی گرمی اور دوپہر کا وقت مگر بھینس اسی طرح دھوپ میں بندھی ہوئی تھی۔ مگر ہمیں کہاں فرصت تھی اور نہ اسے دیوار یا درخت کے سایہ میں منتقل کرنے کا خیال آیا۔ اتنے میں بھینس نے دھوپ اور پیاس کی وجہ سے آوازیں نکالنا شروع کر دیں مگر ہم نے توجہ نہ کی۔ اسی دوران ابا دفتر سے آئے اور صورت حال دیکھی تو خاموشی سے کپڑے تبدیل کر کے نلکے سے پانی نکال کر بھینس کو پلایا اور اسے سایہ میں باندھ دیا۔ واپس آ کر نہائے اور پھر کھانا کھایا اور کسی بھی ناراضگی کے بغیر صرف اتنا کہا کہ اچھے زمینداروں کے بیٹے ہو کہ جانور پیاس سے مرے جا رہے ہیں۔ ابا کی یہ بات آج بھی سوچتا ہوں تو شرم آنے لگتی ہے۔

ایک دن خاکسار کی ناسمجھی کی وجہ سے میری زبان سے جماعت کے متعلق ایک نامناسب بات نکل گئی جو نامناسب تو تھی ہی مگر ابا کے نزدیک وہ خلاف واقعہ بھی تھی۔ انہوں نے مجھے اس دن کچھ نہیں کہا مگر اگلے دن مکرم صدر صاحب خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے مجھے اپنے دفتر میں بلا کر نہایت

احسن رنگ میں بعض امور کی طرف توجہ دلائی تو مجھے ایک دن پہلے والی بات یاد آ گئی اور یہ کہ یہ طریق میری اصلاح کے لئے ابا کے کہنے پر اختیار کیا گیا تھا۔

میرے بچپن میں ابا نے عام لوگوں کے برعکس کبھی بھی روک ٹوک نہیں کی۔ چند بنیادی ضابطوں کوملحوظ رکھتے۔ان میں سے ایک اصول یہ تھا کہ سکول سے سیدھا گھر آنا ہےاورنماز مغرب کے بعد ماسوائے مسجد میں اجلاس اور نماز عشاء کی ادائیگی کے اور کسی کام کے لئے گھر سے باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دن میں سکول سے دوست ڈاکٹر ابراہیم منیب احمد صاحب ابن مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب کے ساتھ ان کے گھر چلا گیا۔ وہاں حضرت چھوٹی آپا بھی موجود تھیں۔ان سب کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا اور نماز عصر مسجد مبارک میں ادا کر کے واپس گھر آیا تو گیٹ پر ابا انتظار کر رہے تھے۔ان کے پوچھنے پر میں نے تفصیل عرض کر دی تو انہوں نے کہا کہ سکول سے سیدھا گھر آنے کی جو پابندی ہے اس کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں ہوسکتی۔اگلے دن مجھے مکرم سید میر محمود احمد صاحب ملے اور فرمانے لگے کہ تم میرے گھر کے فرد ہو مگر آئندہ سکول سے چھٹی کے بعد گھر جانا ضروری ہے۔اس کے بعد جب چاہو ہمارے گھر آ ؤ۔اس چھوٹی سی نصیحت میں کتنی بڑی حکمت پوشیدہ ہے۔

ابا نے ساری زندگی سفید پوشی میں گزاری۔ واقف زندگی ہونے کی وجہ سے مقررہ وظیفہ ملتا تھا مگر خدا تعالیٰ نے بڑا دل اور وسیع ظرف عطا کیا ہوا تھا۔ میں نے ایک دفعہ بچپن میں ضد کی کہ سائیکل لینا ہے۔ابا نے کہا ٹھیک ہے۔ جب ہم لاہور گئے میں نے ابا کو یاد کروایا تو انہوں نے کہا کہ اچھا لیتے ہیں۔اس دوران میں نے ابا کو امی جان سے بات کرتے ہوئے سنا کہ اسے سائیکل کے مطالبہ سے باز کرو۔امی جان نے کہا کہ آپ خود کہیں۔ابا نے کہا کہ میں نے تو عہد کیا ہوا ہے کہ بچوں کے جائز مطالبات سے انکار نہیں کرنا۔اس کے بعد میں نے بات سننے کے باوجود اپنا مطالبہ قائم رکھا۔تو ابا نے کی صورت حال دیکھ کر ایک دوست سے 300 روپے ادھار لئے اور مجھے ایگل سائیکل لے کر دی۔اب مجھے احساس ہوتا ہے کہ بچپنے میں مجھ سے کیسی غلطی ہوئی کہ ابا کو ایک مشکل صورت حال سے دوچار کر دیا۔

ہمارے گھر میں ایک لڑکا گھر کے چھوٹے موٹے کاموں کے لئے ملازم تھا۔ایک دن میں نے اسے اپنی سائیکل صاف کرنے کے لئے کہا مگر اس نے لا پرواہی کرتے ہوئے مکمل صفائی نہ کی۔ مجھے غصہ آیا اور میں نے طیش میں آ کر ابا کی موجودگی میں اسے ایک تھپڑ جڑ دیا۔ابا اس وقت تو خاموش رہے مگر کچھ دیر بعد انہوں نے مجھے بلایا اور صرف اتنا کہا کہ تم نے اسے صرف اس لئے مارا ہے کہ تم میرے بیٹے ہو اور وہ ہمارا نوکر ہے۔ان کی یہ بات مجھے کھا گئی اور مجھے لگا میری روح تک لرز گئی۔

1970ء میں ابا نے اپنے گاؤں چک 33 شمالی میں زمین کا چارج خود سنبھال لیا اور ہر جمعہ کو گاؤں جانا شروع کر دیا۔گاؤں ربوہ سے 20 میل کے فاصلہ پر تھا۔ابا کبھی جیپ پر، کبھی بس پر، کبھی ٹانگہ اور کبھی سائیکل پر اور کبھی پیدل بھی گاؤں جاتے رہے۔ان کا معمول یہ تھا کہ وہ ربوہ سے سیدھے اپنے والد صاحب کی قبر پر دعا کے لئے جاتے پھر مسجد جا کر دو نفل ادا کرتے۔اس کے بعد اراضی کا جائزہ لیتے اور پھر گاؤں واپس آتے۔ پھر ڈیرہ میں گاؤں کے لوگ اپنے مسائل کے لئے جمع ہوتے،ان کے درمیان بیٹھتے اور مدد کرتے اور نمبرداری کے فرائض ادا کرتے شام کو واپس ربوہ آ جاتے ۔ وہ نمبرداری کے حوالے سے اپنی ذمہ داری کو نہایت احسن رنگ میں ادا کرنے کی کوشش کرتے۔اہل دیہہ نہ صرف ان کی غیر معمولی عزت واحترام کرتے بلکہ ان سے محبت بھی رکھتے تھے۔ابا اپنے گاؤں کی ترقی اور خوش حالی کے لئے اپنے ہر طرح کے تعلقات کا خوب استعمال کرتے اور چک کے رہنے والے تمام لوگوں کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے۔ہمیشہ کوشش کرتے کہ مثالی کا شکار بنیں۔مگر اس کے لئے جن اخراجات کی ضرورت ہوتی ان کی جیب اس کی اجازت نہ دیتی تھی۔انہوں نے اپنے گاؤں اور دیگر افراد خاندان کی خدمت کے لئے اپنے کم وسائل کے باوجود جو کچھ مہیا کیا اسے دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے اور دل سے بے اختیار صدا بلند ہوتی ہے کہ خدا کا فضل تھا جس کے نتیجے میں یہ سب کچھ ممکن ہوا۔ان کی جیب میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ رقم ہوتی تھی۔ہمیں جب بھی ضرورت ہوتی تو وہ کہتے کہ میری قمیض کی سامنے والی جیب سے نکال لو۔ انہوں نے کبھی نہیں پوچھا کہ کیا ضرورت ہے اور کتنی رقم کی ضرورت ہے مگر ہمیشہ ہماری ضرورت

کے مطابق رقم مل جاتی تھی۔

میرے ابا نے گورنمنٹ کالج لائل پور (فیصل آباد) سے گریجویشن کی۔ وہ بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ میرے ابا کی عمر 13 سال تھی جب میری دادی جان کی وفات ہوئی۔ میرے ابا پہلوٹھی کے ہونے کی وجہ سے اپنی ماں کے لاڈلے تھے۔ اپنی ماں کے جنازے کے موقعہ پر اسی محبت کا حق ادا کرنے کے لئے یہ عہد کیا کہ آج کے بعد اپنے چھوٹے بھائیوں کو ماں بن کر پالوں گا۔ بعد میں آنے والے حالات نے یہ ثابت کیا اور ہم سب اس بات کے گواہ ہیں کہ ابا نے اپنے اس عہد کو سچ کر دکھایا۔ ابا کے حالات زندگی پر مشتمل کتاب میں اس عہد کو پورا کرنے کے حوالہ سے کئی واقعات درج ہیں۔ مجھے آج بھی حیرت ہوتی ہے کہ اتنی کم آمدنی کے باوجود انہوں نے کبھی بھی اپنے کسی بھائی یا عزیز کی ضرورت پورا کرنے سے انکار نہیں کیا اور خدا کے فضل سے ان کے تمام بھائیوں نے انہیں ہمیشہ عزت واحترام دیا اور بمنزلہ باپ سمجھا۔

جب میرے دادا جان کی وفات ہوئی تو میرے ابا کی دوسری والدہ سے ان کے چار بھائی اور تین بہنیں تھیں۔ ان کی پرورش اور دیکھ بھال بھی ابا نے باپ بن کر کی۔ میں جب اپنے ابا کا دوسری والدہ کی طرف سے بہن بھائیوں کے ساتھ حسن سلوک یاد کرتا ہوں تو ابا کی وہ بات یاد آ جاتی ہے جو انہوں نے ایک دفعہ مجھے خود بتائی کہ انہوں نے اپنی والدہ اور والد صاحب کی وفات پر اپنے آپ سے یہ عہد کیا تھا کہ اپنے بہن بھائیوں کو والدین کی کمی محسوس نہیں ہونے دوں گا۔

ابا نے تقریباً 25 سال کی عمر میں خدمت دین کے لئے زندگی وقف کی۔ اس سے قبل وہ سرکاری ملازم تھے۔ وقف زندگی کی سعادت ملنے پر ساری زندگی شکر ادا کرتے رہے اور خاکسار کا ذاتی مشاہدہ ہے کہ اپنے آسمانی آقا کے ساتھ کئے ہوئے عہد وقف کو ساری زندگی بڑے وقار سے نبھایا۔ اس برکت سے ابا نے اپنے وسیع خاندان میں بلاشبہ بہت عزت واحترام پایا۔ وہ اپنے سارے خاندان بشمول غیر احمدی افراد خاندان میں بہت صائب الرائے اور سرپرست کے طور پر جانے جاتے تھے۔ سارے عزیز واقارب بڑے بھرم کے ساتھ مشورہ کے لئے آتے۔ ابا انہیں

بہترین مشورہ دیتے اور تمام عزیز رشتہ داروں کو ان کے مشورہ اور نصیحت کی قدر و قیمت کا خاص احساس رہتا۔ نہ صرف عزیز و اقارب بلکہ دوستوں اور تعلقات کی سطح پر ابا میں بڑھ کے محبت کے اظہار کا سلیقہ تھا۔ مثلاً اپنے دوست سید عبدالرزاق شاہ کے ساتھ تقریباً ہر روز ہی ربوہ کی پہاڑی پر چڑھتے اور پستول سے نشانے بازی کی مشق کرتے۔ جمعہ کے دن اسکول اور دفتر میں چھٹی کی وجہ سے ہمیں بھی ساتھ لے جاتے اس روز ناشتہ وہیں پر ہوتا اور ہم بھی پسٹل شوٹنگ کی مشق کرتے۔ مکرم سید میر داؤد احمد صاحب مرحوم کے ساتھ ابا کے بہت قریبی تعلقات تھے اور ان کی موت نے ابا پر بے حد اثر ڈالا۔ پھر ابا کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی کہ وہ میر صاحب کی فیملی کی جس طرح بھی ممکن ہے کوئی خدمت کر سکیں اور خیال رکھ سکیں۔ سید میر قمر سلیمان صاحب نے خاکسار کو بتایا کہ ابا جب کبھی بیرون ملک گئے تو ہمیشہ محبت اور پیار کے اظہار کے طور پر مختلف مواقع پر تہنیتی کارڈ بھجواتے۔ ایسا ہی تعلق مکرم پیر معین الدین صاحب مرحوم کے ساتھ بھی تھا جو بہت محبت بھرا اور دوستانہ تھا۔ ابا کے احباب جماعت کے ساتھ بہت گہرے اور دیرپا تعلقات ہوتے تھے۔ ان کی ہر غمی اور خوشی میں شامل ہونا فرض سمجھتے تھے اور ابا اپنے دوستوں کے ساتھ ان تعلقات کو قائم رکھنا، نبھانا اور ان کا حق ادا کرنا خوب جانتے تھے۔ اور اس مقصد کے لئے کسی بھی حد تک جا سکتے تھے۔ اس حوالہ سے ایک سفر یاد آ رہا ہے خواجہ عبدالرحمن صاحب آف سیالکوٹ ابا کے بہت اچھے دوست تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کی دعوت ولیمہ پر ابا کو بھی مدعو کیا ہوا تھا۔ ان دنوں سفر بہت مشکل ہوا کرتا تھا۔ ابا نے حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب سے جیپ لی جس کی حالت کوئی بہتر نہ تھی۔ اس کی کھڑکیوں کے شیشے بھی بند نہ ہوتے تھے۔ سردیوں کا موسم تھا۔ ابا نے مجھے ساتھ لیا اور سفر شروع کر دیا۔ سیالکوٹ پہنچ کر دعوت ولیمہ میں شرکت کی۔ خواجہ صاحب کو مبارکباد دے کر اسی جیپ میں رات ہونے کی وجہ سے ربوہ کا سفر کرنے کی بجائے لاہور پہنچ گئے۔ رات چچا کے گھر قیام کیا۔ چچا بہت خوش ہوئے۔ ابا کی آمد پر اور ان کے احترام کی وجہ سے چچا نے اگلے روز دفتر سے چھٹی کرنے کا پروگرام بنایا اور ابا سے پوچھا کہ بھائی جان کل کیا پروگرام ہے تا کہ میں دفتر سے رخصت لے

لوں۔ابا نے بتایا کہ سیالکوٹ گئے تھے آج آپ کے پاس رات ٹھہر کر ربوہ چلے جائیں گے۔ چچا نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ بھائی جان سردیوں کا موسم ہے آپ اپنی صحت کا خیال رکھا کریں۔ایک دعوت ولیمہ کے لئے ایسی گاڑی میں اتنا لمبا سفر آپ کے لئے مناسب نہیں تھا۔ابا نے جواب دیا کہ دوستوں سے تعلقات نبھانے ہی سے قائم رکھے جا سکتے ہیں اور ان کا حق ادا کرنے کے لئے تکالیف کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ابا کا جواب ہمیشہ کی طرح مختصر اور بے حد با معنی تھا یعنی تعلقات کو نبھانا ایک قربانی کا متقاضی ہوا کرتا ہے۔ لہجے کی نرمی چچا جان کو یہ بھی بتا رہی تھی کہ بھائی کی محبت ان کے دل میں پوری جگہ رکھتی ہے یعنی خفگی بھری محبت کہ سردی میں طویل سفر سے بیمار نہ پڑ جائیں۔

بہت سارے لوگ ابا کے پاس امانتیں رکھوایا کرتے تھے۔ایک اکاؤنٹ کے بارہ میں میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ آبا اور اکاؤنٹ کھولنے والے دوست، دونوں کے دستخطوں سے اکاؤنٹ سے رقم نکلوائی جا سکتی تھی۔ابا کی وفات کے بعد وہ دوست میرے پاس آئے اور جھجکتے ہوئے مجھ سے اس اکاؤنٹ کے متعلق بات کی۔ میں نے انہیں کہا کہ مجھے تفصیلات کا علم نہیں مگر کاغذات موجود ہیں جائزہ لیتے ہیں۔اس نے بتایا کہ باجوہ صاحب کے ذمہ کچھ رقم نکلتی ہے میں نے انہیں کہا کہ بینک چلتے ہیں اگر اکاؤنٹ میں رقم کم ہوئی تو میں پوری کر دوں گا۔ہم نے بنک میں جا کر جائزہ لیا تو یہ دیکھ کر ہم دونوں حیران رہ گئے کہ اکاؤنٹ میں چند ہزار روپے کی زائد رقم موجود تھی اور بطور امانت پڑی ہوئی تھی۔

اب خدا تعالیٰ نے جماعت پر بے شمار انعامات کئے ہیں۔ابتدائی واقفین زندگی نے کن کن حالات میں اپنے فرائض سرانجام دیئے سوچ کر حیرانی بھی ہوتی ہے اور ان کی قربانیوں پر رشک بھی آتا ہے۔خاکسار کے ایک دوست مکرم بشیر لطف الرحمن صاحب نے بتایا کہ وہ 1952ء میں لندن کے قریب نیول اکیڈمی میں زیر تعلیم تھے۔ان کے والد صاحب نے انہیں بذریعہ خط ہدایت کی کہ چھٹیوں میں وہ دس دن کے لئے مسجد فضل جا کر رہیں تاکہ لندن میں جماعتی رابطے کی صورت

پیدا ہو سکے۔مکرم بشیر لطف الرحمن صاحب نے اس وقت کے امام مسجد فضل کو بذریعہ خط اطلاع دی کہ وہاں آ کر چند روز قیام کرنا چاہتے ہیں، امام صاحب نے خوشی کا اظہار کیا اور وہ مقررہ وقت پر رات کو مسجد فضل پہنچ گئے ۔ کیونکہ وہ رات کو لیٹ پہنچ رہے تھے اس لئے راستے میں ہی کھانا وغیرہ کھالیا تھا۔مکرم امام صاحب نے سونے کے لئے انہیں کمرہ کھول دیا اور بتایا کہ ساتھ والے کمرہ میں صبح پونے سات بجے نماز فجر ادا کرتے ہیں۔تھوری دیر میں امام صاحب کافی کا ایک کپ لے آئے کہ سردی بہت زیادہ ہے اس لئے آپ کافی پی لیں۔اس کے بعد تھوڑی ہی دیر گزری تھی امام صاحب آئے اور کہا چونکہ سردی بہت ہے اور ایک کمبل ہمارے پاس زائد ہے آپ وہ رکھ لیں۔ مکرم بشیر لطف الرحمن صاحب نے بتایا کہ سردی بہت تھی اس وقت کسی قسم کی ہیٹنگ وغیرہ کا انتظام نہ تھا اس لئے ساری رات نہ سو سکا۔انہیں معلوم تھا کہ صبح پہلی ٹرین چھ بجے روانہ ہوتی ہے اور نماز فجر کا ٹائم 45 : 6 تھا انہوں نے ایک خط امام صاحب کے نام لکھ کر چھوڑ دیا کہ یہاں اتنی شدید سردی ہے کہ میرے لئے ممکن نہ ہے کہ حسب پروگرام رہ سکوں اس لئے صبح کی پہلی ٹرین سے واپس جا رہا ہوں۔ان کے لئے یہ بات حیرانی کا باعث ہوئی جب ان کو میرے بھائی مکرم منیر احمد باجوہ صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ اس وقت ہمارے ابا وہاں امام مسجد فضل تھے اور ایسے حالات میں اپنے حالات منصبی ادا کر رہے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ ابا کے ساتھ بہت محبت کا سلوک فرمایا کرتے تھے اور ابا تو خلافت کے بے دام غلام تھے۔ مجھے ایک واقعہ یاد آتا ہے تو دل میں ایک خوشی بھر آتی ہے۔ ابا 1989ء کے جوبلی جلسہ پر چھٹی لے کر لندن آئے۔ میں امریکہ سے ان سے پہلے پہنچ گیا۔وہ بدھ کے روز لندن پہنچے اور آتے ہی کہا کہ حضور سے ملاقات کرنی ہے مجھے مسجد فضل لے چلو۔میں نے کہا کہ کل چلیں گے آج آپ آرام کر لیں مگر انہوں نے کہا کہ نہیں آج ہی جانا ہے۔ ہم مسجد فضل پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضور رحمہ اللہ تعالیٰ تو اسلام آباد جا چکے ہیں۔ابا نے کہا کہ اسلام آباد چلتے ہیں۔ اسلام آباد میں دفتر پرائیویٹ سیکرٹری سے معلوم ہوا کہ پاکستان سے آنے والے

احباب کی حضور سے ملاقات جلسہ کے بعد ہوگی۔ ابا نے کہا ٹھیک ہے اور واپس لندن آ گئے۔ اگلے دن جمعرات کو مجھے کہنے لگے کہ میرے لئے کرسی کا ٹکٹ بنوا دو۔ میں نے متعلقہ منتظمین سے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ کرسی کا ٹکٹ یا تو نمائندگان کے لئے ہے یا معذور احباب جماعت کے لئے۔ اس لئے معذرت کر دی۔ میں نے ساری صورت حال ابا کے گوش گزار کر دی۔ جلسہ شروع ہونے سے پہلے حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب جو اس وقت ناظر اعلیٰ تھے سے ملاقات ہوئی۔ ابا ان کے ساتھ باتیں کرتے رہے پھر ابا نے اجازت چاہی تو میاں صاحب مرحوم نے اصرار کیا کہ آپ یہیں کرسی پر بیٹھ جائیں لیکن ابا نے کہا کہ میرے پاس کرسی کا ٹکٹ نہیں ہے اس لئے مناسب نہیں اور سامنے پنڈال میں بیٹھ گئے اور جلسے کی کاروائی شروع ہوگئی۔ تلاوت کے دوران حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی نظر ابا پر پڑی تلاوت ختم ہونے پر حضور نے مائیک پر فرمایا کہ چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب اسٹیج پر تشریف لے آئیں۔ آپ اسٹیج پر حاضر ہو گئے۔ حضور نے ابا سے معانقہ فرمایا اور دونوں گالوں پر پیار کیا۔ اس کے بعد حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرما دی کہ ابا کے آنے جانے کے لئے کارڈ کا انتظام کر دیا جائے۔

اب یہ ایک آسمانی اطمینان اور مسرت سے لبریز واقعہ تھا جو سراسر الٰہی منشاء اور تصرف کے نتیجہ میں واقع ہوا چنانچہ یہ میٹھی میٹھی یاد میرے دل میں ہمیشہ ہلکورے لیتی رہتی ہے۔

ابا کو مطالعہ کا بے انتہا شوق تھا۔ ہمارے گھر Reader' s Digest اور Time میگزین باقاعدگی سے آتے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اردو کے مختلف رسالے بھی لگوا رکھے تھے جن کا وہ باقاعدہ مطالعہ کرتے۔ چنانچہ ذوق مطالعہ اور خلوت کے ساتھ ساتھ اطاعت اور خدمت سے ایک اور روشن پہلو نمودار ہونا شروع ہوا اور وہ ابا کا سلطان القلم کی معاونت میں خدا کے فضل سے شامل ہونا تھا۔ آپ نے ہر ایک اہم موضوع پر قلم اٹھایا۔ تعلیم و تربیت، تبلیغ، اصلاحی اور علمی ان گنت مضامین اور خطوط لکھے جو اردو اور انگریزی دونوں میں تھے۔ نماز ظہر کے بعد دوپہر کے کھانے پر گھر آتے اور بجائے ستانے کے نماز عصر تک مطالع کرتے اور نماز عصر کے

بعد الفضل کا مطالعہ کرتے اور پھر دیگر کاموں کی طرف توجہ دیتے۔ ہمیشہ نماز مغرب کے بعد رات کا کھانا کھا لیتے اور نماز عشاء کے بعد کچھ دیر مطالعہ میں مصروف رہتے اور پھر جلد سونے کے لئے چلے جاتے۔ تمام نمازیں مسجد میں باجماعت ادا کرتے سوائے اس کے کہ کبھی موسم سرما میں سانس کی تکلیف کی وجہ سے نماز فجر گھر پر ادا کرتے۔

ابا نے بے حد نفیس طبیعت پائی تھی ہمیشہ صاف ستھرا لباس زیب تن کرتے۔ اگر ان کے پاس ایک ہی قمیض ہو تو یہ بات ان کی طبیعت میں داخل تھی کہ وہ اسے ایسے استعمال کرتے جیسے کہ نئی ہو۔ دور کے جاننے والوں نے بھی انہیں جامہ زیب بتایا حالانکہ وہ سادگی اور پُرکاری والی بات تھی اس نفاست اور سادگی کے ساتھ ساتھ وہ بہترین چیزوں کا طبعاً ذوق رکھتے تھے۔ ابا کی جو تصویر اس کتاب میں دی گئی ہے یہ 1946ء کی ہے لندن کے مشہور اخبار لندن ٹائم میں چھپی تھی جس کے نیچے لکھا تھا۔

THE HANDSOME IMAM

ابا کی 1955ء میں انگلستان سے واپسی پر ربوہ تقرری ہوئی۔ پہلے تبشیر ربوہ اور پھر حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب جو کہ ناظر اصلاح وارشاد مرکزیہ تھے کے ساتھ نائب ناظر کے طور پر تقرری کر دی گئی حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب نے اس وقت جو نصیحت ابا کو فرمائی وہ یہ تھی کہ کسی کو احمدی بنانے پر سالوں لگتے ہیں اس لئے کسی کو سزا کے طور پر جماعت احمدیہ سے نکالنے کے لئے جلد بازی کی ضرورت نہیں ہونی چاہئے۔ 1970ء میں ابا کی تقرری ناظر امور عامہ کے طور ہوئی اور آپ نے حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب مرحوم سے چارج لیا تو انہوں نے بھی ابا کی درخواست پر یہی نصیحت کی کہ امور عامہ میں کئی قسم کے معاملات کی فائلیں ہیں مگر ہمیشہ کوشش کرنا کہ کسی کے اخراج کے لئے جلد بازی میں سفارش نہیں کرنی۔ 1994ء میں ابا نے مجھے ایک خط لکھا اور فرمایا کہ میں یہی نصیحت اس خط کے ذریعہ سے تمہیں منتقل کرنا چاہتا ہوں۔

میرے وقف کے شروعات بھی بڑی عجیب ہیں۔ جب میری عمر 11 برس تھی تو حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے ایک دن میری والدہ سے کہا کہ "شہر کو واقف زندگی بنانا" بعد ازاں

میٹرک کے کمزور نتائج کی وجہ سے جامعہ احمدیہ میں داخلہ نہ ہوسکا اور یوں لگا کہ جیسے وقف زندگی ہونا ایک خواب وخیال ہوگیا ہے۔ چنانچہ یہ بات آئی گئی ہوئی۔ میں نے آرٹس کے مضامین لے کر کالج میں داخلہ لے لیا اور پھر خدا تعالیٰ کے فضل سے ایم بی اے کرنے کی بھی توفیق مل گئی۔ میرے وقف ہونے کا بھی دور دور تک کوئی نشان نہ تھا۔ میٹرک میں اعلیٰ نمبر حاصل نہ کرنے کے سبب جامعہ احمدیہ میں اس لیے بھی میں نے داخلے کی درخواست بجھوائی یہ بات کہیں مجھ پر لاگو نہ ہو کہ احباب جو کم نمبر لے اُسے جامعہ کے لئے وقف سمجھتے ہیں۔ میرے دل میں یہ بات ہمیشہ ایک خلش بن کر چھپی رہی۔ ادھر ایم بی اے کا ابھی دوسرا سمسٹر ہی تھا کہ مکرم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب (میاں احمد) نے مجھے یاد دلایا کہ تم نے کوئی وعدہ کیا ہوا ہے۔ میں نے بھی ایک لمحہ ضائع کئے بغیر وقف کی درخواست سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ارسال کر دی۔ درخواست قبول ہوگئی اور دفتر پرائیویٹ سیکرٹری سے درخواست کا جواب ابا کے دفتر پہنچا۔ معمول کی ڈاک رکھنے کی عادت میں ابا نے وہ خط کھول لیا جو میرے نام تھا۔ میں ان دنوں ظاہر ہے چھٹیوں پر گھر بھی تھا۔ کیا آئے پہلے تو انہوں نے مجھے دونوں گالوں پر چوما پھر اس انتہائی خوشی کے اظہار کے بعد کہنے لگے معذرت خواہ ہوں کہ تمہارے نام کا خط بے دھیانی میں مَیں نے کھول لیا۔ میں مسکرا دیا۔ اور آج تک ایک میٹھی مسرت مجھے ہلکورے دیتی ہے کہ وہ خط ابا ہی کے کھولنے کے لئے تھا ورنہ بیٹے کو چوم کر گلے لگا کر دعائیں دیتے ہوئے ابا کا وہ دمکتا ہوا چہرہ میں کیسے دیکھتا۔ لیکن وقف کے ساتھ ایک اور حیرت ناک واقعہ میرے ساتھ وقوع پذیر ہونے لگا۔ میری حقیر فقیر طالبعلمانہ زندگی کو چار چاند لگ گئے۔ ایم بی اے میں پوری یونیورسٹی میں ٹاپ کیا یعنی پہلی پوزیشن حاصل کی اور قائداعظم اسکالرشپ کے اعزاز کا حقدار بھی ٹھہرا۔ اس کے بعد ڈاکٹریٹ کرنے کی توفیق ملی۔ **سبحان اللہ** بے شک سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔

جب ابا آخری دفعہ امریکہ تشریف لائے تو مجھے بتایا کہ میں اپنی زندگی، اپنے بچوں اور اپنے پروردگار سے بے انتہا خوش ہوں۔ اس نے انگنت نعمتوں سے نوازا ہے اور ساتھ ہی مجھے اپنا

وصیت سرٹیفکیٹ دیا جس کے مطابق ان کے تمام بقایا جات وہ ادا کر چکے تھے۔ ابا کو میرے وقف زندگی ہونے پر ایک غیر معمولی خوشی کی۔ اب مجھے احساس ہوتا ہے کہ انہوں نے مجھے زبان سے کچھ کہے بغیر وقف کے لئے تیار کیا تھا۔ ابا مجھے مکرم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب (میاں احمد) کے ساتھ دیکھ کر ہمیشہ خوش ہوا کرتے تھے۔ اور میاں صاحب کے متعلق کئی باتیں اور واقعات بتایا کرتے تھے۔ اس سے خیال آتا ہے کہ وہ مجھے وقف کے بارہ میں آہستہ آہستہ تیار کرتے رہے۔ خاکسار کے دل میں خدا کے فضل سے خلافت احمدیہ اور خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے افراد کی جو محبت ہے درحقیقت اس کا بیج ابا ہی نے بویا تھا۔

جماعتی مقدمات کی وجہ سے ابا تین دفعہ گرفتار ہو کر جیل گئے۔ ہر دفعہ یہی کہتے کہ میں اپنے خدا کی رضا پر راضی ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ جماعت کی وجہ سے جیل میں ہوں کسی اخلاقی جرم کی وجہ سے نہیں۔ 71 دن حوالات میں رہنے کی وجہ سے ان کی صحت پر بہت بُرے اثرات مرتب ہوئے۔ وہ ان حالات کے عادی نہ تھے جن سے واسطہ انہیں جیل میں قید کے دوران پڑا۔ جیل کی صفائی کے نامناسب انتظامات، جائز سہولتوں کی عدم موجودگی اس کی وجوہات تھیں۔ میں نے ابا سے جب پوچھا کہ قید میں تو آپ نے بہت تکلیف اٹھائی تو کہنے لگے نہیں کوئی ایسی خاص نہیں۔ پھر خاموش رہنے کے بعد بہت آہستگی اور درد سے صرف یہ کہا کہ جب بارش ہوتی تو قید خانے کا صحن غلاظت سے بھرے پانی میں ڈوب جاتا جس میں پاؤں ڈوبے رہے۔ پھر کچھ نہیں کہا۔ ایک اسکی ہولناک خاموشی میرے رگ وپے پر اُترنے لگی۔

ابا کی یادیں تو بہت ہیں۔ انشاء اللہ زندگی نے اگر وفا کی تو ابا کے حالات ضرور ضبط تحریر میں لاؤں گا۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

حصہ ب

سلطان القلم کی معاونت

(خطوط و مضامین)

صفِ دشمن کو کیا ہم نے بحجّت پامال
سیف کا کام قلم سے ہی دکھایا ہم نے

(درثمین)

سلطان القلم کی معاونت

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو خداداد صلاحیتوں سے نوازا تھا ان میں سے ایک آپ کا ادب اور تحریر تھی۔آپ نے اپنے دَور میں ہر ایک اہم موضوع پر قلم اُٹھایا۔جس میں تعلیم وتربیت بھی تھی اور تبلیغی مضامین بھی تھے۔آپ نے خطوط کے ذریعہ اپنوں اور غیروں کی اصلاح کی کوشش کی۔ مسلمانوں کے فرقوں اور عیسائیوں کو پیش نظر رکھ کر اُردو اور انگریزی میں مضامین لکھنے کا سلسلہ جاری رکھا اور یوں آپ نے اپنی تحریر سے مخالفین کے ساتھ چومکھی لڑائی لڑی اور آپ کو سلطان القلم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی معاونت کی توفیق ملی۔ یہ مضامین جماعت احمدیہ کی تابان وروشن تاریخ کا حصہ ہیں۔اس لئے جو میسر آ سکے وہ یہاں افادہ کے لئے دیئے جارہے ہیں۔

ماہنامہ انصاراللہ کے قلمی خدمات

سال نومبر 1960ء سے مرکزی جرائد ورسائل میں ماہنامہ ’’انصاراللہ‘‘ کا اضافہ ہوا جو مجلس انصاراللہ مرکزیہ کا ترجمان تھا اور ہے۔گو یہ رسالہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ صدر مجلس کی خصوصی توجہ، گہری دلچسپی اور تفصیلی ہدایات ورہنمائی سے جاری ہوا تھا مگر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا اور مضامین کے ذریعہ دوستوں کو اس طرف توجہ دلائی کہ رسالہ انصاراللہ کے مضامین اعلیٰ درجہ کے علمی اور تحقیقی ہونے چاہئے اور دوستوں کو مضامین لکھنے چاہئے۔

نومبر 1960ء سے دسمبر 1984ء تک جن مشہور وممتاز اہل قلم نے اپنے رشحات قلم سے اس رسالہ کو مزین کیا۔تاریخ احمدیت نے 50 سے زائد ان اہل قلم کے نام محفوظ کئے ہیں۔ان میں مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب کا نام بھی درج ہے۔ (تاریخ احمدیت جلد 20 ص 715)

تاریخ احمدیت کی اسی جلد کے اشاریہ جس کو مکرم ریاض محمود باجوہ صاحب اور حافظ انوار رسول صاحب نے مرتب کیا ہے۔اس کے حصہ شخصیات کے ص 10 زیر حرف ط۔ظ پر چوہدری ظہور احمد کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔’’ظہور احمد باجوہ چوہدری‘‘

اسی طرح آپ کو قومی اخبارات سے جماعت سے متعلقہ تراشے جمع کرنے کا بھی شوق تھا اور اس پر محاکمہ بھی کیا کرتے۔

تربیتی مضامین

1۔اللہ کا عبدِ شکور

(حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب)

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب مرحوم ومغفور کو قادیان جلسہ سالانہ کے موقع پر دور سے دیکھنے کا موقع ملتا رہا۔قریب سے دیکھنے کا پہلا موقع اس طرح ملا کہ میں گورنمنٹ کالج فیصل آباد کا طالبعلم تھا اور چوہدری صاحب وائسرائے ہند کے ایگزیکٹو کونسل کے ممبر کی حیثیت سے وہاں تشریف لائے۔ ریلوے اسٹیشن پر اکثر احمدی بھی استقبال کے لئے گئے۔ میں بھی تھا۔سرکاری افسران اور سیاسی لوگ بھی تھے چوہدری صاحب نے سب کے ساتھ ہاتھ ملایا۔مغرب کی نماز کے لئے تشریف لائے نماز کے بعد احباب جماعت قطاروں میں کھڑے ہوگئے۔ چوہدری صاحب نے سب کے ساتھ مصافحہ کیا میرے ساتھ ایک دوست کھڑے تھے۔ان سے پوچھا۔کہاں کے رہنے والے ہیں؟ انہوں نے بتایا تو فرمایا اپنے ماموں زاد بھائی کی برات میں جاتے وقت ہم لوگ آپ کے گاؤں میں ٹھہرے تھے،مکئی کا موسم تھا۔ بھٹے کھانے یاد ہیں۔ پھر پوچھا یہاں کیا کرتے ہیں؟ جواب دیا گورنمنٹ کالج میں پڑھتا ہوں۔آپ نے فرمایا زمینداروں سے لوہا ،ترکھان کا مستقبل روشن ہے۔کوئی کام سیکھیں۔اُس وقت کالج کے لڑکوں نے چوہدری صاحب کا یہ مشورہ دل میں ناپسند کیا مگر میں تھوڑی سی زرعی اراضی کا مالک ہونے کی حیثیت میں چوہدری صاحب کی آج سے پچاس سال پہلے کہی ہوئی بات کو حرف بحرف پورا ہوتے دیکھ رہا ہوں۔ ایک طبقہ چاند ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے دوسرا گروہ اپنی بقاء کی خاطر تحفظات کی بھیک کے لئے سرگرداں ہے۔

درود شریف کی برکت سے

حضرت چوہدری صاحب کو اور قریب سے دیکھنے کا موقعہ اس طرح میسر آیا کہ میں دسمبر 1945ء میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے انگلستان گیا۔ حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس وہاں تھے۔ چوہدری صاحب اپنے چھوٹے بھائی محترم چوہدری عبداللہ خان صاحب مرحوم امیر جماعت احمدیہ کراچی کو ٹانگ کے آپریشن کے لئے وہاں لائے۔ چوہدری صاحب کا قیام اپنے دیرینہ جرمن دوست ڈاکٹر آسکر برونلر Dr Oscar Bronnler کے ہاں تھا۔ مگران کے بھائی ہمارے پاس رہے۔ جنگ عظیم کے بعد کا زمانہ تھا بے شمار انگریز فوجی زخمی ہو کر واپس آ رہے تھے۔ ہسپتال بھرے پڑے تھے۔ چوہدری صاحب نے اپنے دوستوں سے رابطہ پیدا کر کے کسی ہسپتال میں داخلہ کی کوشش کی مگر منزل قریب نظر نہ آئی۔ چوہدری عبداللہ خان صاحب کو تکلیف زیادہ تھی۔ ایک دن چوہدری صاحب غیر متوقع طور پر تشریف لائے۔ انتہائی خوش تھے اور بار بار اللہ تعالیٰ کی حمد کر رہے تھے۔ محترم شمس صاحب نے پوچھا اس خوشی کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا رات مایوسی کی حالت میں بڑی دعا کا موقع ملا۔ میں نے سن رکھا تھا کہ روحمپٹن (Roehampton) میں ایک ہسپتال ہے جہاں ٹوٹے ہوئے اعضاء کا علاج ہوتا ہے اور مصنوعی اعضاء بھی لگائے جاتے ہیں۔ میں بغیر واقفیت کے وہاں چلا گیا۔ سارا رستہ بس میں درود شریف پڑھتا رہا وہاں جا کر کیفیت بیان کی اور اب تک علاج کی رپورٹ دکھائی۔ ڈاکٹر رپورٹ پڑھ رہا تھا اور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج رہا ڈاکٹر نے سر اٹھایا اور کہا Sir Zafarullah although hard pressed I will admit your brother. میں نے شکریہ ادا کیا اور کمرے سے باہر نکل کر لان (Lawn) میں سجدہ شکر بجالایا۔

پھر بھائی سے کہا عبداللہ خان تیار ہو جا ہسپتال آرام دہ نظر نہیں آتا مگر ہمیں تو علاج سے غرض ہے۔ چوہدری عبداللہ خان صاحب کا اس ہسپتال میں آپریشن ہوا۔ گھٹنے کے جوڑ میں پن ڈال کر

ٹانگ سیدھی کر دی گئی۔ پھر وہ ٹانگ جھکا نہیں سکتے تھے مگر کہا کرتے تھے کہ جو تکلیف میں نے سالہا سال دیکھی ہے اس کے مقابل پر اب جنت میں ہوں اس کے بعد لمبے عرصہ تک بڑی مصروف زندگی گزاری۔ چوہدری عبداللہ خان صاحب جب صحتیاب ہو کر وطن واپس آ گئے تو چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کچھ دیر اور انگلستان میں رہے آپ دوستوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کے طور پر اپنے بھائی کے ہسپتال میں داخلہ کا واقعہ سنایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے دوستوں کا سہارا کام نہ آیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی برکت سے مشکل مرحلہ آسان ہو گیا کئی دفعہ خطبات جمعہ میں بھی احباب کو بھی تلقین کیا کرتے تھے کہ انسان کام میں مصروف ہوتے ہوئے بھی زبان سے درود بھیج سکتا ہے لیکن اگر زبان کام میں مصروف ہو تو فارغ اوقات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام سے بڑھ کر کوئی عبادت اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں۔

نصف پنس بچانے کے لئے

ان دنوں صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب بھی وہاں موجود تھے۔ ہم اکثر چوہدری صاحب کے برادر چوہدری عبداللہ خان صاحب کی عیادت کے لئے ہسپتال جایا کرتے تھے۔ جو بس اس طرف جاتی تھی اس کے مشن ہاؤس کے قریب دو اسٹاپ تھے۔ ایک لٹن گرو و (Lytton Grove) اور دوسرا ویسٹ ہل (West Hill) پہلا نسبتاً قریب تھا اگر چہ فاصلہ میں بہت معمولی فرق تھا۔ پہلے اسٹاپ سے کرایہ دو پنس تھا اور دوسرے سے ڈیڑھ پنس ہم عموماً لٹن گرو و کے بس اسٹاپ سے سوار ہوتے تھے چوہدری صاحب اگر کبھی مشن ہاؤس سے ہو کر ہسپتال جا رہے ہوں تو ویسٹ ہل بس سٹاپ سے سوار ہوتے تھے کیونکہ نصف پنس کی بچت تھی۔ ہسپتال میں جب بھی اکھٹے ہوتے تو چوہدری صاحب ہمیں نصیحت کرتے کہ تھوڑے الاؤنس میں کفایت شعاری سے اچھی طرح رہنا سیکھو۔ ہسپتال میں اکھٹے ہونے پر عموماً چوہدری صاحب دریافت فرماتے کون سے سٹاپ سے بس لی۔

ان کے سوال پر ایک دن صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نے کہا کہ لٹن گرو و بس اسٹاپ

سے سوار ہونے کی وجہ فضول خرچی نہیں بلکہ محض اس لئے کہ شہر جاتے ہوئے اسی اسٹاپ سے سوار ہونے کی عادت ہے اس لئے غیر ارادی طور پر اِدھر رخ ہو جاتا ہے ویسے آدھے آدھے پنس کا حساب بھی نہیں رکھا جا سکتا۔ چوہدری صاحب کی عادت اپنی رائے ٹھونسنے کی نہیں تھی محض توجہ ہی دلایا کرتے تھے۔ صرف اتنا کہا کہ عادت کا غلام نہیں ہونا چاہیئے۔

چوہدری صاحب کا حافظہ بلا کا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بات ان کو بھولتی ہی نہیں، عموماً جن راہوں پر ان کا آنا جانا ہوتا تھا ان راستوں پر بسوں کے Fare Stages کا ان کو علم ہوتا تھا۔ یہ بھی کہ کہاں سے کہاں تک زمین دوز ریلوے سے سفر کرنا ہے اور کہاں بس میں بلکہ کرایہ کی بچت کے پیش نظر ریلوے اور بس کا سفر ملا کر کیا کرتے تھے۔ جس دن ان کی وفات کی خبر آئی میں صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کے پاس بیٹھا تھا۔ تو انہوں نے کہا ڈیڑھ دو پنس والی بات یاد ہے۔ ایک سہانے خواب کی طرح وہ زمانہ یاد آ گیا اور چوہدری صاحب کی بے تکلف مجالس بھی۔

نعماء الٰہی کی قدردانی

یہ اسوقت کی بات ہے جب لندن میں اشیائے خوردنی کی کمی کی وجہ سے راشننگ کا نظام جاری تھا اور ایک ہفتے کے لئے صرف ایک کلو دودھ ملتا تھا۔ ایک دفعہ مشن ہاؤس میں کھانے کی میز پر چائے کے لئے بیٹھے تھے ہر چیز موجود تھی سوائے دودھ کے۔ چائے پلانے والا پریشانی کے عالم میں اندر باہر آتا جاتا تھا محترم مولانا شمس صاحب نے پوچھا کیا بات ہے؟ چائے میں کیا دیر ہے؟ جواب آیا دودھ پھٹ گیا ہے۔ چوہدری صاحب نے فرمایا کہاں ہے لے آؤ۔ جواب ملا پھینک دیا ہے چوہدری صاحب نے فرمایا۔ انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری کرتا ہے پھٹے ہوئے دودھ اور دہی میں کیا فرق ہے؟ یہی نا کہ ایک میں انسان کا عمل کا دخل ہے دوسرے میں نہیں۔ مگر انسان ایک ضائع کر دیتا ہے اور دوسرے کو شوق سے کھاتا ہے۔ پھر اپنا ایک واقعہ سنایا کہ میں چند دن کے لئے لندن سے باہر گیا ہوا تھا اس دوران میرے میزبان ڈاکٹر آسکر برونلر کو باہر جانا پڑا وہ جانے سے پہلے گھر میں موجود اشیاء خوردنی کی ایک فہرست میز پر رکھ گئے میں واپس آیا تو دیکھا کہ دہی پر اُلّی لگی

ہوئی ہے میں وہ ہٹا کر دہی کھالی۔ جو دوست چائے پلا رہے تھے انہوں نے بڑی حیرت سے کہا۔ چوہدری صاحب! آپ نے اُلّی لگا ہوا دہی کھا لیا۔محترم چوہدری صاحب نے بڑے پیار سے جواب دیا ہاں کھا لیا اگر ڈاکٹر فلیمنگ وہی چیز آپ کو پنسلین کے نام سے پیش کرے تو آپ بھی بڑے شوق سے کھالیں گے۔

ایک دفعہ چوہدری صاحب کے ساتھ کھانے میں اور دوستوں کے علاوہ میں بھی تھا اور چوہدری صاحب کے پاس بیٹھا تھا۔کوئی چیز چوہدری صاحب سے گر گئی میں نے میز پر موجود وہی چیز آگے کر دی۔مگر اسی اثناء میں انہوں نے گری ہوئی شے اُٹھالی میں نے عرض کیا یہ رہنے دیں۔ یہاں سے اور لے لیں فرمایا کیا یاد نہیں بچپن میں اگر کوئی کھانے کی چیز گر جاتی تھی تو مائیں کیا کرتی تھیں اٹھا کر پھونک مار کر کھالو اور ہم بچپن میں ایسا ہی کیا کرتے تھے۔اب اللہ کی نعمت کیوں پھینک دی جائے۔ ہمیشہ اِنۡ شَکَرۡتُمۡ کے نتیجہ میں ملنے والے فضلوں کے حصول کی خواہش کرنا چاہئے۔

اکرام ضیف

1970ء میں جماعت احمدیہ کے تیسرے امام حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ یورپ اور مغربی افریقہ کے دورہ پر تشریف لے گئے مجھے بھی حضور کے قافلہ میں شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی۔ چوہدری صاحب ان دنوں بین الاقوامی عدالت انصاف کے صدر تھے ہیگ میں مجھے اور چوہدری محمد علی صاحب سابق پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کو چوہدری صاحب کا مہمان بننے کا شرف حاصل ہوا۔مشن ہاؤس میں رات کے کھانے سے فارغ ہو کر چوہدری صاحب کے ساتھ ان کے فلیٹ کے لئے روانہ ہوئے۔منزل پر پہنچ کر چوہدری صاحب نے کار سے اُتر کر جلدی جلدی ہمارے بیگ اٹھا لیے چوہدری محمد علی صاحب نے کہا یہ کیا؟ آپ نے کمال کر دیا ہم آپ کے بچوں کی طرح ہیں۔ چوہدری صاحب نے فرمایا بس اتنی بات! کیا اَکۡرِمُوۡا اَوۡلَادَکُمۡ کا ارشاد رسولؐ بھول گئے ہیں اور مجھے اکرام ضیف سے بھی محروم کرنا چاہتے ہیں۔ دیر کافی ہو چکی تھی چوہدری

صاحب نے ہمیں ہمارا کمرہ دکھایا اور پوچھا ناشتے میں کیا پسند ہے اور ناشتہ کس وقت کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا آپ فکر نہ کریں ہم خود کرلیں گے۔ چوہدری صاحب نے فرمایا اس وقت میں میزبان ہوں یہ میرا فرض ہے پھر چوہدری صاحب اپنے کمرہ میں تشریف لے گئے صبح میری آنکھ کھلی تو میں نے آہستہ سے چوہدری محمد علی صاحب سے کہا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے وضو کرلیں۔ چوہدری صاحب نے اسی طرح سرگوشی کے عالم میں کہا میں رات کو دو دفعہ غسل خانہ جانے کے لئے اٹھا ہوں چوہدری صاحب کو عبادت کرتے ہی دیکھا ہے۔ خدا معلوم سوتے کب ہیں؟ اسی سوچ میں میں سو بھی نہیں سکا۔ رات کو ہم نے ناشتے کے لئے جو وقت بتایا تھا عین اسی وقت چوہدری صاحب نے دستک دی اور فرمایا ناشتہ تیار ہے ناشتہ کرلیں۔ میں کورٹ کے لئے تیار ہوتا ہوں ہم نے ناشتہ کیا تو چوہدری صاحب تشریف لے آئے اور فرمایا تیار ہو جاؤ میں اٹھ کر برتن دھونے لگا تو چوہدری صاحب نے آگے ہو کر میرے ہاتھ پکڑ لیے اور فرمایا آپ مہمان ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یورپ میں تو مہمان میزبان کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ چوہدری صاحب نے فرمایا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں سالہا سال اکیلا رہا ہوں مجھے علم ہے مگر میں یورپین نہیں ہوں اور سنت رسولؐ پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں کیا آنحضرت ﷺ کا بستر دھونا یاد نہیں؟ چوہدری صاحب نے اصرار سے ہمارے برتن خود صاف کئے۔ اور دو تین سینڈوچ لپیٹ کر اپنی جیب میں رکھ کر کہا۔ Thatwill do for my Lunch یہ میرا دوپہر کا کھانا ہے اور ہمیں ساتھ لے کر عدالت انصاف کی طرف روانہ ہو گئے۔

سچی خیر خواہی

ایک واقعہ محترم چوہدری عبداللہ خان صاحب مرحوم نے سنایا کہ ان کے بھائی محترم چوہدری شکر اللہ خان صاحب مرحوم ایک دفعہ قتل کے مقدمہ میں ماخوذ ہو گئے۔ بڑے بھائی جان یعنی حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ ان دنوں ملک سے باہر تھے ان کو اطلاع دی گئی۔ ہم پُر امید تھے کہ وہ کسی بڑے افسر کو اشارہ کر دیں گے تو ہمارے بھائی کی خلاصی ہو جائے گی۔ بڑی

انتظار کے بعد ان کا خط آیا کہ آپ کے خط سے بڑی تکلیف ہوئی، شکر اللہ خان مجھے بہت ہی پیارا ہے میں اس کے لئے دعا ہی کر سکتا ہوں۔ اگر فی الواقع اس نے یہ جرم کیا ہے تو میری محبت یہ تقاضا کرتی ہے کہ اس کو اس کی سزا اس دنیا میں ہی مل جائے اس کی بخشش کا سامان ہو جائے۔ میں آخرت کے حساب کتاب اور سزا کے تصور سے بھی ڈرتا ہوں اس جرم کا حساب اللہ تعالیٰ اُس جہاں میں نہ لے۔ آپ سب دعائیں کریں میں بھی کرتا رہوں گا۔

شکر اللہ خان بھی اللہ کے حضور گڑ گڑائے اور اپنے ناکردہ گناہوں کی معافی طلب کرے۔ بعض اوقات کسی اور وجہ سے انسان پکڑا جاتا ہے۔ چوہدری عبداللہ خان صاحب نے بتایا کہ مقدمہ کی سماعت کے دوران ہی بھائی جان ملک واپس تشریف لے آئے۔ حالات دریافت کئے مگر کوئی قانون یا دوسرا مشورہ نہ دیا سوائے دعا کے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور بھائی جان شکر اللہ صاحب نے اس مصیبت سے مخلصی پائی۔

میں نے ایک دفعہ چوہدری صاحب سے آٹو گراف کی درخواست کی۔ چوہدری صاحب نے کاپی میں یہ تحریر فرمایا۔

عاشق جوریار شو عاشق مہریار نہ

(دستخط انگریزی)23.10.46

یا ارحم الراحمین! تو اپنے اس عبد شکور کو (جس کا نام ماں باپ نے ظفر اللہ خان رکھا اور تو نے اپنے بے پایاں فیض سے اسے ہر لحاظ سے اس دنیا میں ظفر مند کیا اب جبکہ وہ تیرے حضور حاضر ہو چکا ہے اپنے احسان، فضل اور رحمت سے نجات یافتہ گروہ میں شامل فرما۔ آمین ثم آمین)

(ماہنامہ خالد ربوہ دسمبر 1985ء جنوری 1986ء)

2۔ خیرالبشرؐ کا اسوہ کامل

سیاست میں شغف رکھنے والے مذہبی راہنماؤں کی اس طنز کے باوجود کہ

''گزشتہ آٹھ سال میں اسلام نے پاکستان میں قدم ہی نہیں رکھا''

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صدر جنرل محمد ضیاء الحق صاحب اپنے ادراک کے مطابق پاکستان میں اسلامی نظام کے جلد نفاذ کے لئے بے تاب ہیں۔ بظاہر ان کی راہ میں سب سے بڑی روک مختلف دینی مسالک کے فروعی اختلافات ہیں۔ ان مکاتیب فکر کے دینی راہنما ان اختلافات کو پاٹ کر ''لاالٰہ اللہ'' کے جھنڈے تلے ملّی وحدت قائم کرنے میں صدر مملکت کا ہاتھ بٹانے کی بجائے اختلافات کو ہوا دے کر اپنی اپنی اجارہ داری قائم رکھنے میں دن رات مصروف ہیں۔ کبھی ''حجاز کانفرنس'' ہو رہی ہے تو کبھی ''اہل حدیث'' کانفرنس اور کبھی ختم ''تحفظ ختم نبوت'' یہ سب ہتھکنڈے اسی مقصد کے حصول کے لئے ہیں۔

شیعہ، دیوبندی، بریلوی جب ایک دوسرے کو آنکھیں دکھاتے ہیں تو غم و غصہ کی لہر قادیانیوں کی طرف موڑ دی جاتی ہے۔

اسلام کا پُر بہار شجر سایہ دار

اسلام وہ پُر بہار شجر سایہ دار ہے جو ہر تھکے ماندے عربی عجمی کو بلالحاظ رنگ و نسل وعقیدہ اپنے سایہ میں پناہ دیتا ہے جسٹس کارنیلیس کو عیسائی ہوتے ہوتے قرآن مجید میں ہر خوبی نظر آتی ہے اور ہر بیماری کا علاج صلح وآشتی اور امن کا پیغام بھی مگر ان میں ایسے کورچشم بھی ہیں جن کو اسی قرآن میں معمولی اختلاف پر گردن مارنے پر جنت میں جانے کا قریب ترین راستہ دکھائی دیتا ہے۔

حالانکہ اصدق الصادقینؐ نے اختلاف کی خبر دے رکھی ہے۔ کہ میری اُمت بہت سے فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ہمارے قول و فعل میں ایسا تضاد ہے کہ ہم خود بھی مطابقت پیدا نہیں کر سکتے۔ ہم شاتم رسول کو گردن زدنی قرار دیتے ہیں، ایسا گردن زدنی کہ حاکم وقت کے حکم کا انتظار بھی ضروری نہیں مگر ساتھ زبان سے اقرار کرتے ہوئے بھی نہیں تھکتے کہ اگر کسی میں ننانوے وجوہ کفر کی ہوں

اور ایک ایمان کی تو اس ایک کے مطابق اس کے ساتھ سلوک کیا جائے گا۔اور یہ اعلان کرتے ہوئے ہمارا ضمیر ہمیں ذرا بھی ملامت نہیں کرتا کہ گردن پہلے مارو معیار سلوک کا فیصلہ بعد میں کرو۔

ایک طرف خدا تعالیٰ کے حکم هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْن (البقرہ:112) کو پس پشت ڈالتے ہیں اور دوسری طرف اسوہ کامل خیر البشرؐ کے عمل سے روشنی حاصل نہیں کرتے۔

خیر البشرؐ کا اسوہ کامل

عبداللہ بن ابی سلول کو کون نہیں جانتا۔وہی بدبخت جس نے کہا تھا کہ مدینہ کا سب سے معزز یعنی وہ خود (استغفر اللہ) مدینہ کے سب سے ذلیل (نعوذ باللہ من ذالک) یعنی فخر موجودات سید ولد آدم میرے ماں باپ حضورؐ پر فدا ہوں کو مدینہ میں داخل نہیں ہونے دے گا۔اُس سے بڑا شاتم رسول کون ہوگا۔اس کا اپنا بیٹا تلوار لے کر کھڑا ہوجاتا ہے اور باپ سے کہتا ہے کہ اپنے منہ سے اقرار کر کہ میں خود سب سے زیادہ ذلیل اور میرے آقا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ معزز ہیں ورنہ ابھی سر قلم کرتا ہوں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظرف اور اسوہ کہ اُس شخص کے مرنے پر اپنی قمیص مبارک بھجواتے ہیں اور خود نماز جنازہ بھی پڑھاتے ہیں۔

کہاں اُس ہادی اعظمؐ کا سنگ دلوں کو موم کرنے والا محبت اور آشتی کا یہ سبق اور کجا ہم بونے کہ رہتی دنیا تک واجب العمل اور لازوال شریعت میں رخنے ڈال کو گردن زنی کو گڈی گڈے کا کھیل بنانے کے لئے ہتک رسول کے نام پر جواز ڈھونڈ رہے ہیں۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

مجھے تو حجاز کانفرنس بھی اسی قسم کا ایک مشغلہ نظر آیا ہے گزشتہ چودہ سو سال سے دنیا کے مختلف گوشوں سے مسلمان فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے جاتے آتے ہیں سفر سفر تو ہے ہی مگر خادمان حرمین شریفین خدمت پر کمربستہ رہتے ہیں اب وہاں ''ویٹیکن'' قائم کرنے میں کوئی تک نظر نہیں آتی مجھے تو حج کی توفیق ابھی عطا نہیں ہوئی مگر جو خوش نصیب وہاں سے ہو آئے ہیں وہ انتظامات اور سہولتوں کی بڑی تعریف کرتے ہیں مگر شاید کوئی ایسے ہوں جو اللہ کے دربار میں بھی اپنی لیڈری کی دوکان سجانا چاہتے ہیں۔انجیل میں مذکور ہے کہ فربہ اس دروازہ سے داخل نہیں ہوسکتا۔

ایک اور مسحور کن نعرہ

یہی حال تحفظ ختم نبوت کے مسحور کن نعرہ کا ہے انسان نے ختم نبوت کو کیا تحفظ کرنا ہے؟ اللہ ہی بہتر حفاظت کرنے والا ہے۔ اس نے بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے اپنا پیارا کلام قرآن عظیم کی صورت میں اُتارا اور ساتھ ہی فرمایا **انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون** اور اسلام کے ضعف کے زمانہ میں گھس آنے والے عقیدہ ناسخ ومنسوخ کے باوجود اغیار یہ اقرار کرتے ہیں کہ چودہ سو سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود آج بھی قرآن حکیم اپنی اصلی شکل میں موجود ہے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کے لئے سرور کائنات فخر موجودات سید ولد آدم احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین بنا کر بھیجا اور **و اللہ یعصمک من الناس** کہہ کر حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ کو حضور کے پیغام کی حفاظت مقصود نہ تھی تو بیس تیس پچاس پچاس ساٹھ سال کے محدود عرصہ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی حفاظت کی کیا ضرورت تھی؟ درحقیقت اس وعدہ میں حضور کے مشن کی ازلی ابدی حفاظت کا وعدہ تھا۔ حضورؐ کی نبوت جس طرح آج سے 1400 سال پہلے محفوظ تھی آج بھی محفوظ ہے۔ اگر ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے مصر جانے پر مسلمانوں کے ''رسول امن'' کے پُر جوش وخلوص نعروں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو کوئی ضعف نہیں پہنچا تھا تو مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ کی حیثیت ہی کیا ہے۔ جن کا مقام ان کے پیرووں کے نزدیک ایک خادم کا تھا اور بین الاقوامی سیرت کانفرنس تو ابھی کل ہی کی بات ہے۔ قادیانی دنیا کے اس وقت کے گوشے گوشے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام اپنی استطاعت کے مطابق پہنچا رہے تھے۔ جب ساری دنیا کے مسلمان غفلت کی گہری نیند سو رہے تھے۔

مجھے ایک دفعہ مغربی افریقہ کے ایک لیڈر غالباً الحاج مصطفی اُن کا نام تھا اور کسی ملک کے وزیر اعظم یا ڈپٹی وزیر اعظم رہے تھے اور اپنے ملک کی نمائندگی کئی ''بین الاقوامی کانفرنسوں'' میں کر چکے تھے۔ کی ایک تقریر پڑھنے کا موقع ملا تھا۔ جس میں انہوں نے کہا تھا کہ ''وہ خود احمدی نہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ اگر احمدی اس خطہ ارض میں نہ آتے تو وہ سارا ملک عیسائی ہو گیا ہوتا۔''

اسلامی گلدستہ

مجھے اکثر خیال آتا ہے کہ کاش ہم سیرت کے نام پر جلسوں اور کانفرنسوں میں اس چھوٹے سے فرقہ کے استحصال کے منصوبے بنانے کی بجائے اس کو رنگا رنگ گلاب کے ''اسلامی گلدستے'' کا ایک پھول تصور کرلیں۔ اور بھی تو کئی رنگوں کے پھول ہیں۔ آئمہ اربعہ کا اختلاف تو کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ نہ ہی آمین بالجہر، رفع یدین، ہاتھ سینہ یا ناف پر باندھنے پر فتاویٰ کفر جن سے کتابیں سیاہ ہیں۔ اگرچہ آج کل بھی دیوبند اور بریلوی مکتب سے تعلق رکھنے والے علماء ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے رہتے ہیں لیکن کسی زمانے میں وہ اس بارے میں سخت تشدد سے کام لیتے تھے۔ اور جب مخالف فرقے کے کسی فرد پر کفر کا فتویٰ لگاتے تو اس کے ساتھ ہی یہ اعلان کر دیا جاتا کہ چونکہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا ہے اس لئے اس کا نکاح بھی ٹوٹ گیا ہے اور اس کی بیوی دوسری شادی کرسکتی ہے۔ اس فتوے کو منطقی حد تک پہنچانے کے لئے اس کی منکوحہ بیوی کا دوسری جگہ نکاح بھی کروا دیا جاتا۔ (پروفیسر رفیع اللہ شہاب۔ امروز 4 دسمبر 1985ء)

اس کے باوجود ہم ساتھ ساتھ بستے ہیں تو قادیانیوں سی بغض وعناء کیوں؟ کیا اس خیال سے بھی ہم اپنے دلوں میں سلگنے والی آگ کو ٹھنڈا نہیں کرسکتے۔ کہ'' کآخر کنند دعویٰ حب پیمبرم'' اگر ہم نے ایک لاکھ پانچ ہزار قادیانیوں کو صفحہ ہستی سے مٹا بھی دیا تو کیا میدان مارا؟ اس سے بہتر تو یہ تھا کہ۔ ہم ایک نفس کو اسلام میں داخل کرلیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے ایک دعویٰ کیا۔ دعوے پہلے بھی کئی لوگوں نے کئے مگر وہ پھلے پھولے نہیں۔ اگر مرزا صاحب کا دعویٰ بھی ویسا ہی ہے تو اس دعویٰ کا انجام بھی وہی ہوگا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اٹل اصول لکھ رکھا ہے۔

وَاِنۡ یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیۡهِ کَذِبُه وَاِنۡ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبۡکُمۡ بَعۡضُ الَّذِیۡ یَعِدُکُمۡ

(المومن:29)

ہم کیوں فکر کریں؟ اس معاملہ کو حوالہ خدا کریں۔ ساری قوم مرزائی فوبیا کا شکار ہو رہی ہے تین ہفتے ہوئے ہمارے گاؤں کے امام مسجد نے خطبہ جمعہ میں کہا کہ قران مجید میں آتا ہے

''اِسْمُہٗ اَحْمَدُ'' مگر قادیانیوں نے بدل کر ''اِسْمُہٗ غلام احمد'' لکھ لیا ہے۔ میں نے بعد میں ان سے کہا کہ قرآن کریم میں زیروزبر کی حفاظت کا بھی وعدہ ہے۔ وہ تحریف شدہ قرآن شریف دکھا تو دیں۔انہوں نے کہا۔قرآن شریف تو ایسا کوئی نہیں مگر ایسی باتیں ضرورتاً کہنا پڑتی ہیں۔

مجھے خیال آیا یہ انداز فکر اور منبر رسولؐ کیا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے جبر اور تشدد کا راستہ اپنایا تھا یا تبلیغ اور تلقین کا۔قادیانی اسوہ رسول کے مطابق سلوک کے سزاوار کیوں نہیں؟

مسئلہ کا حل

قرآن مجید میں مذکور ہے کہ سارے گناہ بخشے جائیں گے سوائے شرک کے۔ فی الوقت نصف سے زیادہ دنیا مشرک ہے کیا ہماری سوچ کا محور کبھی وہ بھی بنے؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم اپنی ساری قوتیں مجتمع کر کے خدائے واحد لاشریک کا جوّا مشرکوں کی گردنوں میں ڈالنے میں صرف کردیں۔ تا کہ دنیا سے شرک مٹ جائے سیرت نبویؐ کا یہی ہم سے تقاضا ہے اور سیرت کی مجالس، محافل اور کانفرنسوں کی بھی یہی غرض و غایت ہونی چاہئے۔ سیدالاولین والآخرین اس کائنات کے وجود میں آنے سے پہلے بھی خاتم النبین تھے۔ آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰؑ جمیع انبیاءعلیہم السلام کے ادوار میں بھی خاتم النبین رہے اور آئندہ صور پھونکے جانے تک بھی خاتم النبین رہیں گے۔ یہ سچے وعدوں والے کا وعدہ ہے۔ وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا (الطور:49) کہ تو اپنے رب کے حکم پر قائم رہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔اور جو آنکھوں کے سامنے ہو اس سے زیادہ محفوظ و مامون کون ہوسکتا ہے؟ پھر آنکھیں بھی حاضر و ناظر خالق و مالک کائنات کی؟ اگر ہم اپنا مقام عجز و نیاز نہ سمجھیں گے تو شاید ہم ہی وہ لوگ ہوں جن کے متعلق اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے۔ اَمْ ھُمُ الْخَالِقُوْن ۔میاں عبدالرشید نے اپنے کالم ''نور بصیرت'' میں نہایت سادہ، سہل اور عام فہم الفاظ میں ختم نبوت کا بظاہر لاینحل مسئلہ حل کردیا ہے کہتے ہیں۔''زبانی تو سب کہتے ہیں کہ وہ ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔مگر عملاً زیادہ لوگ اپنے اپنے فرقہ کے اماموں کو نبیوں کا درجہ دیتے ہیں''

(نوائے وقت 3 اکتوبر 1985ء)

3۔ اسلام کے مقرر کردہ اصول جنگ

یہ مقالہ 17 جون 1972ء کو مجلس اصلاح ارشاد مرکزیہ کے اجلاس میں مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب نے پڑا۔

اسلام جیسا کہ نام سے ظاہر ہے امن صلح اور سلامتی کا دین ہے۔اس کے بنیادی معتقدات میں فتنہ وفساد، جنگ وجدال کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں کیونکہ یہ امور نہ صرف شرف انسانی کی تضحیک کا باعث ہیں۔ بلکہ معاشرہ کی ہر سطح پر خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی ملک وملت کے لئے خطرناک اور بھیانک مضمرات کے حامل اور امن عالم کے لئے انتہائی مہلک ہوتے ہیں۔

تاریخ اسلام کی ورق گردانی سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعویٰ رسالت پر جولوگ ابتداء میں ایمان لائے ان کو کفار اور مشرکین نے انتہائی ظلم وستم کا تختہ مشق بنایا۔ ایذاءرسانی، دل آزاری، طعن وتشنیع، استہزاء اور تحقیر کا ہر حربہ استعمال کیا۔ بے دردی سے مارا اور پیٹا، اموال غصب کئے، ہلاک وبرباد کرنے کے منصوبے بنائے صرف منصوبے ہی نہ بنائے بلکہ بعض صورتوں میں عملی جامہ بھی پہنایا۔عورتوں کی بے حرمتی کی گئی یہ سب کچھ کس جرم میں محض اس لئے کہ مسلمانوں کو توحید کے اعلان اور خدائے واحد ویگانہ کی عبادت سے روکا جائے یہ سلوک اس کے ساتھ بھی روا رکھا گیا جو صرف مسلمانوں ہی کا آقا اور سردار نہ تھا بلکہ جس کے امین اور معزز ہونے کی شہادت خود کفار اور مشرکین دے چکے تھے اور جسے سونے چاندی کے ڈھیر، بادشاہت اور شادی کے لئے خط، عرب کی حسین عورت کی پیش کش وہ خود کر چکے تھے اُسے ہر قسم کا دکھ پہنچایا، پتھر برسا کر لہولہان کیا اور ان کے قتل کے لئے اعلان کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فدائیوں میں بڑے اولوالعزم، جری، صاحب اثر ورسوخ صحابہؓ بھی تھے۔ جب مظالم حد سے بڑھے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ نے دربار رسالت سے مقابلہ کی اجازت چاہی مگر رحمۃ للعالمین سراپا محبت اور اخوت نے فرمایا

اِنِیّ اُمِرْتُ بِالْعَفْوِ فَلَاتُقَاتِلُوْا (نسائی)

کہ مجھے عفو اور درگزر کا حکم دیا گیا ہے لڑائی مت کرو۔

صحابہؓ بھی مجسم فدائی اور ایثار پیکر تھے ہر قسم کی تکلیف و ذلت برداشت کی مگر اسی ارشاد کی تعمیل میں صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جو تلوار گھوڑا پیچھے رہ جانے پر نکل آنے کی عادی تھی وہ انتہائی مظالم، ایذا، رسانی اور اشتعال انگیزی کے باوجود میان میں رہی اور بے مثال صبر اور عفو کا نمونہ دکھایا۔ حبشہ کی طرف ہجرت کی مگر کفار و مشرکین مطمئن نہ ہوئے۔ 12-13 سال کے مظالم سے جب پیمانہ لبریز ہو کر چھلکنے لگا تو آنحضرت ﷺ یہ کہتے ہوئے مکہ سے نکلے کہ

”اے مکہ! تو مجھے ساری بستیوں سے زیادہ عزیز تھا مگر تیرے باشندے مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے“

اور مدینہ تشریف لے گئے مگر کفار و مشرکین جو اسلام اور بانی اسلامؐ کے استیصال کے درپے تھے اب بھی باز نہ آئے۔ ہادی برحق کو گھر سے نکال کر بھی ان کو چین نہ آیا۔ ظلم اور حسد کی آگ جلتی چلی گئی اور انہوں نے مدینہ کے ایک رئیس عبداللہ بن ابی ابن سلول اور اس کے ساتھیوں کے نام ایک خط بھیجا اور لکھا۔

”تم لوگوں نے ہمارے آدمی محمد ﷺ کو پناہ دی ہے اور ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو تم اس کا ساتھ چھوڑ کر اس کے ساتھ جنگ کرو یا کم سے کم اُسے اپنے شہر سے نکال دو ورنہ ہم اپنا سارا لاؤ لشکر لے کر تم پر حملہ آور ہوں گے اور تمہارے مردوں کو قتل کر ڈالیں گے اور تمہاری عورتوں پر قبضہ کر کے اپنے لئے جائز کر لیں گے۔“ (ابوداؤد)

انہی ایام میں حضرت سعد بن معاذؓ جو اپنے قبیلہ کے رئیس تھے عمرہ کے لئے مکہ تشریف لے گئے انہیں مکہ میں دیکھ کر ابوجہل کی آنکھوں میں خون اُتر آیا اور غضب ناک ہو کر حضرت سعدؓ سے یوں مخاطب ہوا۔

”کیا تم لوگ یہ خیال کرتے ہو کہ (نعوذ باللہ) اس مرتد محمد ﷺ کو پناہ دینے کے بعد تم امن کے ساتھ کعبہ کا طواف کر سکو گے اور تمہارا یہ خیال ہے کہ تم اس کی حفاظت کر سکو گے“

(بخاری)

پھر اُسی زمانہ کی یہ بات ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ کا والد ولید بن مغیرہ جب مرنے لگا تو بے اختیار ہو کر رونے لگ گیا مکہ کے رؤساء نے جو پاس بیٹھے تھے وجہ دریافت کی تو اس نے جواب دیا۔

''کیا تم سمجھتے ہو کہ میں موت کے ڈر سے روتا ہوں واللہ! ہرگز ایسا نہیں۔ مجھے تو یہ غم ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دین پھیل جائے اور مکہ بھی اس کے قبضہ میں چلا جائے۔ رؤساء مکہ نے کہا تم فکر مند نہ ہو ہم اس بات کے ضامن ہوتے ہیں کہ اپنی زندگی میں ایسا نہیں ہونے دیں گے۔''

(تاریخ الخمیس)

ایک طرف کفار و مشرکین کے یہ عزائم تھے مگر دوسری طرف مسلمانوں کی انتہائی بے کسی کی حالت جو قرآن مجید میں یوں مذکور ہے۔

وَاذْكُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْل مُسْتَضْعَفُوْنَ وفی الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ ذَاٰوٰ لكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَدَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

(الانفال:27)

مسلمانو! وہ زمانہ یاد کرو جب تم تھوڑے تھے اور ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے اور تمہیں یہ خوف رہتا تھا کہ لوگ تمہیں اُچک کر تباہ نہ کر دیں۔ پھر خدا نے تمہیں پناہ دی مدینہ میں اور اپنی نصرت سے تمہاری تائید فرمائی اور تمہارے لئے پاکیزہ رزق کے دروازے کھولے تا کہ تم اس کے شکر گزار بندے بنو۔

غرض جب ایک طرف ظلم، بغض اور شر اور دوسری طرف صبر، عفو اور انکسار انتہا کو پہنچ گئے تو ہجرت کے دوسرے سال اللہ تعالیٰ عرش بریں سے رحمۃ للعالمین پر رجوع بہ رحمت ہوا اور اذن فرمایا۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ بِاَيَهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِم

لَقَدِیۡرُ ۔الَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡ مِنۡ دِیَارِھِمۡ بِغَیۡرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنۡ یَقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ط

(الحج:41-42)

اُن لوگوں کو جنگ کی اجازت دی جاتی ہے جن سے بلا وجہ جنگ کی جا رہی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے وہ ظلم کے ساتھ اپنے گھر میں سے نکالے گئے صرف اس بنا پر کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔

اس آیت سے واضح ہے کہ مسلمانوں کو محض اس لئے ان کے گھروں سے نکالا گیا تھا اور اُن پر ظلم کئے گئے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نہ صرف دفاعی جنگ کی اجازت دی بلکہ تائید و نصرت کی بھی بشارت دی۔ظاہر ہے کہ جنگ کی اجازت جبر و تشدد کے لئے نہ تھی،لوٹ کھسوٹ اور استحصال کے لئے نہ تھی۔ ہوس، ملک گیری کے لئے نہ تھی،نسلی برتری کے لئے نہ تھی بلکہ محض اور محض ظالم کے ظلم سے روکنے کے لئے تھی۔ظلم و تعدی پر قدغن لگانے کے لئے تھی، پُر امن بقائے باہمی کے لئے تھی۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ قَاتِلُوۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ وَ لَا تَعۡتَدُوۡا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡمُعۡتَدِیۡنَ o وَ اقۡتُلُوۡھُمۡ حَیۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡھُمۡ وَ اَخۡرِجُوۡھُمۡ مِّنۡ حَیۡثُ اَخۡرَجُوۡکُمۡ وَ الۡفِتۡنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ وَ لَا تُقَاتِلُوۡھُمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ حَتّٰی یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِیۡہِ فَاِنۡ قَاتَلُوۡکُمۡ فَاقۡتُلُوۡھُمۡ کَذٰلِکَ جزاءُ لۡکَافِرِیۡنَ o فَاِنِ انۡتَھَوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ o وَ قَاتِلُوۡھُمۡ حتّٰی لَا تَکُوۡنَ فِتۡنَۃٌ وَّ یَکُوۡنَ الدِّیۡنُ لِلّٰہِ فَاِنِ انۡتَھَوۡا فَلَا عُدۡوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ o (البقرہ:191-194)

اے مسلمانو! اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرنا کیونکہ زیادتی کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا ان کفار کا جہاں بھی تم سے سامنا ہو اُن سے لڑو اور اس جگہ سے اُن کو نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے یعنی جہاں بھی وہ تمہارے اثر کو بزور مٹانا

چاہئیں تم ان کا مقابلہ کرواور بے شک وہ فتنہ جس کے یہ لوگ مرتکب ہورہے ہیں وہ قتل سے بھی سخت ہے حرم کے علاقہ میں لڑائی مت کرو لیکن اگر یہ کفار تم سے حرم میں لڑائی کی ابتداء کریں تو تم بھی ان کا مقابلہ کرو کیونکہ ناشکر گزاروں کی یہ سزا ہوتی ہے اور اگر یہ کفار اس سے باز نہ آجائیں تو جان لو کہ اللہ ہی غفور رحیم ہے اور اے مسلمانو! تم ان کفار سے اُس وقت تک لڑو کہ ملک میں فتنہ نہ رہے اور دین خدا کے لئے ہو جائے یعنی دین کے معاملہ میں سوائے خدا کے اور کسی کا خوف نہ رہے۔ اور اگر یہ کفار جنگ سے باز آجائیں تو تم بھی فوراً رک جاؤ کیونکہ ظالموں کے سوا کسی کے خلاف جنگ جائز نہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جنگ کے محرکات اور ایسی قیود اور پابندیوں کا وضاحت سے ذکر فرمایا ہے جو جنگ کو پھیلنے کی بجائے محدود رکھتی ہیں اور جنگ کی اجازت دفاع، خود حفاظتی، مسلمانوں کو مظالم اور تباہی سے بچانے کے لئے فتنہ دور کرنے کے لئے اور ملک میں امن قائم کرنے کے لئے دی ہے۔

چونکہ جنگ کی اصل غرض امن کا قیام ہے اس لئے جنگ کی اجازت کے ساتھ ہی یہ تاکیدی تعلیم دی۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○

(انفال:62)

اگر یہ کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو اے نبی! تمہیں چاہئے کہ تم بھی صلح کی طرف جھک جاؤ اور اللہ پر توکل کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

کیا کوئی معاشرہ انسانی جان کی حفاظت کے لئے اس سے زیادہ حسین تعلیم پیش کرسکتا ہے۔

احادیث میں ذکر ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ سے فرمایا کرتے تھے۔

اے مسلمانو! تمہیں چاہئے کہ دشمن کے مقابلہ کی خواہش نہ کیا کرو۔ اور امن و عافیت کے خواہاں رہو اور اگر تمہاری خواہش کے بغیر بحالت مجبوری دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدمی

دکھاؤ۔ (بخاری، مسلم ابوداؤد)

پھر روایت آتی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص ہے کہ وہ اپنی بہادری کے اظہار کے لئے جنگ کرتا ہے اور ایک شخص ہے جو خاندانی وقومی غیرت کے لئے لڑتا ہے اور ایک ہے جو لوگوں کو دکھانے کے لئے لڑائی کرتا ہے ان میں سے کون شخص فی سبیل اللہ سمجھا جاسکتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا

''کوئی بھی نہیں۔ خدا کے راستہ میں وہ شخص لڑنے والا سمجھا جائے گا جو اس لئے لڑتا ہے کہ جو کوشش کفار کی طرف سے اللہ کے دین کو مغلوب کرنے کے لئے جاری ہے اس کا قلع قمع ہو اور خدا کا دین کفار کی ان کوششوں کے مقابل پر غالب آجائے۔''

(مسلم، ترمذی، ابوداؤد)

اسلام میں جو جنگیں لڑی گئی ہیں ان کا مطالعہ بتاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ جنگی ضابطہ اخلاق کو بڑی اہمیت دیتے تھے اس کی پابندی سے کم سے کم انسانی نفوس کا ضیاع ہوا۔ ناجائز انتقام سے اسلامی افواج نے اجتناب کیا۔ جنگ کے اثرات کو محدود کر دیا۔ بچوں، عورتوں بوڑھوں کا قتل معیوب قرار دیا، اور بلا وجہ جنگ کے دائرہ کو وسیع کرنے سے منع فرمایا اور عوام کو خطرناک تباہی و بربادی سے بچالیا۔ حضرت نبی کریم ﷺ جب کوئی فوجی دستہ روانہ فرماتے تو ان کو ہدایت دیتے کہ

''اللہ تعالیٰ کا نام لے کر نکلو۔ حفاظت دین کی نیت سے جنگ کرو۔ مال غنیمت میں بددیانتی نہ کرنا، نہ کسی قوم سے دھوکا کرنا نہ دشمن کے مقتولوں کے اعضاء کاٹنا، نہ بچوں، عورتوں بوڑھوں اور عبادت گاہوں کے لوگوں کو قتل کرنا، ملک میں صلاح کرنا، لوگوں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ احسان کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے۔ دشمن کے ملک میں ڈر اور خوف پیدا نہ کرنا اور عوام الناس پر سختی نہ کرنا''

(مسلم، ابوداؤد)

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے متعلق مذکور ہے کہ آپ رئیس الجیش کو وصیت فرماتے کہ

''جن لوگوں نے اپنے خیال میں اپنے آپ کو خدا کی عبادت کے لئے وقت کر رکھا ہے ان کو

کچھ نہ کہنا اوراسی طرح جس چیز کو وہ مقدس سمجھتے ہوں اُسے بھی کچھ نہ کہنا۔پھل دار درخت نہ کاٹنا، اور نہ کسی آبادی کو ویران کرنا'' (موٗطا)

اس کا موازنہ زمانہ حال کے جنگی اصولوں سے کریں جب زمین سے بھی اور آسمان سے بھی پُرامن شہری آبادیوں کو اندھادھند بمباری کا نشانہ بنایا جاتا ہے جس سے نہ عبادت گاہیں محفوظ ہوتی ہیں نہ بچے، بوڑھے اورعورتیں، نہ ہرے بھرے لہلہاتے ہوئے کھیت، نہ پھلدار درخت۔

اسی طرح یہ بھی حکم تھا کہ کوچ کے وقت اس طرح نہ چلا جائے کہ راستے رک جائیں۔اس کی خلاف ورزی جہاد کے ثواب سے محرومی کا باعث تھی۔آج کل ذرائع آمدورفت کی تباہی اور فضاؤں اور پانیوں کی ناکہ بندی ہی کو جنگ جیتنے کا موٗثر ذریعہ خیال کیا جاتا ہے۔

مسلمانوں کو بھاگنے یا ہتھیار ڈالنے کی قطعاً اجازت نہ تھی حکم تھا کہ غالب آوٗ یا شہید ہوجاوٗ۔ اگر مسلمان اس پر عمل کرتے تو آج مشرقی پاکستان میں شرمناک ہزیمت اور سقوط ڈھاکہ کا سانحہ ہمارے نصیب نہ ہوتا۔

جنگی قیدیوں کے متعلق فرمایا کہ اپنے آرام سے زیادہ ان کا خیال رکھوانہیں بطور احسان یا فدیہ دے کر چھوڑ دیا جائے۔ فدیہ کی حسین صورت یہ تھی کہ قیدی مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھاویں۔قیدیوں کے جذبات کا اتنا خیال تھا کہ رشتہ داروں کو ایک دوسرے سے جدا نہ کرنے کا حکم دے رکھا تھا اگر قید میں رکھنا ضروری ہو تو صرف اس وقت تک کہ جنگ جاری رہے اس کے بعد نہیں۔

اگر کوئی مسلمان جنگی قیدی لے جاتا تو اُسے حکم تھا کہ جو خود کھائے وہی اُسے کھلائے اور جو خود پہنے وہی اسے پہنائے اور اگر وہ قیدی پر کوئی سختی کرتا تو قیدی بلا معاوضہ آزاد کر دیا جاتا۔

نیّر الہام سے دور ہو کر اس مادی دنیا نے 13 سو سال کی جدوجہد کے بعد قیدیوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے جنیوا کنونشن کا ڈھونگ رچایا۔یہ راگنی الاپنے والوں کے لئے 14 سو سال قبل کے اصول لمحہ فکریہ پیش کرتے ہیں۔

عہد و پیمان کو پورا کرنے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سختی سے تاکید فرماتے تھے حضورؐ کو

عہد کا جس قدر پاس تھا تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ صلح حدیبیہ ایک مثال ہے حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اعلان کر دیا تھا۔ کہ جو مسلمان دشمن کے ساتھ دھوکہ یا بد عہدی کرے گا میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ (موطا)

صد حیف آج معاہدے اس لئے کئے جاتے ہیں کہ توڑے جائیں۔ لیگ آف نیشنز کے معاہدوں کا المیہ، دوسری جنگ عظیم کی صورت میں ظاہر ہوا اور کون کہہ سکتا ہے کہ اس سلسلہ میں اقوام متحدہ کی کوتاہی کیا رنگ لائے گی۔

ان احکام سے ظاہر ہے کہ اسلامی جنگیں اور جنگی اصول نہ انتقامی تھے نہ ملک ہتھیانے کے لئے بلکہ شرف انسانی اور بلند اخلاقی اقدار کے قیام کے لئے۔ بانی اسلام صلی اللہ علیہ السلام نے ان اصولوں پر خود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمل فرمایا اور کروایا۔ آپؐ کے خلفاء نے اس کو مشعل راہ بنایا اور بامراد ہوئے اور آج کی متحارب اقوام جب تک ان اصولوں کو مشعل راہ نہ بنائیں گی امن عالم کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔ بلکہ محض سُراب رہے گا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد رضی اللہ عنہ اپنی کتاب سیرۃ خاتم النبین میں فرماتے ہیں۔

''اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ فطرت کا مذہب ہے اس لئے نہ تو وہ یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہر صورت میں ہر گناہ اور ہر جرم کی سزا ہونی چاہئے اور نہ یہ سکھاتا ہے کہ کسی حالت میں بھی بدی کا مقابلہ نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ ہر دو تعلیمات افراط وتفریط کی راہیں ہیں اور ان پر عمل کرنے سے کبھی بھی امن قائم نہیں ہوسکتا۔ اور نہ اقوام وافراد کے اخلاق کی اصلاح ہوسکتی ہے اور صحیح اور سچی تعلیم یہی ہے کہ

جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ۔

(شوریٰ:41)

یعنی بدی اور جرم کی سزا اس کے مناسب حال ہونی چاہئے۔ لیکن اگر عفو کرنے سے اصلاح ہوتی ہو تو عفو کرنا چاہئے اور اس رنگ میں عفو کرنے والا شخص خدا کے نزدیک اجر کا مستحق ہوگا۔ یہ قرآنی آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنگی ضابطہ اخلاق کا خلاصہ ہے اور آپ کی تمام جنگی

کارروائیاں اسی آیت کی تفسیر ہیں۔

جارج برناڈ شا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق لکھا ہے کہ

میں یقین دلاتا ہوں کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے انسان کو نئی دنیا کی حاکمیت اعلیٰ دے دی جائے تو وہ اس کی موجود مشکلات کو اس طرح حل کرنے میں کامیاب ہو جائیں کہ اسے ضروری امن و مسرت سے ہمکنار کر دے۔ (الفضل 16-17 ظہور 1351 ھش)

4۔ الہام

اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر دائمی گواہ ہے

اللہ تعالیٰ کے مامورین جب دُنیا میں آتے ہیں تو اُن کے آنے کی واحد اور عظیم الشان غرض یہ ہوتی ہے کہ مخلوق کا تعلق پھر خالق کے ساتھ قائم ہو جائے اور وہ خدائے قادر و قیوم کے روشن چہرہ اور اس کی روشن تجلیات کو دیکھ کر پھر اس کی توحید پر ایمان لے آئیں۔ اس غرض کے پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے مامورین کو جو ذرائع اور وسائل عطا فرماتا ہے ان میں سے ایک بہت بڑا ذریعہ تبشیر یا انذار کے حامل آسمانی نشانات ہوتے ہیں۔

ہمارے اِس زمانہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس غرض کے ماتحت اِس دنیا میں مبعوث فرمایا اور آپؑ کو بھی اپنی قدرت کاملہ سے ایسے نشانات سے نوازا جن سے اللہ تعالیٰ کی ہستی، اس کی قدرت، اسلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقانیت اور خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا ثبوت ملتا ہے اور مومنوں کے یقین اور ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ اِن اَن گنت نشانات میں سے ایک عظیم الشان نشان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اُس الہام کا پورا ہونا ہے جو آج کا موضوع ہے۔ یعنی اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّار۔ اس الہام کا اُردو ترجمہ یہ ہے کہ یقیناً میں الدار یعنی تیرے گھر کے اندر رہنے والے ہر فرد کی حفاظت کروں گا۔ ’’الدار‘‘ سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا گھر ہے لیکن جیسا کہ خود حضورؑ نے اس کی تشریح فرمائی ہے اس سے مراد صرف اینٹ اور گارے کا گھر نہیں بلکہ حضور کا روحانی گھر بھی مراد ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں۔

’’اس جگہ یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہی لوگ میرے گھر کے اندر ہیں جو میرے اس خشت و خاک کے گھر میں بود و باش رکھتے ہیں بلکہ وہ لوگ بھی جو میری پوری پیروی کرتے ہیں میرے روحانی گھر میں داخل ہیں۔‘‘ (کشتی نوح از روحانی خزائن جلد 19 ص 10)

گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اینٹ گارے کے گھر میں رہنے والوں کے علاوہ اس گروہ کی حفاظت کا وعدہ بھی فرمایا جو حضورؑ کے ساتھ اخلاص، محبت اور فدائیت کا تعلق رکھتے ہیں اور جن کا ذکر حضور نے خود ان پیارے الفاظ میں فرمایا ہے۔

''اے میرے عزیزو! میرے پیارو!! میرے درخت وجود کی سرسبز شاخو!! جو خدا تعالیٰ کی رحمت سے جو تم پر ہے میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو اور اپنی زندگی، اپنا آرام، اپنا مال اس راہ میں فدا کر رہے ہو...... میں جانتا ہوں کہ میں جو کچھ کہوں تم اُسے قبول کرنا اپنی سعادت سمجھو گے اور جہاں تک تمہاری طاقت ہے دریغ نہیں کرو گے۔''

(فتح اسلام از روحانی خزائن جلد 3 ص 34)

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عظیم الشان وعدہ کس انداز سے پورا ہوا۔ اس الہام کا ''تذکرہ'' میں کم و بیش پندرہ سولہ دفعہ ذکر آیا ہے۔ وقت کی رعایت سے میں چند ایک کا ذکر کروں گا۔ ان تمام الہامات پر جب یکجائی نظر ڈالی جائے اور ان کے نزول کی تاریخ اور ہر مرتبہ کے الہام کے سیاق وسباق کو ملحوظ رکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس عظیم الشان الہام کے اندر جس خدائی حفاظت کا وعدہ ہے اس کا تعلق صرف کسی خاص ایک موقع کے ساتھ ہی نہیں ہے بلکہ یہ الہام اور یہ خدائی وعدہ ماضی میں بھی متعدد مواقع پر مختلف رنگوں میں ان تفصیلات کے مطابق جو الہامات میں ہمیں نظر آتی ہیں پورا ہوا اور پھر مستقبل کے ساتھ بھی اس کا گہرا تعلق ہے۔ اور آئندہ بھی ہم میں سے جن کو اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاک گھر میں رہنے کی توفیق دے گا وہ اس خدائی حفاظت کے سایہ میں محفوظ رہیں گے۔

یہ الہام سب سے پہلے 28 اپریل 1902ء کو ہوا اور آخری بار 29 اپریل 1908ء کو۔ درمیانی زمانہ میں یہ الہام متعدد بار ہوا۔ سلسلہ الہام کے تکرار میں خدا تعالیٰ کی مخفی در مخفی حکمتیں ہوتی ہیں اور بعض اوقات تاکید، تائید اور تسلی کے علاوہ نئے حالات سے متعلق نئی خبریں بھی ہوتی ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس الہام کے تکرار میں بھی یہی حکمت ہے۔

اس الہام کے پورا ہونے کا اور نہایت شاندار طور پر پورا ہونے کا سب سے پہلا ظہور اس

وقت ہوا جب ملک میں نہایت خطرناک طور پر طاعون پھیلی اور لاکھوں لوگ اس کا شکار ہو گئے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس الہام کے مطابق تمام وہ لوگ جو آپؑ کے جسمانی اور روحانی گھر میں مقیم تھے غیر معمولی طور پر اور غیر معمولی حالات میں محفوظ رکھے گئے اور یہی طاعون ان کے لئے گویا رحمت کا نشان اور ترقی کا ذریعہ بن گئی۔

اس نشان کی کسی قدر تفصیل یہ ہے کہ جب شروع شروع میں طاعون کا مرض بمبئی میں ظاہر ہوا اور ابھی پنجاب میں نہیں آیا تھا تو 1898ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک رؤیا دیکھا کہ فرشتے سیاہ رنگ کے پودے لگا رہے ہیں اور جب آپؑ نے ان سے پوچھا کہ یہ کیسے پودے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ طاعون کے درخت ہیں جو اب اس ملک یعنی پنجاب میں پھیلنے والی ہے اور آپؑ کو بتایا گیا کہ اس مرض کے پھیلنے کا باعث لوگوں کی بے دینی اور خراب حالت ایمانی ہے چنانچہ اس کے جلد بعد ہی یہ مرض پنجاب میں بھی آ گیا اور گو شروع میں اس کا حملہ زیادہ سخت نہیں تھا مگر آہستہ آہستہ اس کی شدت بڑھتی گئی۔ حتیٰ کہ 1902ء میں آ کر اس نے زور پکڑ لیا۔ انہی ایام میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ الہام فرمایا کہ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّار

اور آپؑ پر یہ ظاہر فرمایا کہ یہ طاعون آپؑ کے لئے ایک خدائی نشان ہے اور اس کے ذریعہ آپ کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں میں اللہ تعالیٰ ایک امتیاز پیدا کر دے گا۔

حضور نے فرمایا۔

”گورنمنٹ عالیہ انگریزی نے اپنی اعایا پر رحم کر کے دوبارہ طاعون سے بچانے کے لئے ٹیکا کی تجویز کی اور بندگان خدا کی بہبود کے لئے کئی لاکھ روپیہ کا بوجھ اپنے سر پر ڈال لیا......

لیکن ہم بڑے ادب سے اس محسن گورنمنٹ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اگر ہمارے لئے ایک آسمانی روک نہ ہوتی تو سب سے پہلے رعایا میں سے ہم ٹیکا لگواتے اور آسمانی روک یہ ہے کہ خدا نے چاہا ہے کہ اس زمانہ میں انسانوں کے لئے ایک آسمانی رحمت کا نشان دکھاوے تو اس نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تو اور جو شخص تیرے گھر کی چاردیواری کے اندر ہو گا وہ جو کامل پیروی

اور اطاعت اور سچے تقویٰ سے تجھ میں محو ہو جائے گا وہ سب طاعون سے بچائے جائیں گے۔ اور ان آخری دنوں میں خدا کا یہ نشان ہو گا تا وہ قوموں میں فرق کر کے دکھلا وے لیکن وہ جو کامل طور پر پیروی نہیں کرتا وہ تجھ میں سے نہیں۔ اس کے لئے مت دل گیر ہو............اور اس نے مجھے مخاطب کر کے یہ بھی فرمایا کہ عموماً قادیان میں سخت بربادی افگن طاعون نہیں آئے گی جس سے لوگ کُتوں کی طرح مریں اور مارے غم اور سرگردانی کے دیوانہ ہو جائیں۔ اور عموماً تمام لوگ اس جماعت کے گو وہ کتنے ہی ہوں مخالفوں کی نسبت طاعون سے محفوظ رہیں گے۔ مگر ایسے لوگ ان میں سے جو اپنے عہد پر پورے طور پر قائم نہیں یا ان کی نسبت اور کوئی وجہ مخفی ہو جو خدا کے علم میں ہو اُن پر طاعون وارد ہو سکتی ہے مگر انجام کار لوگ تعجب کی نظر سے اقرار کریں گے کہ نسبتاً و مقابلتہً خدا کی حمایت اس قوم کے ساتھ ہے اور اس نے خاص رحمت سے ان لوگوں کو ایسا بچایا ہے جس کی نظیر نہیں۔''

(کشتی نوح از روحانی خزائن جلد 19 ص 1-2))

غور سے دیکھیں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ پیشگوئی بھی اپنے اندر متعدد دعاوی رکھتی ہے۔ مثلاً یہ کہ

اول۔ حضورؑ کے گھر کے اندر رہنے والوں کو طاعون سے بچایا جائے گا۔

دوم۔ جو شخص بھی سچے دل سے حضورؑ کی پیروی کرنے والا ہو گا خواہ کسی مکان اور کسی شہر اور کسی ماحول میں رہتا ہو حضورؑ کے گھر میں ہی سمجھا جائے گا اور طاعون سے بچایا جائے گا۔

سوم۔ قادیان میں طاعون جارف نہیں پڑے گی۔

چہارم۔ جماعت کے لوگ خواہ وہ کتنے ہی ہوں، مخالفوں کی نسبت طاعون سے محفوظ رہیں گے۔

پنجم۔ وہ لوگ جو اپنے عہد پر قائم نہیں رہے یا ان کی نسبت اور کوئی وجہ مخفی ہو ان پر طاعون وارد ہو سکتی ہے۔

ان تفصیلات کے ساتھ بلا شبہ یہ پیشگوئی بہت عظیم اور بہت وسیع شکل میں ہمارے سامنے آئی ہے اور پھر جب اِسی عظمت اور اسی وسعت کے ساتھ اسے پورا ہوتا بھی دیکھتے ہیں تو ہمارے لئے ازدیادِ ایمان کا موجب ہوتی ہے۔

1902ء سے 1907ء تک طاعون کا بے حد زور رہا اور جس طرح کہ جاننے والے جانتے ہیں اس زمانہ میں طاعون ہلاکت اور بربادی کا پیغام لے کر آئی تھی گویا قیامت کا ایک نمونہ تھا اور لوگوں کو اپنے مردے دفنانا تک ممکن نہیں تھا۔ ہر گھر میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی اور بستیوں کی بستیاں اُجڑ رہی تھیں۔ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے اس الہام کے مطابق حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے گھر میں کوئی انسان تو کیا کوئی چوہا تک بھی طاعون سے نہیں مرا۔ حالانکہ حضرت مسیح موعودعلیہ کا گھر اپنے ماحول اور اپنے معیار تمدن کے اعتبار سے گلبرگ یا ماڈل ٹاؤن کا کوئی انوکھا اور منفرد گھر نہیں تھا، اسی طرح کے گھر آپؑ کے مخالفوں کے بھی تھے لیکن وہاں طاعون کے جراثیم اپنا کام کر رہے تھے مگر مسیح پاکؑ کے گھر کے اندر داخل ہونے کا انہیں گویا حکم ہی نہیں تھا۔ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کو اس خدائی وعدہ پر اس قدر یقین تھا کہ انہی ایام میں جب مولوی محمد علی صاحب جب بیمار اور یہ محسوس کیا گیا کہ شاید ان پر طاعون کا کوئی اثر ہے تو حضرت مسیح موعودعلیہ السلام تشریف لائے اور آپؑ نے مولوی صاحب کی نبض پر ہاتھ رکھا اور فرمایا اگر اس مکان میں آپ کو طاعون ہو جائے تو میں جھوٹا، حضورؑ کا یہ فرمانا تھا اور نبض پر ہاتھ رکھنا تھا کہ مولوی محمد علی صاحب کی تکلیف اُسی وقت جاتی رہی اور بخار بالکل اُتر گیا۔

اسی طرح حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کے بارے میں بھی آیا ہے کہ اس زمانہ میں ابھی چھوٹی عمر میں ہی تھے کہ آپ کو شدید بخار ہو گیا اور بُن ران میں دو گلٹیاں نکل آئیں۔ حضور نے دعا فرمائی اور دعا کے بعد ہی حضرت میر صاحبؓ کی گلٹیاں غائب ہو گئیں بخار اُتر گیا اور آپ اٹھ کر کھیلنے لگ گئے۔

18 اکتوبر 1902ء کو پھر الہام ہوا۔ حضور فرماتے ہیں۔

’’آج کوئی پہر رات باقی ہو گی کہ الہام ہوا‘‘

اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ وَلِنَجْعَلَهٗ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا۔ عِنْدِیْ مُعَالَجَاتٌ۔

ترجمہ۔ میں ہر ایک کو جو اس گھر میں ہے حفاظت کروں گا اور اسے لوگوں کے لئے نشان بناؤں گا کہ یہ ہماری طرف سے رحمت ہوگی اور یہ بات اٹل ہے۔ میرے پاس کئی علاج ہیں۔

میں نے اِس الہام کو معمول کے موافق کتاب میں لکھا لیا اور پھر گھر میں (مراد حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا) دریافت کیا کہ آج تم نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ میں نے ابھی ایک خواب دیکھا ہے کہ ایک صندوق بذریعہ بلٹی آیا ہے جس کو شیخ رحمت اللہ نے بھیجا ہے اور وہ دوائیوں کا صندوق ہے۔ حکیم فضل دین کی بیوی اور ہَرُ ودائی پاس کھڑی ہیں۔ جب اس کو کھولا گیا تو وہ لبالب دوائیوں سے بھرا ہوا تھا۔ ڈبیا ہیں، شیشیاں ہیں، غرض پورے طور پر بھرا ہوا ہے گھاس پھوس کی جگہ بھی دوائیاں ہیں۔ میں نے اس لحاظ سے کہ ان کے ایمان میں اور بھی ترقی ہو۔ کہا کہ مجھے آج یہ الہام ہوا ہے اور میں نے وہ لکھا ہوا الہام ان کو دکھایا۔ خدا کی قدرت ہے کہ کیسا عجیب توارد ہے اِدھر الہام میں رَحْمَةً مِنَّا ہے اُدھر رؤیا میں دکھایا گیا ہے کہ رحمت اللہ نے بھیجا ہے اور پھر حکیم فضل دین، مریم (حکیم صاحب کی بیوی) کا پاس ہونا۔ چراغ (ملازم) کا لانا، یہ سب مبشرات ہیں لِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ سے مراد یہ ہے کہ یہ وعدہ حفاظت جو ہے اس حفاظت کو لوگوں کے لئے نشان ٹھہراؤں گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اب کھلے کھلے طور پر کچھ کرنا چاہتا ہے۔...... اس وقت ایک قوم تمنا کے ساتھ ٹیکہ کرا رہی ہے اور ہم اس نشان کے ساتھ ناز کرتے ہیں۔

(تذکرہ ص449-450)

چنانچہ اِسی یقین اور ایمان کی بدولت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ٹیکہ لگوانے سے اپنی جماعت کے دوستوں کو روک دیا اور باوجودیکہ حکومت کی اس تدبیر کو سراہا اور اسے مفید قرار دیا لیکن محض اس لئے کہ اس طرح خدائی نشان مشتبہ ہوسکتا ہے اور لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ ٹیکہ کی وجہ سے یہ لوگ محفوظ رہے ہیں حضورؑ نے ٹیکہ سے اپنے دوستوں کو روکا اور ایک روحانی علاج اور روحانی ٹیکہ سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ گویا ایک ظاہری تدبیر نہ کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی نصرت اور حفاظت فرمائی اور غیر معمولی طور پر وہ لوگ جو سچے دل سے حضورؑ کے پیرو تھے اور حضور میں محو تھے اس ہلاکت سے محفوظ رہے۔ نہ صرف یہی بلکہ جس طرح کہ حضورؑ نے فرمایا تھا بہت سے لوگوں نے

اس نشان سے فائدہ اُٹھایا اور روزانہ سینکڑوں کی تعداد میں لوگ بیعت کر کے سلسلہ میں داخل ہوئے ایسے ہی لوگوں کا ذکر کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کبھی کبھی مسکرا کر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے سلسلہ میں بہت سے طاعونی احمدی بھی ہیں یعنی وہ لوگ جو طاعون کا نشان دیکھ کر سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں۔

پھر تیسرا دعویٰ اس نشان میں یہ تھا کہ قادیان میں بربادی افگن طاعون نہیں پڑے گی اور وہ نظارہ ہلاکت کا یہاں نہیں ہوگا جو دوسرے شہروں میں ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا قادیان میں وہ کیفیت بالکل نہ تھی جو دوسرے شہروں اور علاقوں میں اس موقع پر تھی اور اس فرق کو غیر بھی محسوس کر رہے تھے۔ نیز درحقیقت اس میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ یہ نشان اور زیادہ واضح ہوجائے کہ قادیان کے مقام کو بھی خدا نے ایک برکت دی ہے اور پھر اسی شہر کے بعض مکانوں میں تو طاعون پھیل جائے لیکن غیر معمولی طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا گھر اور آپ کے ماننے والوں کے گھر اس سے محفوظ رہیں پھر اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ قادیان کے اندر رہنے والے اشد مخالف اور بدزبان معاند آریہ لیڈر وغیرہ اسی طاعون کا شکار ہو کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر ہمیشہ کے لئے مہر لگانے والے بن جائیں۔

پھر عمومی طور پر بھی جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے محفوظ رہی اور وہ لوگ جو ملک کے اندر حضورؑ کے مخالفین میں سے تھے بہت سے اُن میں سے اس عذاب کا شکار ہو گئے اور طاعون کی موت مر گئے۔

یہ تمام تفصیل خدا ترس انسان کو اس بات کے سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ واقعی اگر خدا وعدہ نہ ہوتا تو یہ سب باتیں ناممکن تھیں اس لئے کہ طاعون کے کیڑوں کو یہ شعور کون بخش سکتا تھا کہ دیکھنا ہمارے مسیح کے گھر اور اس کے مخالفوں کے گھروں کو الگ الگ پہچاننا اور ہمارے مسیح کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں سے بھی یوں آگاہ رہنا حقیقتاً جتنا بھی غور کیا جائے انسانی عقل حیران رہ جاتی ہے اور سوائے اس بات کے کہ یہ سب کچھ اس خدائے قادر و قیوم کی طرف سے

تھا جو اسباب اس محتاج نہیں ہے۔ یقیناً اس کا یہ کلام سچا تھا کہ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّار

8 جون 1904ء کو الہام ہوا جس کے الفاظ یہ ہیں۔

عَفَتِ الدِّیَارُ مَحِلُّهَا وَ مَقَامُهَا اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ اَعْطَیْتُکَ کُلَّ النَّعِیْمِ

(تذکرہ ص 518)

یعنی عارضی رہائش کے بھی مکانات مٹ جائیں گے اور مستقل رہائش کے بھی۔ میں تمام ان لوگوں کی جو اس گھر میں رہتے ہیں حفاظت کروں گا۔ میں نے تجھے سارے انعامات عطا کئے ہیں۔

اس الہام میں جہاں حفاظت کا ذکر ہے وہاں ساتھ ہی یہ خبر بھی ہے کہ گویا ایسا کوئی عذاب آئے گا جس سے مکانات گر جائیں گے اور سخت تباہی آئے گی۔ اور ایسے عالم میں جو لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ''الدّار'' میں ہوں گے وہ خاص طور پر بچائے جائیں گے چنانچہ اس الہام الٰہی کے مطابق 4/ اپریل 1905ء کو شمالی ہندوستان میں ایک نہایت خطرناک زلزلہ آیا جس کا مرکز دھرم سالہ ضلع کانگڑہ تھا۔ اس زلزلہ سے ہزاروں مکانات اور جانیں تلف ہوئیں۔ گویا قیامت کا نمونہ تھا لیکن اس موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی طور پر جماعت کے دوستوں کو محفوظ رکھا۔ اس معجزانہ حفاظت کی صرف ایک شہادت پیش کرتا ہوں۔ مکرم ماسٹر عطاء محمد صاحب استاذ الجامعۃ الاحمدیہ بیان کرتے ہیں۔

''میرے محترم چچا حضرت مولوی وزیر الدین صاحبؓ حضرت مسیح موعودؑ کے قدیم صحابہ میں سے تھے وہ سجانپور ٹیرہ ضلع کانگڑہ کے ورنیکلر مڈل اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ ان کے اہل و عیال مکیریاں ضلع ہوشیار پور میں مقیم تھے اور میں چچا جان کے ہمراہ سجانپور ٹیرہ میں رہتا تھا۔

1905 کے غالباً فروری یا مارچ کے مہینے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک اشتہار بعنوان ''**عَفَتِ الدِّیَارُ مَحِلُّهَا وَ مَقَامُهَا**'' چچا جان کو موصول ہوا جو دیواروں پر چسپاں کرنے کے لئے انہوں نے میرے سپرد کر دیا۔ میں اسکول کے گیٹ اور دوکانوں کی دیواروں پر یہ

اشتہار چسپاں کر رہا تھا کہ وہاں ایک سادہ کار (سنار) حسن دین نامی میرے پاس سے گزرا اور اشتہار دیکھ کر کہنے لگا کہ مرزائیوں کی صف لپیٹی جائیگی۔ یہ سُن کر میرے منہ سے بے اختیار نکلا کہ احمدیوں کی تو نہیں البتہ تمہاری صف لپٹنے کا وقت آ گیا ہے۔ وہ تو چلا گیا اور بات آئی گئی ہو گئی......

4/اپریل 1905ء کو عین طلوع آفتاب کے وقت وہ قیامت خیز زلزلہ آیا جس سے ضلع بھر کی بستیاں اور شہر تہہ و بالا ہو گئے۔ دریائے بیاس میں جو سجانپور ٹیرہ کے بالکل قریب بہتا تھا پہاڑ کی چوٹی گرنے سے بند لگ گیا اور پانی پہاڑ کی اترائی پر بنے ہوئے مکانوں اور انسانوں کی تباہی کا موجب ہوا۔ ڈاک اور تار کا سلسلہ یکسر منقطع ہو گیا ہمارے مکان اور اسکول کی بنیادیں تک اُکھڑ گئیں اور شہر میں اس قدر تباہی مچی کہ دن چڑھتے ہی کہرام مچ گیا مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمارے گھر میں جتنے افراد تھے سب کے سب معجزانہ طور پر محفوظ رہے......اس کے برخلاف وہ حسن دین جو کہتا تھا کہ مرزائیوں کی صف لپٹی جائے گی اس کے اپنے خاندان کے بیس کے قریب افراد تھے جن میں ایک دو کے سوا باقی سب لقمہ اجل ہو گئے۔ شہر میں اس قدر موتا موتی لگی کہ بعض گھر جن میں گیارہ گیارہ افراد تھے ان میں سے صرف ایک زندہ رہا اور باقی سب نہنگ اجل کا شکار ہو گئے۔ **فاعتبروا یااولی الابصار**

اس جگہ یہ بات بھی بیان کر دینے کے لائق ہے کہ جہاں میری چارپائی تھی وہاں سرہانے اور پائنتی کی طرف تھوڑی تھوڑی دیواریں کھڑی رہیں اور چھت کے چار بالے بدستور اپنی جگہ پر قائم رہے اور میں بالکل محفوظ حالت میں اپنی چارپائی پر پڑا رہا اور نہ صرف میں بالکل محفوظ رہا بلکہ گھر کے دیگر افراد بھی ہر طرح خیریت سے رہے اور گھر کی جملہ اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حفظ و امان میں رکھا۔ **فالحمد للہ رب العٰلمین**"

(الفضل 14 جنوری 1969ء)

پھر 20 مئی 1906ء کو الہام ہوا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"اِنِّی مَعَ الْاَفْوَاجِ اٰتِیْکَ بَغْتَةً اُرِیْکَ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ اِنِّیْ اُحَافِظُ

كُلَّ مَنْ فِي الدَّارِ“

یعنی میں فوجوں کے ساتھ تیرے پاس اچانک آؤں گا۔ میں تجھے وہ زلزلہ دکھاؤں گا جو قیامت کا نمونہ ہوگا۔ میں ان سب کی حفاظت کروں گا جو اس گھر میں ہیں“

اب اس الہام میں گویا بعض ایسے زلازل اور حوادث کا ذکر ہے جن کو قیامت کا نمونہ کہا جا سکے گا اور جن کا تعلق فوجوں کی اچانک آمد سے ہوگا اور اسے اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد سمجھا جائے گا۔ ایسے وقت میں بھی اللہ تعالیٰ ”الدّار“ میں رہنے والوں کو اپنی حفاظت کا وعدہ دیتا ہے اب آپ دیکھ لیجئے کہ ایسے مواقع پر بھی جن کے ہم لوگ شاہد ہیں کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے اِس وعدہ کو پورا فرمایا اور ایک دفعہ نہیں دو دفعہ نہیں بلکہ متعدد دفعہ۔ زمانہ قریب کے حالات کو ہی ہم سامنے رکھیں تو یہ خدائی وعدہ اپنی پوری عظمت کے ساتھ ہمیں اب بھی پورا ہوتا نظر آتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ کی ایک سنت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”غرض دو قسم کی قدرت ظاہر کرتا ہے (1) اول جو نبیوں کے ہاتھ سے اپنی قدرت کا ہاتھ دکھاتا ہے (2) دوسرے ایسے وقت میں جب نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہو جاتا ہے اور دشمن زور میں آجاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اب کام بگڑ گیا اور یقین کر لیتے ہیں کہ اب یہ جماعت نابود ہو جائے گی اور خود جماعت کے لوگ بھی تردّد میں پڑ جاتے ہیں اور ان کی کمریں ٹوٹ جاتی ہیں اور کئی بدقسمت مرتد ہونے کی راہیں اختیار کر لیتے ہیں تب خدا تعالیٰ دوسری مرتبہ اپنی زبردست قدرت ظاہر کرتا ہے اور گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتا ہے“

(الوصیت)

جب خدا تعالیٰ نے متواتر وحی کے ذریعہ حضرت مسیح پاک علیہ السلام کو آپ کے زمانہ وفات کے نزدیک ہونے کی اطلاع دی تو اس سنت کے مطابق جماعت مومنین کا غمگین اور دلگیر ہونا قدرتی امر تھا مگر قادر و قیوم خدا نے مخالفوں کی جھوٹی خوشیوں کو پامال کرنے اور مومنوں کا غم و حزن دور کرنے کے لئے حضورؑ کی وفات سے چند دن پہلے یہ الہام فرمایا۔

اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ

کہ میں ان تمام لوگوں کی حفاظت کروں گا جو اس دار میں ہیں اس کے بعد 9 مئی 1908ء کو الہام ہوا۔

سرنگ۔ اَلرَّحِیْلُ ثُمَّ الرَّحِیْلُ اِنَّ اللّٰہَ یَحْمِلُ کُلَّ حِمْلٍ

گویا کوچ کا وقت آ گیا ہے ہاں کوچ کا وقت آ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام بوجھ اُٹھا لے گا۔

10 مئی کو الہام ہوا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ وَ عَمِلُو الصّٰلِحٰتِ لَھُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کئے بلاشبہ ان کے لئے جنات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

18 مئی کو الہام ہوا۔ ''ڈرومت مومنو!''

17 مئی کو الہام ہوا۔

''اِنِّیْ مَعَ الرَّسُوْلِ اَقُوْمُ''

یعنی میں اپنے رسول کے ساتھ کھڑا ہوں گا۔

گویا اس سلسلہ الہامات میں مومنوں کو بشارت دے کر اُن کے خوف کو امن میں بدل دیا۔ یہ ایک اور وعدہ الٰہی ہے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس دنیا سے تشریف لے جائیں گے اس کے بعد بھی حضور کی پیروی کرنے والوں کو الٰہی حفاظت سے حصہ ملتا رہے گا اور حضورؑ کا سلسلہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑھتا اور پھلتا ہی چلا جائے گا اور قدرت ثانیہ کی دائمی برکات پائے گا اور کوئی نہیں جو اس کی ترقی میں حائل ہو سکے۔ اور اس سلسلہ میں آنے والی تمام مشکلات کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل سے خود دور کرتا جائے گا۔ یہ وعدہ اس سلسلہ کے تمام مستقبل پر محیط ہے اور جو لوگ بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے وابستہ، صبر، صدق اور وفا کے ساتھ عہد بیعت پر کار بند ہو کر

''الدّار'' میں رہائش پذیر ہوں گے اللہ تعالیٰ ہر مرحلہ پر ان کی غیر معمولی نصرت اور حفاظت فرماتا رہے گا۔ ان شاء اللہ۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

''اِس زمانہ کا حصن حصین میں ہوں جو مجھ میں داخل ہوتا ہے وہ چوروں، قزاقوں اور درندوں سے اپنی جان بچائے گا۔ مگر جو شخص میری دیواروں سے دور رہنا چاہتا ہے ہر طرف سے اُس کو موت درپیش ہے اور اس کی لاش بھی سلامت نہیں رہے گی۔ مجھ میں کون داخل ہوتا ہے؟ وہی جو بدی کو چھوڑتا ہے اور نیکی کو اختیار کرتا ہے اور کجی کو چھوڑتا ہے اور راستی پر قدم مارتا ہے اور شیطان کی غلامی سے آزاد ہوتا اور خدا تعالیٰ کا بندہ مطیع بن جاتا ہے۔ ہر ایک جو ایسا کرتا ہے وہ مجھ میں ہے اور میں اس میں ہوں۔''

(فتح اسلام از روحانی خزائن جلد 3 ص 34)

پس مبارک ہیں وہ جو اس ''الدّار'' میں داخل ہوتے ہیں۔ الٰہی فرشتوں کے مطابق مصائب کے زلزلے آئیں گے، حوادث کی آندھیاں چلیں گی، اور قومیں ہنسی اور ٹھٹھا کریں گی اور دُنیا سخت کراہت کے ساتھ پیش آئے گی مگر آخر وہی کامیاب ہوں گے اور برکتوں کے دروازے ان پر کھولے جائیں گے۔

؎ صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اے فرزند جلیل! تجھ پر بے حد سلام!! تو اپنے حیّ و قیوم آقا سے وحی پا کر یہ فانی دنیا چھوڑنے سے پہلے اپنے سچے محبوں کو اللہ تعالیٰ کی ابدی حفاظت کی بشارت دے گیا۔

(الفرقان سالنامہ نومبر، دسمبر 1969ء ص 43-52)

ایک ایمان افروز کتاب کی تیاری

آپ کے دور ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد میں ایک اہم قدم یہ اٹھایا گیا کہ جو لوگ جماعت میں داخل ہوئے ہیں یا ہو رہے ہیں ان کی قبولیت احمدیت کے واقعات اکھٹے کئے جائیں۔

چنانچہ اس سلسلہ میں درج ذیل اعلان ''الفضل'' میں شائع ہوا۔

قبول احمدیت کے دلچسپ سرگزشت صیغہ نشر واشاعت کی طرف سے عنوان بالا کے تحت ایک اہم کتاب کی اشاعت کا فیصلہ

جماعت احمدیہ میں شامل ہونے والے سینکڑوں نہیں ہزاروں ایسے خوش قسمت افراد ہیں جن کی سلسلہ حقہ میں شمولیت کی روئیداد خود ان کے لئے ایمان افروز ہے ہی وہ دوسروں کی ہدایت و رہنمائی کا موجب بھی بن سکتی ہے۔ مگر افسوس کہ سلسلہ کے لٹریچر میں ایسی کوئی کتاب موجود نہیں جس میں قبول احمدیت کے دلچسپ واقعات کو جمع کر دیا گیا ہو۔ نتیجہ یہ ہے کہ جماعت اپنی تاریخ کے ہزاروں قیمتی اوراق سے محروم ہے بعض کتابوں میں ایک حد تک یہ مضمون ملتا ہے مگر اپنی افادیت و اہمیت کے باوصف ان سے یہ قومی تقاضا پورا نہیں ہو سکتا۔ لہذا نظارت اصلاح وارشاد کے صیغہ نشر و اشاعت نے اس نوع کے قیمتی مجموعہ کے جلد شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور میں اس اعلان کے ذریعہ سے احباب جماعت سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس قومی خدمت میں صیغہ نشر واشاعت سے پورا پورا تعاون کرتے ہوئے خود بھی اولین فرصت میں احمدیت سے وابستہ ہونے کے مختصر مگر جامع حالات قلمبند کر کے صیغہ متعلقہ کو ارسال کریں اور اپنے حلقہ احباب میں بھی اس کی پُرزور تحریک کریں تا سلسلہ احمدیہ کی ایک تاریخی امانت ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے اور ان کا قبول حق دوسری لاکھوں سعید روحوں کو حق وصداقت کے جھنڈے تلے جمع کرنے کا باعث ہو۔

نوٹ نمبر 1۔ جو احباب اس کتاب میں اپنے حالات کے ساتھ اپنا فوٹو بھی شائع کروانے کے خواہشمند ہوں وہ اپنے فوٹو کا بلاک یا اس کا خرچ صیغہ کو بھجوا دیں۔

نوٹ نمبر 2۔ اس مجموعہ کی ترتیب و تدوین کے سلسلہ میں دوست اپنے قیمتی مشوروں سے بھی صیغہ کو بھاری اعانت کر سکتے ہیں۔

امید ہے احباب اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اس طرف فوری توجہ فرمائیں گے جن کی طرف سے اس قسم کے حالات پہلے اخبار میں شائع ہو چکے ہوں وہ بھی لکھوا کر بھجوا دیں۔

(روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ 8 اپریل 1960ء)

تربیتی اعلانات

نظارت اصلاح وارشاد میں منتقل ہونے کے بعد آپ کی طرف سے احباب جماعت کی تعلیم وتربیت کے لئے مختلف مواضیع پر تربیتی اعلانات بھی شائع ہوتے رہے۔ جیسے

سینمابینی کی لعنت سے نوجوانوں کو بچائیں۔

اسلامی معاشرہ کو پاکیزہ ہونا چاہئے۔ الفضل 29رمئی 1960ء

داڑھی اسلامی شعار میں ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ دونوں جہانوں میں کون ہوگا؟

بطور نمونہ اس اعلان کی عبارت ذیل میں دی جارہی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ دونوں جہانوں میں کون ہوگا؟

قابل توجہ احباب جماعت ہائے احمدیہ

حضورؑ فرماتے ہیں۔

جن کو میں جانتا ہوں کہ وہ صرف خدا تعالیٰ کے لئے میرے ساتھ تعلق، محبت رکھتے ہیں اور میری باتوں اور نصیحتوں کو تعظیم کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کی آخرت پر نظر ہے۔ سو وہ انشاء اللہ دونوں جہانوں میں میرے ساتھ ہیں اور میں ان کے ساتھ ہوں میں اپنے ساتھ اس لوگوں کو کیا سمجھوں جن کے دل میرے ساتھ نہیں اور جو اس کو نہیں پہچانتے جن کو میں نے پہچانا ہے اور نہ اس کی عظمتیں اپنے دلوں میں بٹھاتے ہیں اور نہ ٹھٹھوں اور بے راہیوں کے وقت خیال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دیکھ رہا ہے........

یاد رہے کہ جو میری راہ پر چلنا نہیں چاہتا وہ مجھ میں سے نہیں۔ اور اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے''

(شہادت القرآن از روحانی خزائن جلد 6 ص 396-397)

احباب جماعت سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ بالا اقتباس کو بغور پڑھیں اور اپنے اندر وہ باتیں پیدا کریں جن کی وجہ سے دونوں جہانوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی معیت ان کو حاصل ہو جائے۔

(ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد)

(روزنامہ الفضل 7 فروری 1960ء)

تبلیغی مضامین

1۔شریعت کے نام پر انتشار کیوں؟

اگلے دن ٹی وی کے خبرنامے میں وزیر مذہبی امور حاجی سیف اللہ صاحب کی صدارت میں بڑے جید علماء کرام کو شریعت بل پر بات کرتے دکھایا گیا ہے۔اور یہ مذاکرات یا غور وفکر جاری اور خوش آئند اعلان بھی ہوا۔خدا کرے اسمبلیوں کے ذریعہ نافذ کرنے کا یہ تجربہ کامیاب ہو۔انبیاء کی تعداد ایک لاکھ تریسٹھ ہزار بتائی جاتی ہے چند ایک کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ایسے بھی تھے جونئ شریعت لائے اور ایسے بھی تھے جو پُرانی شریعت پر ہی عمل پیرا رہے اور اس کی اشاعت کی شریعت ہمارے سیدنا مولا، سید ولد آدم، فخر موجودات پاکوں کے سردار حضرت محمد مصطفی ﷺ لائے۔جو زمان ومکان کی قید سے آزاد تھی جیسا کہ حضورؐ نے خود فرمایا کہ میں اُس وقت بھی خاتم النبین تھا جبکہ آدم ابھی مٹی اور پانی میں تھا۔

آنحضور ﷺ کی زندگی کھلی کتاب ہے آپؐ کے شب وروز کے معمول محفوظ ہیں ان میں ایسا کوئی ذکر نہیں ملتا کہ حضورؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروق، حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف یا دیگر کبار صحابہؓ کی میٹنگ اس غور وفکر کے لئے بلائی ہو کہ شریعت کس طرح نافذ کی جائے؟

قرآن حکیم میں بھی انبیاءؑ کی کسی ایسی کوشش اور تگ ودَو کا ثبوت نہیں ملتا۔

کعبہ کا مالک جانے

یہ واقعہ تو ہمارے علماء نے کئی بار اپنی تقاریر میں سُنایا ہے کہ ابرہہ کے حملے کے وقت آنحضور ﷺ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب اپنے اونٹوں کی تلاش میں نکلے جو ابراہہ کے سپاہ

لے گئے تھے ابرہہ بڑا حیران ہوا کہ ''ان کو کعبہ کی فکر نہیں۔ اونٹوں کی فکر ہے''

اور اُس نے حیرت اور استجاب سے پوچھا تو اُدھر سے جواب ملا کہ اونٹ میرے ہیں اور مجھے صرن ان کی فکر ہے رہی کعبہ کی حفاظت۔ ''تو جو کعبہ کا مالک ہے وہ جانے''

اور پھر دُنیا گواہ ہے کہ کعبہ کے مالک نے کعبہ کی حفاظت فرمائی۔ ابرہہ ناکام و نامراد اور خائب و خاسر رہا۔ کعبہ کے مالک نے ہی تو شریعت نازل فرمائی جس کے نفاذ کا فکر علمائے کرام اور بعض ممبران اسمبلی کو کھائے جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ زندہ اور قادر و توانا ہے۔ اس کو اپنے نازل فرمودہ شریعت کے نفاذ کے لئے نہ کسی صدر مملکت کی ضرورت ہے نہ عوام کے ایسے منتخب نمائندوں کی جو بقول نورانی میاں سیاسی رشوتیں لیتے ہیں (جنگ 3/ اکتوبر 1987ء) اور نہ علماء کی فوج ظفر موج کی جن کے متعلق آخری شارع نبی کا فرمان ہے۔

''شَرُّ مَنْ تحتَ اَدِيْمَ السَّماءِ''

کہ آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہوں گے۔ فرشتے اس کام پر مامور ہیں۔

مختلف النوع راگنیاں

نفاذ شریعت کے اس نقار خانے کی فضائے بسیط پر کچھ اس قسم کی راگنیاں الاپی جا رہی ہیں۔

● شریعت بل ایک ڈھونگ اور فراڈ ہے۔ حکومت جید علماء کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کرنا چاہتی ہے۔ نام نہاد اسلامی حکومت قوم کو بیوقوف بنا رہی ہے یہ چاہتے ہیں کہ زندگی میں بھی جنت ملے اور آخرت میں بھی جنت ملے لیکن یہ اللہ کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ (اصغر خاں۔ سرگودھا)

● نام نہاد شریعت بل کا حقیقی شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔ (اصغر خاں جنگ 3 اکتوبر)

● موجودہ حکمران قرآن و حدیث اور اللہ اور اس کے رسول کی واضح ہدایت کو بھی ماننے کے لئے تیار نہیں۔ (میاں طفیل محمد جنگ 3 اکتوبر)

● صرف نوے دن کا بہانہ بنا کر اقتدار میں آنے والے اقتدار نہیں چھوڑنا چاہتے۔ اسلام کے نام پر ریفرنڈم کا ڈھونگ رچایا گیا تو لوگوں نے اسلام کے نفاذ کے لئے ووٹ دیا۔ مگر حکمران نے

ریفرنڈم کے نتائج کے بعد یہ کہہ دیا کہ قوم نے اسے 1990ء تک کے لئے صدر منتخب کر لیا ہے............

● پاکستان میں منصورہ کے ماموں کا شریعت مل نہیں چلنے دیا جائے گا۔

(نورانی جنگ 3 اکتوبر 1987ء)

عجیب وغریب منطق

مظفر آباد میں تین روزہ بین الاقوامی شاہ ہمدان کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے صدر مملکت نے فرمایا۔

ہمیں آج شاہ ہمدانی جیسی پاک باز شخصیات کی ضرورت ہے جو ہمیں اسلام کے صحیح راستے پر چلاسکیں......آج ہمارے معاشرے میں بڑوں کی کوئی عزت نہیں رہ گئی۔ اور بڑوں کے دل میں چھوٹوں کی محبت نہیں۔ جب کہ حقوق العباد بھی پوری طرح ادا نہیں کئے جاتے اگر ہم روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے معاملوں میں اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کریں تو پھر ہم اس خطہ ارضی کو جنت بنا سکتے ہیں...... پاکستان کو اسلامی فلاحی مملکت بنانے کا خواب اس وقت تک شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ جب تک ہم اپنے اندر تقویٰ اور دیانتداری کے اوصاف پیدا نہیں کرتے۔ اگر ہم نے خود میں یہ خوبیاں پیدا نہ کیں تو پھر ایسے اشخاص پیدا نہیں کرسکیں گے جنہیں مثالی کہا جاسکتا ہو۔

(جنگ 3 اکتوبر)

یہ بھی کیسی عجیب منطق ہے کہ ایک طرف شاہ ہمدانی جیسی پاکباز شخصیت کی ضرورت تو تسلیم کی جارہی ہے جو ہمیں اسلام کے صحیح رستہ پر چلاسکیں لیکن دوسری طرف عملاً 1974ء میں عوام کو منتخب نمائندوں نے قومی اسمبلی میں ہاتھ اٹھا کر کسی قسم کے روحانی مصلح، پیشوا، امام یا پاکباز رہنما شخصیت کی آمد کو اسلام کے لئے سنگین خطرہ قرار دے دیا۔

یہ دروازہ تو ہم نے اپنے اوپر اپنے ہی ہاتھوں سے بند کیا ہے اور جس شاخ پر بسیرا کرنا تھا اسے اپنے ہاتھوں ہمیشہ کے لئے کاٹ چکے۔ رہا مسئلہ نفاذ اسلام کا تو یہ نعرہ ہم بڑی دیر سے مسلسل

سنتے چلے آرہے ہیں حتیٰ کہ اب تو اس نعرہ کے سننے کی عادت سی ہوگئی ہے۔موجودہ حکومت نے اقتدار سنبھالتے ہی نفاذ اسلام کا دعویٰ بڑی شدّ ومدّ سے کیا تھا اور آج دس سال کی طویل مدّت گزر جانے کے باوجود بقول ایک عالم دین ''نو دس سال میں اسلام مکہ سے پاکستان نہیں پہنچا۔اور یہ کہ اسلام۔اسلام آباد میں ہاتھ جوڑے کھڑا ہے۔''

یہ شریعت بل ہی شکوک وشبہات پیدا کر رہا ہے۔تقویٰ اور دیانتداری کے اوصاف اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے کسی قانون کی ضرورت نہیں صرف ارادہ اور عزم صمیم کی ضرورت ہے اور یہ وعظ ونصیحت سے ہوسکتا ہے نہ کہ کسی قانون کے سہارے۔مدینہ کی گلیوں میں شراب کے مٹکے کون سی اسمبلی میں بل پاس ہونے کے بعد لنڈھائے گئے تھے۔؟

اور وہ واقعہ بھی یاد ہوگا جب مسجد میں بیٹھ جانے کا اعلان سُن کر ایک صحابیؓ مسجد کی طرف جاتا ہوا گلی میں ہی بیٹھ گیا۔اور گھسٹ گھسٹ کر مسجد پہنچا کہ کہیں نافرمانوں میں شمار نہ ہوجائے ایسا قانون کس اسمبلی نے بنایا تھا؟

اوامر ونواہی کا مجموعہ

شریعت ،اوامر ونواہی کا مجموعہ ہے جن پر عمل کرنے میں کوئی قانون مانع نہیں؟اگر ہر مسلمان کہلانے والا ان پر عمل شروع کر دے تو شریعت خود بخود نافذ ہوجاتی ہے۔پھر یہ شریعت کے نام پر انتشار کیوں؟

کوئی ایسا قانون نہیں بن سکتا جس پر مسلمان کہلانے والے بہتر کے بہتر فرقے متفق ہوں۔

فقہی اختلاف ہمیشہ رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔اس کے باوجود ہر چہار ائمۂ کرام قابل احترام ہیں۔

کوئی نماز میں ہاتھ باندھتا ہے کوئی نہیں؟ ''آمین بالجہر'' کا اختلاف بھی چلا آتا ہے لیکن کوئی بھی اسے شریعت کی خلاف ورزی قرار نہیں دیتا۔اسلام کے چمن میں رنگارنگ کے پھول کھلنے دیں۔کوئی رائے دیتے وقت اِخْتِلَافُ اُمَتِیْ رَحْمَۃٌ ہمیشہ مدنظر رکھیں۔

نوے دن دس سالوں پر کس طرح محیط ہوگئے اور نماز اسلام سے مراد 1990ء تک کرسی

صدارت کس طرح ہوگئی؟ اللہ ہی جانتا ہے جو کچھ صدر مملکت نے کیا ہے۔ اس کا اعتراف ہونا چاہئے مثلاً یہ کہ

- اسلام کے 73-72 فرقوں سے ایک کو کلمہ طیبہ لکھنے پڑھنے سے روکا گیا۔
- اذان بند کرائی گئی
- مساجد کو مساجد کہنا بند کیا گیا۔
- مسلمان کہلانا قانوناً ممنوع قرار دیا وغیرہ وغیرہ اور جو نہیں کیا اس کے متعلق ارشاد

خداوندی بڑا واضح ہے کہ وعدوں کے متعلق ضرور باز پرس ہوگی۔ ہم کون ہیں حساب لینے والے ہم داڑھی کی لمبائی اور ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنے جیسے فروعی مسائل کو چھوڑ کر ہمیں اپنے اندر تقویٰ اور دیانتداری کے اوصاف پیدا کرنے چاہئیں دوسروں میں یہ اوصاف پیدا ہونے کا انتظار نہ کریں۔

بہ کعبہ ہرگز نہ رسی اے اعرابی
ایں راہ کہ میروی بہ ترکستان است

(لاہور 31 اکتوبر 1987ء)

2۔ پاکستان کی رویت ہلال کمیٹی

جس کے باوجود نہ رمضان ایک دن شروع ہوتا ہے نہ عیدالفطر ایک دن ہوتی ہے۔

● عودی عرب میں آج تیسرا روزہ ہے۔ (امروز 29 اپریل 1987ء)

● چارسدہ مردان اور دیر میں آج دوسرا روزہ ہے۔ (امروز 29 اپریل 1987ء)

● صرف ایک آدمی کی اطلاع پر چاند نظر آنے کا اعلان ہوا۔ پشاور میں ریڈیو پاکستان کے نمائندے کو ابر آلود موسم کے باوجود چاند نظر آ گیا تھا۔ (جنگ 30 اپریل 1987ء)

اگر چاند ہوتو شام سات بجے کے قریب نظر آ جانا چاہئے تھا۔ مگر پی ٹی وی پر نو بجے کے خبرنامہ پر اعلان ہوا کہ رؤیت ہلال کمیٹی فیصلہ کرنے کے لئے ابھی اجلاس میں ہے۔ اور اجلاس بھی دکھایا گیا۔ جس میں بڑی تعداد میں علماء شامل تھے۔ تمام ذرائع ابلاغ انہیں میسر تھے۔ اور اُن کی پنسلیں چارٹروں پر یوں چلتی تھیں جیسے کسی علاقہ کا (Contour Map) تیار کیا جا رہا ہے۔

خبرنامہ کے بھی دو گھنٹہ بعد 11:30 کے قریب چاند ہونے کا اعلان کیا گیا۔ اگر پشاور سے ایک آدمی کی شہادت پر اعلان کرنا تھا تو سات بجے کیا جا سکتا تھا۔ اگر اس علاقہ کے مسلمان درایت کے لحاظ سے معتبر خیال نہ کئے گئے ہوں تو سعودی عرب کی تقلید وقت کے فرق کو مدنظر رکھ کر کی جا سکتی تھی جو علماء رؤیت ہلال کمیٹی کے اجلاس میں بیٹھے تھے ان کو علم ہی ہوگا۔ کہ اس دن سعودی عرب یں روزہ تھا وقت کا فرق غالباً دو گھنٹہ کا ہے اس بنا پر اگلے دن کا روزہ ہوسکتا تھا ان سب شواہد کے ہوتے ہوئے 7-6 گھنٹہ کے تھکا دینے والے اجلاس کے بعد رات کے 11:30 بجے جب اسی نوے فی صد آبادی سوئی ہوئی تھی اعلان کی سمجھ نہیں آئی۔

معلوم ہوتا ہے ہلال کو ظاہر کرنے میں کافی تگ ودو کرنا پڑی۔

یہ بھی سننے میں آیا کہ اس اعلان کے مطابق جن لوگوں نے روزہ رکھ لیا۔ سرگودھا میں علماء نے یہ اعلان کروایا کہ آج روزہ نہیں۔ جن مسلمانوں نے رکھ لیا ہے وہ توڑ دیں گویا رؤیت ہلال کمیٹی کا فیصلہ گڈی گڈے کا کھیل تھا۔

علوم جدیدہ سے استفادہ

سائنس اور علم فلکیات اس قدر ترقی کر گیا ہے کہ آج آئندہ بارہ ماہ کے نئے چاند کی تعیین یا اس سے زیادہ عرصہ کی بھی منٹوں سیکنڈوں کی صحت کے ساتھ کی جاسکتی ہے۔ یہ سارے علوم خدا تعالیٰ کی دین ہیں۔

اُن سے کیوں استفادہ نہیں کیا جاتا؟ اور ساری قوم کو ایسے علماء کے ایک گروہ کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے جو اس بحر کے شناور نہیں بلکہ ان کے نزدیک تو شاید ان علوم کا حصول کفر ہے۔

اس کرہ ارض میں ایسے علاقے بھی ہیں جہاں چھ چھ ماہ کے دن رات ہوتے ہیں۔ ایسے بھی ہیں جہاں مہینوں کبھی چاند نظر نہیں آتا۔ لیکن مسلمان وہاں بستے ہیں ارکان اسلام بجالاتے ہیں۔ آخر انہوں نے بھی کوئی طریقہ اپنایا ہوا ہوگا۔ جو یقیناً ہمارے علماء کی رؤیت جیسا نہیں ہوگا۔

مجھے اس بات کا علم نہیں کہ دوسرے مسلمان ممالک میں رؤیت ہلال کمیٹیاں حکومت کی طرف سے قائم ہیں یا نہیں اور کیا ایسی کمیٹیوں کے اعلان کے بعد ہی مسلمان روزہ رکھ کر وحدت کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ پاکستان میں تو رؤیت ہلال کمیٹی کے باوجود نہ رمضان ایک دن شروع ہوتا ہے نہ عیدالفطر ایک دن ہوتی ہے

کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ حکومت رؤیت ہلال کمیٹی توڑ کر یہ اعلان کردے کہ آئندہ رمضان المبارک چاند کی تعیین کے معاملہ میں سعودی عرب کی تقلید کی جائے گی۔ صرف وقت کے فرق کو ملحوظ رکھا جائے گا اور بس اگر تمام مسلمان ممالک ایسا فیصلہ کرلیں تو اُمت مسلمہ ایک وحدت ملی کا نمونہ پیش کرسکے گی۔ مگر شاید یہ علماء حضرات اس تجویز سے اس لئے اتفاق نہ کریں کہ اس طرح رؤیت ہلال کے نام کے ساتھ وابستہ مراعات ختم ہوجائیں گی۔

(لاہور 30رمئی 1987ء)

3۔ تضادفکرونظر

اسلامی تعلیم کا ایک نیا پہلو

ازلی ابدی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو پیدا ہوا وہ فوت ہوکر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو جاتا ہے۔اس میں مسلمان ہندو،سکھ،عیسائی، بدھ، پارسی کی کوئی تخصیص نہیں **كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ** چندروز پہلے چوہدری محمد ظفر اللہ خان کی وفات سے اسلامی تعلیم کا ایک ایسا پہلو سامنے آیا ہے جواس سے پہلے کبھی نہ سنا تھا، نہ پڑھا تھااور وہ تھا یہ مطالبہ کہ

چوہدری صاحب کی تدفین اسلامی رسومات کے مطابق نہیں ہونی چاہئے۔

کوئی متبادل طریق نہیں بتایا گیا مگر یہ مطالبہ ایک ایسے طبقہ کی طرف سے ہوا جو مسلمانوں کے دینی راہنما ہونے کا دم بھرتے ہے۔اس لئے ایک دھچکا سا لگا۔قیام پاکستان سے پہلے تک تو اپنے اردگرد ہندو،سکھ،عیسائی فوت ہوتے دیکھے جاتے تھے اب بھی پاکستان میں مسلمان،عیسائی، پارسی اور بعض علاقوں میں ہندو بھی مرتے ہیں مگر کبھی کسی طرف سے یہ مطالبہ نہ ہوا تھا کہ فلاں طریق سے آخری رسومات کی جائیں یا فلاں طریق سے نہ کی جائیں۔

انسانی جسم تو فانی ہے مٹی سے بنا اور مٹی میں ہی مل جاتا ہے۔اصل شے تو روح ہے جس کو موت نہیں ایک مسلمان کو جب موت کے بعد قبر میں اُتارا جاتا ہے تو اُتاری جانے والی چیز بے جان مٹی ہوتی ہے۔روح کا وہ مسکن نہیں ہوتا اگر کوئی شخص خواہ وہ امام مسجد ہی ہو۔

- ہوائی حادثہ میں جل جاتا ہے تو بھی اس کی روح قائم رہتی ہے۔
- اگر اس کو وہیل مچھلی نگل جائے تو بھی اس کی روح کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔
- اگر وہ جنگل میں شیر کا نوالہ بنتا ہے جب بھی اس کی روح شیر کے چنگل سے آزاد ہوگی
- اگر وہ صحرائے اعظم میں بے یارو مددگار بے آسرا،سفر آخرت اختیار کرتا ہے تو اس کے متعفن نعش کو کیڑے مکوڑے اور چرند پرند تو نوچ رہے ہوں گے مگر اس کی روح چرند پرند کی دسترس میں نہ ہوگی۔

- اگر وہ ریل کی پٹڑی پر گردن رکھ کر خودکشی کرتا ہے تو بھی اس کی روح کو کوئی گزند نہیں پہنچتا۔

یہی حال یہود و نصاریٰ کا ہے ایک پارسی کی نعش کو جب کھلی فضا میں پرندے نوچ رہے ہوتے ہیں اس وقت بھی اس کی روح پرندوں کی دسترس سے محفوظ ہوتی ہے۔اور جب ایک ہندو یا سکھ کی چتا اس کے جسم کو بھسم کر رہی ہوتی ہے اس کی روح اس آگ کی نذر نہیں ہوتی۔محو حیرت ہوں کہ ایسی صورت میں علماء کرام کا یہ مطالبہ اسلام کی کس عظمت، بڑائی یا صداقت کے اظہار کے لئے ہے؟ کیونکہ جہاں تک انسانی جسم کا تعلق ہے موت کے بعد مسلمان، ہندو، سکھ، عیسائی، یہودی، بدھ، پارسی سب ایک ہو جاتے ہیں۔علماء کرام کو تو چوہدری صاحب مرحوم کی روح کے لئے کوئی تجویز کرنی چاہئے تھی کہ وہ اپنے خالق کے حضور حاضر نہ ہو سکتے۔اور سر جوڑ کر ایسا پنجرہ بنانا چاہئے تھا جس میں ہر اس شخص کی روح کو مقید کر سکیں جسے وہ ناپسند کرتے ہوں۔

کوئی بصیرت نہیں رکھتے

موت کے بعد اللہ تعالیٰ کا سلوک تو سب کے ساتھ ان کے اعمال کے مطابق ہوگا۔علماء کا مطالبہ طریق تدفین کے متعلق ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس زندگی سے ماوراء کوئی بصیرت نہیں رکھتے اور یہ مطالبہ بھی اس وقت تک بے جان بچھڑے کی آواز رہے گی۔جب تک یہ اپنی کوئی میزان وضع نہیں کرتے۔چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب پہلے احمدی نہیں جو فوت ہوئے ہوں یہ سلسلہ سو سال سے جاری و ساری ہے۔1974ء میں احمدیوں کو غیر مسلم قرار دے کر 90 سالہ مسئلہ حل کرنے کا اعلان کیا گیا مگر یہ نہ بتایا کہ 90 سالوں میں فوت ہونے والے احمدی کس کھاتے میں ڈالے گئے ہیں؟ مزید 11.10 سال گزرنے کے دوران بھی کسی احمدی کی اسلامی رسوم کے مطابق تدفین نہ کرنے کا مطالبہ نہیں کیا گیا۔جو احمدی اسلامی رسوم کے مطابق دفن ہو گئے ان کے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟

کوّے کا ترکہ

ہمارا ایمان ہے کہ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر جو اس دنیا میں تشریف لائے اسلام ہی

کا پیغام لائے تھے لیکن معروف اصطلاح میں اسلام اس پیغام کو کہا جاتا ہے جو ہمارے نبی پاک آنحضرت ﷺ نے دنیا میں پیش کیا۔ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْن پہلے مسیحی، یہودی وعلیٰ ہذا القیاس کہلاتے تھے قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ سے پہلے کا ایک واقعہ ان الفاظ میں درج ہے جس میں نسل انسانی کے لئے ایک سبق ہے۔ یعنی تب اللہ تعالیٰ نے ایک کوّے کو جو زمین کو کریدتا تھا اس لئے بھیجا کہ اُسے بتائے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے۔ اس نے کہا اے میری ہلاکت! کیا مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ میں کوّے کی طرح ہو جاؤں اور اپنے بھائی کی لاش کو ڈھانپ دوں۔ تب وہ پشیمانوں میں سے ہو گیا۔ (المائدہ:32) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فوت ہو جانے والوں کو مٹی سے ڈھانپنے کا طریق آنحضرت ﷺ سے پہلے ہی نوع انسان نے اپنا لیا تھا۔ 1400 سال میں مسلمانوں نے اس طریق کو وارث کے طور پر نہیں اپنایا بلکہ ایک کوّے کے ترکہ میں نوع انسان مشترکہ طور پر وراثت ہے۔ عیسائی بھی۔ ایسا ہی کرتے ہیں اور یہودی بھی۔ اگر احمدی بھی ایسا کر لیں تو اس سے اسلام کو کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔

اس تضاد کو دُور کیجئے

پاکستان ٹیلیویژن پر رات نو بجے خبرنامے سے پہلے احادیث سکرین پر لکھی ہوئی دکھائی جاتی ہیں۔ گزشتہ ہفتہ دو دن کی احادیث کے الفاظ کچھ اس طرح تھے۔ جس شخص نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی شہادت دی وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (7/ستمبر)۔ جو شخص ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ دُرود بھیجے اللہ تعالیٰ دس مرتبہ اس پر درود بھیجتا ہے۔ (8/ستمبر)۔

11/ستمبر کو ٹی وی کے پروگرام ''تفہیم والقرآن'' میں کراچی سے کسی کا خط کلمہ طیبہ پڑھ کر جنت میں داخل ہونے کے متعلق ہی تھا۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی بشارتیں ایک طرف۔ اور کلمہ اور درود پڑھنے والوں کو ''غیر مسلم'' قرار دینا دوسری طرف

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ
بازی گوئی کہ دامن ترمکن ہوشیار باش

والی بات ہے۔علماء کرام سے درخواست ہے کہ اس تضاد کو دُور فرمائیں۔

اکابر اسلام کے کلمات تحسین

یو این او کے ایوانوں میں مسئلہ کشمیر، فلسطین، لیبیا، مراکش، الجزائر، تیونس وغیرہ کے مطالبہ آزادی کی صدائے بازگشت اب بھی سنائی دیتی ہے۔ہم پاکستانیوں کو وہ دن تو یاد ہیں جب اسلامی دنیا کے رہنما بشمول مفتی فلسطین سید امین الحسینی، چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب پر تحسین نچھاور کیا کرتے تھے اور ہمارے ذرائع ابلاغ بڑے فخر سے سر بلند کر کے وہ کلمات تحسین و سپاس گزاری دہرایا کرتے تھے۔ان کو تو چوہدری صاحب کی زندگی میں کوئی بات اسلام کے مسلّمہ اصولوں کے خلاف نظر نہ آئی۔ بلکہ ایک مرتبہ تو ایک مصری عالم نے جب چوہدری صاحب کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا تو مصر کے وفد پارٹی کے لیڈر نحاس پاشا (جو کئی بار مصر کے وزیر اعظم رہے) نے ایک مضمون لکھا جس کا عنوان تھا ''اے کافر! خدا تیرے نام کی عزت بلند کرے''۔اور ان جیسے بڑے بڑے کافروں کو اسلام کی اہم ضرورت قرار دیا تھا غالباً مفتی فلسطین سید امین الحسینی اور نحاس پاشا کو فخر موجودات سید الاولین والآخرین سید ولد آدمؐ کی مندرجہ بالا احادیث مبارکہ پیش نظر تھیں جواب نظر انداز ہو رہی ہیں۔ہمیں کیا ہو گیا ہے؟ قیامت کے دن آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کی کثرت پر فخر کرنا ہے مگر ہم ہر حیلے اس کو کم کرنے پر کمر بستہ ہیں جو بات ایک تنگ نظر ہندو گاندھی سمجھ گیا اور اپنی عددی طاقت بڑھانے کے لئے اچھوتوں کو اونچی ذات کے ہم پلہ منوانے کے لئے ساری عمر جدوجہد کرتا رہا۔ہم وسیع المشرب مسلمان اس اصول سے غافل ہیں اور حقیقت سے آنکھیں بند کر کے کلمہ گوؤں اور درود پڑھنے والوں کو ''غیر مسلم'' بنانے پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔

فتویٰ کفر سے سستی جنس پاکستان میں اور کوئی نہیں!! آخر کیوں؟

(لاہور 5/اکتوبر 1985ء)

4۔ ڈاکٹر اسرار احمد کا انتباہ!

کیا پاکستان میں پچاس ہزار مومن بھی نہیں؟

تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد نے امریکہ کی سیر وسیاحت کے بعد وطن واپسی پر باغ جناح لاہور میں جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے یہ انتباہ داغ دیا کہ

''اہل پنجاب کو اس بات پر مطمئن ہو کر نہیں بیٹھنا چاہیئے کہ صرف سندھ میں گڑبڑ ہو رہی ہے اور پنجاب میں امن وامان ہے۔ کیونکہ اب اگر خدانخواستہ پاکستان کی سالمیت کو نقصان پہنچا تو سب سے زیادہ پنجاب کا ہوگا۔ قادیانی اور سکھ مل کر پنجاب کے ساتھ وہ سلوک کریں گے جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ (امروز 30 اگست۔ جنگ 31 اگست)

پاکستان میں میرے علم کے مطابق گنتی کے چند سکھ ہیں جو بعض گوردواروں کی صفائی وغیرہ کے لئے ان میں مقیم ہیں جہاں تک قادیانیوں کا تعلق ہے قومی اسمبلی میں پیش کئے گئے سرکاری اعداد وشمار کے مطابق پاکستان میں ان کی تعداد 204000 ہے گویا پاکستان کی نو ساڑھے نو کروڑ کی آبادی میں 900 افراد کے مقابل پر ایک قادیانی ہے اگر یہ تصور کرلیا جائے کہ قادیانی صرف پنجاب میں ہی ہیں اور اسی لئے اس سرزمین کے باسیوں کو ڈرایا گیا ہے تو بھی قادیانیوں کی نسبت 500 سے 1 کے ہے۔ ایک پہلو سے ایک قادیانی سے 900 مسلمانوں کو ڈرایا گیا ہے دوسرے پہلو سے 500 پنجابی مسلمانوں کو۔ حالانکہ قرآن حکیم میں متعدد بار اَنْتُمُ الْاَعْلَوْن آیا ہے پھر یہ بھی فَاِنَ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الغَالِبُوْن عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ نفس لوّامہ کے آثار چہرہ پر بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بالکل اسی طرح ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی کے تحت الشعور میں یہ بات راسخ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہ وعدے اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْن اور مَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ کے ساتھ مشروط ہیں جبکہ اس زمانہ میں مسلمانوں کے رسمی اور اسمی ایمان کے بارہ میں اصدق الصادقین حضرت محمد مصطفی ﷺ نے بھی خبر دے رکھی ہے۔ وَلَکُمْ فِی رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ نبیوں کے سردار سید ولد آدم جن کے متعلق لَوْلاکَ لَمَا خَلَقْتُ

الاَفلَاک آیا تھاایک ساتھی کے ساتھ مکہ چھوڑ چکے ہیں۔ایک غار میں تعاقب کرنے والوں کا ریلا گزرا جانے کے منتظر ہیں۔زندہ یا مردہ پر انعام و اکرام کے لالچ میں ان گنت تعاقب کرنے والے کفار کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی ہے اوران کی باتیں بھی۔اوپر سے جھانکنے کی دیر تھی تو بس ایسے نازک وقت میں اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر غیر متزلزل ایمان رکھنے والے نے اپنے ساتھی کی ڈھارس بندھانے کے لئے کہا لَا تَحزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔جس کو ہم اسوہ قرار دیتے ہیں اور جس کی غلامی کا دم بھرتے ہیں وہ تو اکیلا بھی سینکڑوں ہزاروں سے نہ ڈرا تھا۔ یہ واقعہ چونکہ 1400 سال پرانا ہے اس لئے ڈاکٹر صاحب شاید بھول گئے مگر حیف ہے کہ وہ کتاب بھی بھول گئے جسے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کرتے ہیں یعنی قرآن۔کیا اس میں مذکور نہیں اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوْ امِائَتَیْن ایک مومن دس غیر مومنوں پر بھاری ہوتا ہے اس خدائی وعدہ کے مطابق تو پنجاب کے پانچ کروڑ مسلمانوں کو پچاس کروڑ قادیانوں پر غالب آنا چاہئے مگر اُلٹے بانس بریلی کو ڈاکٹر صاحب 500 پنجابی مومن مسلمانوں کو ڈرا رہے ہیں کہ ایک قادیانی تمہارا وہ بھرکس نکالے گا کہ تم اس کو تصور بھی نہیں کر سکتے۔قرآن میں یہ وعدہ بھی ہے اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ صَابِرۃٌ یَغْلِبُوْ امِائَتَیْن کہ ایک دو پر غالب ہوگا۔اس معیار سے قادیانیوں کے لئے پچاس ہزار مومن کافی ہیں کیا ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا بیان اس امر کا اقرار نہیں کہ سارے پاکستان میں پچاس ہزار مومن بھی نہیں؟ یَاحَسرَۃً علَی العِبَاد امریکی برین واشنگ سے ڈاکٹر صاحب کی آنکھیں چندھیا ہی گئیں تھیں وہ قرآن رموزہ افکار جن سے کبھی وہ اپنے سامعین و ناظرین کو محظوظ کیا کرتے تھے بھی اس طرح دُھندلا گئے ہیں کہ بظاہر اپنی ہی ناکامی پر مہر ثبت کردی ہے۔

من از بیگا نگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہر چہ کرد آں آشنا کرد

قادیانیوں کو 1974ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی ہاتھ کھڑا کر کے غیر مسلم قرار دے چکی ہے جبکہ

ان حامیان دین متین وممبران قومی اسمبلی کی سیاہ بختیوں پر موجودہ اسلام نواز حکومت قرطاس ابیض شائع کر کے ان کی سیاہ وسفید خدمات کا برملا اعتراف کر چکی ہے۔

مزید ایک آرڈیننس کے ذریعہ قادیانیوں پر پابندیاں لگا کر ان کا عرصہ حیات تنگ کیا جارہا ہے مثلاً وہ اپنی عبادت گاہ کو مسجد نہیں کہہ سکتے۔نماز کے لئے آذان نہیں دے سکتے۔کلمہ طیبہ پر ایمان کے اظہار کو قابل تعزیر جرم تصور کیا جاتا ہے۔اس پر بھی بس نہیں ان کی عبادت گاہیں مسمار کرنے یا رُخ بدلنے کا مطالبہ زوروں پر ہے۔مردان میں ان کی عبادت گاہ انتظامیہ کی نگرانی میں مسمار کر دی گئی ہے اور یہ سنہری کارنامہ عید کے روز تمام قادیانیوں کو تھانہ میں بند کرنے کے بعد سرانجام پایا۔اوراس کا سہراارکان قومی وصوبائی اسمبلی کی قیادت کے سر باندھا جارہا ہے۔مردان کی آبادی کا مجھے علم نہیں لیکن سنا ہے قادیانی 100 کے قریب تھے جو تھانہ میں بند کئے گئے اگر ایک لاکھ قادیانی پنجاب کے ساتھ وہ سلوک کر سکتے ہیں جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تو انہوں نے مردان میں بھی اپنے جوہر دکھاتے ہوئے سارا مردان نہ سہی اس کا کچھ حصہ ہی تہس نہس کیا ہوتا! مجھے اپنے بچپن میں شہید گنج کا واقعہ یاد ہے وہ بھی مسلمان ہی تھے کہ مسجد کی حفاظت کے لئے جانوں کا نذرانہ پیش کر دیا۔مگر اب غیرت قومی کا یہ حال ہے کہ اپنی انا کی خاطر عبادت گاہوں کا نذرانہ طلب کرتے ہیں۔

قادیانیوں پر سرکاری ملازمتوں کا دروازہ بند کیا جارہا ہے اگر کوئی اکاّ دُکاّ قادیانی کسی محکمہ میں رہ بھی گیا ہے تو اسے شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔اسے سارے پاکستان کی سیاست کا محور خیال کیا جاتا ہے۔خون دوعالم میری گردن پر اور حالت اس مضحکہ خیز حد تک پہنچ گئی ہے کہ شرمندگی محسوس ہوتی ہے اگر کوئی قادیانی ہمارے کسی مولوی صاحب کے پاس بھی گزر جاتا ہے تو ''مجھے تبلیغ کی ہے'' یا ''مجھے گالی دی ہے'' کی دہائی دے کر پولیس کو پرچہ درج کرنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے۔ان سب باتوں کے باوجود قادیانیوں کا خوف وہراس ہر چھوٹے بڑے عالم دین کے حواس پر سوار ہے۔ اس ذہنی عذاب سے ہم کب نجات پائیں گے؟ دل اس بات سے مطمئن

ہے کہ ہر اندھیری رات کے بعد روشنی کا دن طلوع ہوتا ہے۔ پاکستان میں نہ کسی قادیانی کو کسی مسلمان سے خطرہ ہے نہ کسی سیدھے سادھے مسلمان اور پاکستان کو قادیانیوں سے خطرہ ہے۔ اگر حقیقی یا دائمی خطرہ ہے تو صرف ''ملازم'' کو ہے کیونکہ ہم پاکستانی بحیثیت قوم ہر قسم کے ''ازم'' کو رد کر چکے ہیں۔ صرف یہ ''ازم'' اپنے مضمحل وجود کو برقرار رکھنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے مگر حکیم الامت نے کہہ رکھا ہے۔

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

(لاہور 20/ستمبر 1986ء)

5۔خدا پر فیصلہ چھوڑنے سے گریز کیوں؟

(پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب سے مخاطب ہوکر)

پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کو پاکستان ٹیلی وژن پر دیکھا اور سنا ہے۔ ان کو سن کر ''دین ملافی سبیل اللہ فساد'' کے برعکس ذہن پر ایک معتدل مزاج اور متوازن صاحب علم وفراست عالم دین کا نقش اُبھرتا تھا مگر ان کے سربکفن جلوس اور مرزا طاہر کے نام کھلا خط جنگ (20 ستمبر) سے یہ تصور کچھ گہنا گیا ہے خدا کرے یہ دور عارضی ہو۔ سربکفن جلوس کے بعد اخبار میں یہ پڑھ کر حیرانی ہوئی کہ ان کے مرشد کے دو بچے جن کی بازیابی اور اغواء کنندگان کی گرفتاری کا مطالبہ تھا۔

''وہ خان آف قلات کے نواسے تھے اور گرفتاری ننھیال کی مطلوب تھی اور قصہ تھا 1932ء کی ساختہ ایک کار کا جواب نوادرات میں شمار ہوتی ہے اور وہ کار بنانے والے ایک لاکھ نو ہزار پونڈ کی پیشکش کر چکے تھے۔ نانی نے یہ کار نواسوں کو دی دی ماموں نے برآمد کروالی''

اور اس خط میں سب سے وزنی دلیل جو مولانا نے دی ہے وہ یہ ہے

جس طرح ہمیں اپنے مسلمان ہونے پر پختہ یقین ہے اسی طرح ہمیں ان تمام لوگوں کے کافر ہونے کا بھی پختہ یقین ہے جو مرزا غلام احمد کے دعوی نبوت و مسیحیت کو کسی بھی معنی میں درست مانتے ہیں اور اس پر اعتقاد رکھتے ہیں آپ لوگوں کو آئینی طور پر بھی پاکستان میں غیر مسلم اقلیت قرار دیا جا چکا ہے یہ فیصلہ مبنی برحق تھا جس میں کس قسم کا تعصب، عناد اور ظلم و تعدی کا دخل نہیں ہے اگر کسی کی زبان سے اپنے عقیدے کا اظہار وحی الٰہی کی حیثیت رکھتا ہے تو نہایت ادب سے گزارش ہے کہ جس قسم کا اظہار مولانا نے اپنے عقیدہ کے مبنی برحق وصداقت ہونے کا کیا ہے اس سے کہیں زیادہ شدت کے ساتھ احمدیہ جماعت اپنے عقائد کے برحق ہونے اور مولانا کے ناراستی ہونے کا یقین رکھتی ہے۔ اس صورت میں فیصلہ کا کیا پیمانہ ہوگا؟ مولانا کے عقیدے کو کیوں اختیار کیا جائے اور احمدیوں کے عقیدے کو کیوں ردّ کیا جائے؟ صحابہ کرامؓ اور کفار مکہ بھی اپنے اپنے عقائد کے متعلق ایسی ہی بصیرت کا اظہار کرتے تھے۔

جہاں تک آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کا سوال ہے اگر کسی احمدی سے بات کریں تو وہ کہتے ہیں کہ دینی معاملات میں عددی اکثریت کے فیصلے لاگو نہیں ہوتے۔ کیا قریش مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف یہ کہہ کر عددی فیصلہ نہ دے دیا تھا کہ تُو تو ہمیں اپنے مذہب سے پھسلانے کے لئے آیا ہے؟

کیا حضورؐ نے اپنے مشن ترک کر دیئے؟ دین کی بنیاد وحی والہام پر ہے شاید اسی بناء پر ہی مفکر اسلام نے متنبہ کیا تھا۔

گریز از طرز جمہوری گلام پختہ کارے شو

کہ از مغز دو صد خرفکر انسانی نمی آید

میرے خیال میں مولانا نے جس تحدی سے اپنا عقیدہ بیان کیا ہے اگر ایسے اظہار سے ہی حتمی فیصلہ ہو سکتا تو گزشتہ سو سال میں کبھی کا ہو گیا ہوتا۔ علماء دین کے لاتعداد بحث مباحثوں اور مناظروں کی کیا ضرورت تھی اور بالآخر دین کے معاملہ میں نام نہاد علماء کرام اور مشائخ عظام کو اسمبلی کے فیصلہ کا سہارا کیوں لینا پڑا؟ حالانکہ قرآن کریم میں واضح حکم وہدایت ہے کہ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔ دین میں کوئی جبر نہیں۔ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ۔ جو تجھ پر نازل ہوا ہے اُسے لوگوں تک پہنچا دے لَسْتَ عَلَیْھِمْ بِمُصَیْطِرٍ۔ تو ان پر داروغہ ہیں۔ مَنْ شَاءَ فَلْیُؤْ مِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْیَکْفُرْ جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہئے اس کا انکار کر دے۔ مار دھاڑ، قتل وغارت، جبر واکراہ کا سارے قرآن میں کوئی ذکر نہیں۔ کیا ہمارے ہادی مولا سید المرسلینؐ نے اپنے پیغام کی اشاعت کے لئے یہی راہ اختیار کی تھی؟ جس پر 1400 سال بعد اب علمائے دین سرپٹ دوڑے جا رہے ہیں۔

مرزا طاہر احمد کی ''دعوت مباہلہ'' کے متعلق میری رائے ہے کہ اُسے صرف ونحو کے گورکھ دھندے میں نہ اُلجھائیں باب مفاعلہ وغیرہ چھوڑ دیں کیونکہ ہم دیہاتی گنوار ایسے دقیق رموز سے نابلد محض ہیں۔ ایک بات بڑی واضح ہے کہ جہاں تک نصاری بحران کا تعلق ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوت مباہلہ پر نہ آئے تھے اُن کی تعداد 60 بتائی جاتی ہے اور غالباً بچے اور عورتیں اُن میں نہ

تھیں وہ بحث ومباحثہ۔ افہام وتفہیم اور مناظرہ کے لئے آئے تھے۔ جب اس طرح ان کی تسلی وتشفی نہ ہوئی تو آنحضورؐ نے وحی الٰہی پر اُن کو دعوت مباہلہ دے دی۔ اگر اس وقت وہ دعوت قبول کر لیتے تو ظاہر ہے ان میں بچے اور عورتیں نہ ہوتیں۔ جو حاضر تھے وہی شامل ہوتے۔ مولانا نے یہ ذکر نہیں کیا کہ ازواج مطہرات اور باقی صاحبزادیوں کو کیوں شامل نہ فرمایا؟

مولانا کے خط سے واضح ہے کہ اصل شرف ثُمَّ نَبْتَهِلْ ہے یعنی خشوع وخضوع، تضرع وتذلل کے ساتھ دعا کے ذریعہ حق و باطل میں امتیاز کے لئے خالق ارض وسما کی بارگاہ عالیہ میں درخواست مسلمان غلام احمد کے دعوے کو ایک فتنہ قرار دیتے ہیں بحث مباحثوں، مناظروں سے یہ مسئلہ حل کرنے کی کوشش ہوئی مگر لا حاصل۔ عددی قوت کے بل بوتے پر حل کی کوشش مار دھاڑ، فتنہ وفساد پر منتج ہوئی۔ مرزا غلام احمد کو غلطی خوردہ تسلیم کر بھی لیا جائے تو بھی احمدی انسانی اور شہری ہونے کے ناطے اس سلوک کے ہرگز سزاوار نہیں جو پاکستان میں اُن کے ساتھ روا رکھا جا رہا ہے۔

اُمت مسلمہ کا شیرازہ پہلے ہی بکھرا ہوا ہے اب مینار پاکستان لاہور کے سایہ میں 12 ربیع الاول کے مبارک دن اسٹیج کی کیا ضرورت ہے؟ پاکستان کے معروضی حالات میں اشتعال انگیزی کا تو امکان ہے ثُمَّ نَبْتَهِلْ والی کیفیت پیدا ہونے کا ہرگز نہیں۔ بظاہر جو مسئلہ سو سال میں حل نہ ہو سکا اس کے حل کا ایک آسان طریق مرزا طاہر احمد نے خود پیش کر دیا ہے۔ کہ چونکہ آپس میں فیصلہ نہیں ہو سکا۔ خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے۔ بقول آپ کے ایسا نوجوان قادیانی نسل کو مذہبی انتشار و اضطراب کا شکار ہونے سے بچانے کے لئے کیا گیا ہے چلو ایسا ہی سہی۔ اگر قادیانی مایوسی اور بے یقینی کا شکار ہوتے ہیں تو ہونے دیں۔ آپ نے جب اس خیال سے کہ مرزا طاہر احمد اور مسلمان عالم کی خاموشی اور بے توجہی سے کوئی ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں اس دعوت مباہلہ کو قبول کر لیا ہے اور جس طرح آپ کو ان کے کافر ہونے کا پختہ یقین ہے اگر احکم الحاکمین کے نزدیک بھی وہ ایسے ہی ہیں تو آپ خشوع وخصوع، تضرع وتذلل سے ابتہال کی حد کر دیں کہ وہ قادر مطلق وتوانا

خدا 12 ربیع الاول سے پہلے ہی حق و باطل میں فیصلہ فرما دے۔ تا کہ امت مسلمہ انتشار کا شکار ہونے کی بجائے سیسہ پلائی دیوار بن جائے۔

حضور خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین مقدسہ کے صدقے پورے انشراح کے ساتھ مرزا طاہر احمد کے ساتھ ''از من و جملہ جہاں آمین آباد'' کہتے ہوئے شامل ہو کر اس اُمت کو ابتلاء اور امتحان سے بچالیں۔

آپ کی اس سعی سے سچائی کا سورج طلوع ہوگا۔ اور دنیا جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ کا نظارہ دیکھے گی۔ ''پاکئ داماں'' کی حقیقت اور ''دامن'' اور ''بند قبا'' کے طعنے ختم ہو جائیں گے۔ اُمت مرحومہ کو ایک نئی زندگی عطا ہوگی۔ انشاء اللہ

(لاہور 15/ اکتوبر 1988ء)

تردید عیسائیت بارے مضامین

1۔کیا بائیبل الہامی کتاب ہے؟

کیا بائیبل خدا کا کلام ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو نہ صرف غیر عیسائی دلوں میں پیدا ہوتا ہے بلکہ خود عیسائیوں کے لئے غور وفکر کا باعث ہو رہا ہے اس مسئلہ کا اس طرح زیر بحث آنا اور بائیبل کے مقلدین اور غیر مقلدین دونوں کے لئے باعث توجہ ہونا اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ بائیبل کے متعلق یہ سوال خود بائیبل کو ہی حل کرنا چاہئے مگر ہم اس کو اس اہم مسئلہ پر بالکل خاموش پاتے ہیں کوئی اندرونی شہادت اس امر کی صداقت کے متعلق نہیں ملتی۔ کہ یہ فی الواقعہ خدا کا کلام ہے۔ اور اگر ہم اس کے مرتب ہونے کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو اس نظریہ کی تائید حاصل ہوتی ہے کہ یہ یقیناً انسانی ہاتھوں کی مرہون توجہ ہے۔ اس کے بعض حصے تو ایسے ہیں کہ جن کی اصلیت پر متعدد سوالات کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً مرقس کی آخری بارہ آیات۔ مزید یہ بھی دیکھنا ہے کہ ''اسفار محرفہ'' سے کیا مراد ہے؟ کسے یہ حیثیت حاصل تھی کہ خدا تعالیٰ کے خالص کلام کو مختلف کتب سے امتیازی رنگ میں علیحدہ کر سکتا؟

دوسری اندرونی شہادت جو اس بات کے خلاف پیش کی جا سکتی ہے کہ بائیبل خدا کا کلام ہے وہ اس کا تناقض ہے۔ الہامی کتاب کے لئے متناقض بالذات نہ ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ اس کا تناقض اس بات کا ثبوت ہے کہ اس میں انسانی دخل ہوا۔ غلطی کرنا بشریت کا تقاضہ ہے اور تناقض یقیناً غلطی ہے پس تناقض اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک معیار ہے اس امر کے پرکھنے کے لئے اور ایک امتیاز قائم کرنے کے لئے کہ فلاں کلام واقعی خدا کا کام ہے اور اگر بائیبل میں واضح تناقض پایا جائے تو یہ اس امر کا ثبوت ہوگا۔ کہ یہ نہ خدا کا کلام ہے اور نہ ہی انسانی دست برد

سے پاک ہے۔عہد عتیق میں اور عہد نامہ جدید میں اور پھر ان دونوں کے آپس میں تضاد کی بیسیوں مثالیں بائیبل میں موجود ہیں۔مگر اختصاراً چند پیش کی جاتی ہیں۔

عہد نامہ عتیق

(1)سموئیل6:33 سو ماؤل کی بیٹی میکل مرتے دم تک بے اولا د رہی۔

سموئیل21:8 ماؤل کی بیٹی میکل کے پانچوں بیٹوں کو۔

ایک جگہ میکل کو مرتے دم تک بے اولاد بتایا گیا ہے مگر دوسری جگہ اس کتاب میں اس کے پانچ بیٹوں کا ذکر ہے۔

2۔تواریخ8:1,2

اور بینمین سے اس کا پلوٹھہ بالغ پیدا ہوا دوسرا اشبیل ،تیسرا اخرج ،چوتھا نوحہ اور پانچواں رخا۔

پیدائش46:21 بینمین کے بیٹے یہ ہیں بالع ،بکرا اور اشبیل اور جیرا اور نعمان رضی اور ماؤس۔مفیم اور مغیم اور آرد۔ایک جگہ بنیمن کے پانچ بیٹے بتائے ہیں مگر دوسری جگہ دس۔

عہد نامہ جدید

(1)لوقا9:3 ان سے کہا کہ راہ کے لئے کچھ نہ لینا نہ لاٹھی نہ جھولی نہ روٹی نہ روپیہ نہ دو دو کرتے رکھنا۔

مرقس8:6 اور حکم دیا کہ راستے کے لئے لاٹھی کے سوا کچھ نہ لو نہ روتی نہ جھولی اور نہ اپنے کمر بند میں پیسے۔تضاد واضح ہے۔راوی کہتا ہے کہ لاٹھی رکھنے کا حکم دیا گیا تھا مگر دوسرا راوی اس کی نفی کرتا ہے۔

(2)مرقس15:25 تین بجے پھانسی دی گئی۔

یوحنا19:14 یہ فسح کی تیاری کا دن اور چھٹے گھنٹے کے قریب تھا۔

پھانسی پر لٹکانے کے وقت میں تین گھنٹے کا فرق ہے۔

عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید

(1)۔متی 1:11 یوسیاہ سے یکوتیاہ پیدا ہوا۔ا۔تواریخ 3:15,16 یوسیاہ کے بیٹے تھے۔
پہلوٹھا۔یوحنا تیسرا مرفیاہ چوتھا سلوم، یہولقیم کا بیٹا یکوتیاہ۔
ایک روایت سے یکوتیاہ یومیاہ کا بیٹا ہے مگر دوسری سے اس کا پوتا۔

(2) لوقا 36:3 سلح قیناں کا بیٹا تھا اور وہ ارفکسو کا۔
پیدائش 11:12 جب ارفکسو پینتیس برس کا ہوا تو اس سے سلح پیدا ہوا۔ایک جگہ سلح کو ارفکسد کا پوتا بیان کیا گیا ہے۔مگر دوسری جگہ بیٹا۔

(3)اور داؤ دنوب میں اخمیلک کاہن کے پاس آیا۔
مرقس 25,26:2 وہ کیونکر ابیاتر سردار کاہن کے دنوں میں خدا کے گھر میں گیا۔
ایک ہی واقعہ کو اخمیلک کاہن کے زمانہ کا بیان کرتا ہے اور دوسرا ابیاتر کا لیکن سموئیل 22:20:21 میں آتا ہے کہ اخمیلک کے بیٹوں میں سے ایک جس کا نام ابیاتر تھا۔ابیاتر اخمیلک کا بیٹا بتایا گیا ہے۔

(4)متی 27:19 اس وقت وہ پورا ہوا جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا کہ جس کی قیمت ٹھہرائی گئی تھی انہوں نے اس کی صحت کے وہ تیس روپے لے لئے۔حالانکہ یہ یرمیاہ نبی کی معرفت نہیں کہا گیا تھا۔بلکہ ذکریا نبی کی معرفت کہا گیا تھا۔دیکھو زکریا 11:12,13

(5) متی 27:5 یہودا اسکریوطی کے متعلق آتا ہے وہ روپوں کو مقدس میں پھینک کر چلا گیا۔اور اپنے آپ کو پھانسی دی۔
اعمال 18:1 اس نے بدکاری کی کمائی سے ایک کھیت حاصل کیا اور سر کے بل گرا اور اس کا پیٹ پھٹ گیا۔

غرض اس قسم کا واضح تناقض خدائے علیم وخبیر کی طرف ہرگز منسوب نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس انسان کی طرف جس کو یہ امور اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء کے طور پر حاصل ہوئے ہوں۔

قول اور فعل میں تضاد

اب ہم اس سوال کو ایک دوسرے پہلو سے لیتے ہیں اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے قول اور فعل میں کوئی خاص تصادم ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔ اس کا قول اس کے فعل سے بعینہ مطابق ہونا ضروری ہے نہ کہ مخالف مگر بائیبل میں متعدد ایسی باتیں پائی جاتی ہیں کہ جن کا وقوع سراسر اس قانون کے خلاف ہے جس کا مشاہدہ ہم ہر روز کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر احبار 11:6 خرگوش جگالی کرتا ہے پھر استثنا 14:7 میں آتا ہے اونٹ اور خرگوش اور سا قان کو نہ کھانا کیونکہ یہ جگالی کرتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اونٹ تو جگالی کرتا ہے مگر خرگوش اور سا قان نہیں کرتے۔ چنانچہ یہ خدا تعالیٰ کے علم کو (نعوذ باللہ) باطل قرار دیتا ہے۔ اور یہ بات اس خدائے علیم وخبیر کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی جو منبع ہے تمام علوم کا اور دنیا اس کی رہنمائی کی ہر لحظہ اور ہر طرح محتاج اور دست نگر ہے۔ اگر ہم یہ بات مان لیں کہ یہ کتب خدا تعالیٰ کی طرف سے القاء کی گئی ہیں تو بالفاظ دیگر اس بات کا اقرار ہوگا کہ خدا تعالیٰ کا علم نعوذ باللہ من ذالک بہت ناقص ہے اور یہ ایک نہایت ہی خطرناک تصور ہے۔

ناممکن بیان

پھر ہم بائیبل میں بعض ایسے بیانات پاتے ہیں جن سے صریحاً ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا بیان کرنے والا خدا نہیں بلکہ کوتاہ علم انسان ہے جسے ایک غیر مستند مؤرخ سے زیادہ حیثیت نہیں دی جا سکتی مثلاً استثناء 34:5 پھر موسیٰ مر گیا۔ اب یہ کس طرح ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات کے بعد یہ جملہ کہا ہو اس کی تشریح اور وضاحت کی ذمہ داری عیسائیوں پر ہے۔ پھر آگے آیت دس میں لکھا ہے۔ اس وقت سے اب تک بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ کی مانند نہیں اٹھا۔ اسے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جا سکتا بلکہ لفظ ''اب تک'' صاف طور پر ظاہر کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد لکھا گیا۔ کیا یہ کلام خدا کا کلام ہوسکتا ہے؟ اس قسم کی ایک اور مثال ایوب 17:4 میں ہے۔ ایوب نے بڈھا اور عمر رسیدہ ہو کر وفات پائی ایک اور یشوع 24:26 نون کا بیٹا یشوع خداوند کا بندہ ایک سو دس برس کا ہو کر رحلت کر گیا۔ کوئی سلیم العقل

انسان یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوسکتا۔ کہ ایوب اور یشوع نے اپنے مرنے کے بعد یہ کہا ہو۔

امورغیبیہ پر اطلاع پانا

اس سلسلہ میں آخری بات جو مجھے عرض کرنا ہے وہ پیشگوئیوں سے تعلق رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء اور پاک لوگوں پر امور غیبیہ کا انکشاف فرماتا ہے اور امور غیبیہ پر اطلاع پانا ان کے دعاوی کا سب سے بڑا اور نمایاں ثبوت ہوتا ہے۔ ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اور خدا نے اخبار غیبیہ کا علم ان کو بخشا لیکن یہی ایک بات جس طرح ہم بائیبل میں مذکور پاتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت میں بطور تائید پیش کی جاسکے۔ ان کے دعویٰ کی تردید و تکذیب کا باعث ہورہی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بارہ حواریوں سے فرمایا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب ابن آدم نئی پیدائش میں اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا تو تم بھی جو میرے پیچھے ہوئے ہو۔ بارہ تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کرو گے۔ متی 28-19۔ لیکن یہود نے ارتداد اختیار کرلیا۔ اور اپنے آقا کو چاندی کے چند سکوں کے بدلہ دشمنوں کے ہاتھوں فروخت کردیا۔ کیا اس کے باجود یہوداسکر یوطی اس مسند اور تخت پر اس وقت تک بیٹھا ہوا ہے یا بیٹھ سکتا ہے جس کا اس کو وعدہ دیا گیا تھا۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے اس چور کو جوان کے ساتھ ہی صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔ فرمایا

''میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ آج ہی تُو میرے ساتھ فردوس میں ہوگا'' (لوقا 23:43)

لیکن عیسائیوں کے عقیدہ کے بموجب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تین دن کے بعد آسمان کی طرف اٹھائے گئے اور یہ تین دن دوزخ میں رہے پھر فردوس میں ساتھ کیسا؟ اگر دوزخ میں رہنا نہ بھی مانا جائے تو بھی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی کیونکہ تین دن کے بعد اٹھائے گئے۔

یہ ہے بائیبل کا مسیح مگر ہم اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے نبی تھے۔ اور وہ تمام پیشگوئیاں جو خدا تعالیٰ نے ان کی زبان پر جاری فرمائیں۔ یقینا باقی انبیاء علیہم السلام کی پیشگوئیوں کی طرح پوری ہوئیں۔ بائیبل میں ایسی بہت سی پیشگوئیاں مذکور ہیں کہ واقعات ان کے

خلاف وقوع میں آئے اب ہمارے لئے صرف ایک ہی راہ باقی ہے کہ سمجھیں یہ پیشگوئیاں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں تھیں۔اور یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہرگز نہیں۔کیا ان امور کی موجودگی میں بائیبل خدا کا کلام ہوسکتی ہے؟اگر اس سوال کو آج کے عیسائیوں کے سامنے پیش کیا جائے تو بہت سے تعلیم یافتہ عیسائی اور عالم ایسے ملتے ہیں جو اس بات کے قائل ہو چکے ہیں کہ بائیبل خدا کا کلام ہرگز نہیں۔ ان معنوں میں کہ خدا کے الہام اور القاء کے ماتحت اس کو ترتیب دیا گیا ہے۔

ایسے ہی امور کی وجہ سے اب لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وجود کے بارہ میں بھی شکوک پیدا ہو رہے ہیں۔اور یہ بائیبل کے غیر الہامی ہونے سے بھی ایک قدم آگے ہے۔مگر یہ ایک ایسا قدم ہے جسے اٹھانے پر لوگ مجبور ہیں کیونکہ بائیبل نے اپنی موجودہ شکل میں ان کے دلوں میں متعدد شکوک وشبہات پیدا کر دیئے ہیں۔

(الفضل قادیان 20 اپریل 1946ء)

2۔الوہیت مسیح کی تردید

(مورخہ 15راپریل 1966ء کو مسجد مبارک ربوہ میں سیدنا خلیفۃ المسیح الثالث (رحمہ اللہ) کی زیر صدارت جو علمی مجلس منعقد ہوئی تھی اس میں مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ سابق امام بیت الفضل لنڈن نے بحیثیت ناظر زراعت مندرجہ ذیل مضمون پڑھا)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب میں عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت مسیح کا بڑے لطیف اور نہایت موثر انداز میں ردّ فرمایا ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں۔

''ہم نہایت نرمی اور ادب سے حضرات پادری صاحبوں کی خدمت میں سوال کرتے ہیں کہ اس بے چارہ ضعیف انسان کو خدا ٹھہرا کر آپ کو روحانیت میں کون سی ترقی ہوئی ہے۔ اگر وہ ترقی ثابت کرو تو ہم لینے کو تیار ہیں ورنہ اے بد بخت مخلوق پرست لوگو! آؤ ہماری ترقیات دیکھو اور مسلمان ہو جاؤ'' (سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کے جواب از روحانی خزائن جلد 12 ص 348)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ دلیل تمام مسیحیوں کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے۔ عیسائیوں اور پھر بالخصوص ان کے پادریوں اور منادوں کا روحانیت سے سراسر خالی ہونا اور زندہ خدا اور اس کی توحید و تمجید پر ایمان لانے اور اس کے ساتھ پختہ تعلق کے نتیجے میں جو برکات اور ثمرات اور نشانات حاصل ہوتے ہیں اُن سے کلیۃً محروم ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ عیسائیوں اور ان کے پادریوں نے جس شخص کو خدا بنایا ہوا ہے وہ درحقیقت خدا نہیں ہے بلکہ ایک ضعیف اور کمزور ہستی ہے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ ایک قادر اور قیوم خدا کے ساتھ سچے اور گہرے تعلق کے جو نتائج ظاہر ہونے چاہئیں جن کا مشاہدہ اُن کی زندگیوں میں ہم نہیں کر پاتے۔ حضورؑ نے اس بارہ میں بڑی تحدی سے فرمایا ہے۔

''میں بڑے زور سے کہتا ہوں کہ روحانیت کی رو سے عیسائیوں کی نہایت گندی زندگی ہے اور وہ پاک خدا جو آسمان اور زمین کا خدا ہے اُن کی اعتقادی حالتوں سے ایسا متنفر ہے جیسا کہ ہم

نہایت گندے اور سڑے ہوئے مردار سے متنفر ہوتے ہیں۔ اگر میں اس قول میں جھوٹا ہوں اور اگر اس قول میں میرے ساتھ خدا نہیں ہے تو نرمی اور آہستگی سے میرے ساتھ فیصلہ کرلیں۔ میں پھر کہتا ہوں کہ ہرگز وہ پاک زندگی عیسائیوں میں موجود نہیں ہے جو آسمان سے اُترتی اور دلوں کو روشن کرتی ہے۔'' (سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کے جواب از روحانی خزائن جلد 12 ص 343)

اس کے مقابل پر حضورؑ نے اسلام کے پیش کردہ تصور توحید کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق اور اپنی ترقیات کو بطور دلیل اور گواہ ہی کے نہیں بلکہ ایک عظیم الشان چیلنج کی حیثیت سے پیش فرمایا ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں۔

''کیا یہ انصاف کی بات نہیں کہ جو شخص اپنی پاک زندگی اور پاک معرفت اور پاک محبت پر آسمانی شہادت رکھتا ہے وہی سچا ہے۔ اور جس کے ہاتھ میں محض قصے اور کہانیاں ہیں وہ بد بخت جھوٹا اور نجاست خور ہے۔'' (سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کے جواب از روحانی خزائن جلد 12 ص 348)

گویا جو لوگ مسیح کو الٰہ مانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان نہیں رکھتے ان کی زندگیوں میں پاک تبدیلی ہرگز پیدا نہیں ہو رہی اور ان کا ایمان محض سابقہ قصوں اور کہانیوں تک محدود ہے اور وہ آنے والی نسلوں کے لئے اس پاک زندگی کی کوئی زندہ مثال پیش نہیں کر سکتے۔

اس کے مقابل پر اسلام کے ماننے والوں اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین رکھنے والوں کو پاکیزہ زندگی اور پاک معرفت اور پاک محبت پر خدائی تائیدات اور خدائی نشانات موجود ہیں اور ہمیشہ ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور ایسا ہونا بالکل طبعی اور فطرتی امر ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں۔

''جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ جب آفتاب کی طرف کی کھڑکی کھولی جائے تو آفتاب کی شعاعیں ضرور کھڑکی کے اندر آجاتی ہیں ایسا ہی انسان جب خدا تعالیٰ کی طرف بالکل سیدھا ہو جائے اور اس میں اور خدا تعالیٰ میں کچھ حجاب نہ رہے تب فی الفور ایک نورانی شعلہ اس پر نازل ہوتا ہے اور اس کو منور کر دیتا ہے اور اس کی تمام اندرونی غلاظت دھو دیتا ہے تب وہ ایک نیا انسان ہو جاتا ہے اور ایک بھاری تبدیلی اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے تب کہا جاتا ہے کہ اس شخص کو پاک زندگی حاصل

ہوئی۔اس پاک زندگی کے پانے کا مقام یہی دنیا ہے‘‘

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کے جواب از روحانی خزائن جلد 12 ص345)

پس اگر مسیح درحقیقت اللہ ہے تو ان کے ماننے والوں کے اندر بھی یہ پاک اور عظیم الشان تبدیلی اپنے تمام تر نیک اثرات کے ساتھ اسی دنیا میں ظاہر ہونی چاہئے تھی جو بہر حال نہیں ہے۔ لہذا یہ دلیل ہے اس امر کی کہ مسیح کی الوہیت کا تصور بالکل باطل ہے ہاں اس کے مقابل پر اسلام کا خدا اپنی توحید کے ماننے والوں کو ہر روز اپنے نشانات اور تائیدات سے نواز کر اپنے برحق وجود کی جلوہ نمائی فرماتا رہتا ہے اور یہی نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس عظیم الشان اسلامی تعلیم اور تصور توحید کے نتیجہ میں انسان اپنے مبداء فیض خدا سے اس کے افضال اور انعامات حاصل کرنے میں عیسائیوں کے خودساختہ الٰہ کے مانند ہوسکتا ہے۔حضورؑ فرماتے ہیں۔

’’یسوع ناصری نے اپنا قدم قرآن کی تعلیم کے موافق رکھا اس لئے اس نے خدا سے انعام پایا۔ایسا ہی جو شخص اس پاک تعلیم کو اپنا رہبر بنائے گا وہ بھی یسوع کی مانند ہو جائے گا۔یہ پاک تعلیم ہزاروں کو عیسیٰ مسیح بنانے کے لئے تیار ہے اور لاکھوں کو بنا چکی ہے‘‘۔

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کے جواب از روحانی خزائن جلد 12 ص348)

سچی اور حقیقی توحید یہ ہے کہ انسان خدا کی ہستی کو مان کر اور اسکی وحدانیت کو قبول کر کے اس کامل اور محسن خدا کی اطاعت اور رضاء جوئی میں مشغول ہو جائے اور اسکی محبت میں کھویا جائے۔اور خدا تعالیٰ کو اپنی ذات میں ہر ایک شریک سے خواہ بُت ہو خواہ انسان خواہ سورج ہو یا چاند یا اپنا نفس یا اپنی تدبیر اور مکر وفریب ہو پاک اور منزہ سمجھے اور اسکے مقابل پر کسی کو قادر تجویز نہ کرے۔ کسی کو رازق نہ مانے اور کسی کو معزیا مذل خیال نہ کرے پھر اپنی محبت بھی اسی سے خاص کرے اور اس کے وجود کے مقابل پر تمام موجودات کو معدوم کی طرح سمجھے اور پھر ہر آن اس آسمانی رزق سے مشرف ہوتا رہے جو اس ایمان کے نتیجہ میں مومنوں کے لئے خدائے واحد و یگانہ کی طرف سے ہمیشہ ہمیش کے لئے مقدر اور مقرر ہے۔

پس الوہیت مسیح کا عقیدہ رکھنے والوں کا آسمانی رزق مثلاً خوارق عادت نشانات،قبولیت

دعا اور کشوف والہامات سے محروم ہونا اور ان کے مقابل پر مسیح کو الوہیت کے تخت سے اُتار کر محض ایک بندہ اور رسول ماننے والوں کا خدائے ذوالجلال والکبریا کے پاک اور زندگی بخش کلام سے مشرف ہونا اور ان کے ہاتھوں پر معجزات کا ظہور اور ان کی دعاؤں کی قبولیت کے اثرات اس امر کی بڑی واضح دلیل ہے کہ درحقیقت مسیح ہرگز خدا نہ تھے اور ان کی الوہیت پر ایمان رکھنے والے سراسر غلطی پر ہیں۔

(الفضل 22 مئی 1966ء)

خطوط

آپ نے اپنے قلم کو غیروں کو انتباہ کرنے کے لئے بھی استعمال کیا اور اخبارات و رسائل کو خطوط لکھنے کا سلسلہ جاری فرمایا۔ ہفتہ وار ''لاہور'' لاہور میں مختلف مواضیع پر آپ کے خطوط چھپتے رہے۔ جن میں سے چند ایک بطور مثال درج ذیل ہیں۔

1- جماعت اسلامی کی مغالطہ انگیزیاں

جناب ثاقب! ہدیہ خلوص!

جیسا کہ ''لاہور'' کے دو تین مقالہ نگار یکے بعد دیگرے اُن کی ہفوات کا بہت مدلل طور پر تعاقب فرما چکے ہیں۔ تحریک مودودیت کے بانی جناب ابوالاعلیٰ مودودی اور اُن کے تمام پیروکار اور آلہ کاران دنوں اہل پاکستان کو یہ مغالطہ دینے میں کوشاں ہیں کہ انہوں نے کبھی پاکستان کے مطالبہ کی مخالفت نہیں کی۔ اُن کا اختلاف تو مسلم لیگ سے تھا۔ اور انہیں جس طور یہ تحریک چلائی جا رہی تھی اس پر اعتراض تھا۔ پچھلے دنوں جماعت اسلامی کی سیاسیات کے نقیب و مؤید روزنامہ ''نوائے وقت'' نے اہل پاکستان کے دلوں اور دماغوں میں اس جماعت کے متعلق نرم گوشہ پیدا کرنے کے لئے خود مودودی صاحب سے جو مقالہ لکھوا کر بڑے اہتمام سے شائع کیا تھا۔ اس میں تو اس دعوے میں قائداعظمؒ کا نام نامی بھی بڑھا دیا گیا تھا اور بڑے دھڑلے سے یہ چیلنج دیا گیا تھا کہ کسی میں جرات ہو تو اس کا ثبوت دے۔

''لاہور'' میں اس مبہم سیاسی چیلنج کا ایک دفعہ نہیں مختلف رنگوں میں پورے تین دفعہ غیر مبہم طور پر مسکت جواب دیا جا چکا ہے۔ لیکن چونکہ زندگی کی عملی ضرورتوں کے تحت جھوٹ بولنے کو واجب سمجھنے والی اس جماعت کے نام نہاد صالحین کی طرف سے اپنے گورو کا یہ دعویٰ اب بھی دوہرایا جا رہا

ہے۔اس لئے میں نے بھی آج حصول ثواب کی خاطر (کہ میرے نزدیک بدخواہاں وطن کو اپنے مکرودجل کا جال پھیلانے سے روکنا بھی جہاداور کارثواب ہے۔) برنگ دگر اس موضوع پر قلم اُٹھایا ہے۔

جماعت اسلامی کا قیام کیوں؟

محترمی! یہ واقعہ ہے کہ 22/ مارچ 1940ء کو لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کا جلسہ مسلمانان برصغیر کی قومی جدوجہد کا ایک بڑا ہی اہم اور نازک موڑ تھا۔اسی جلسہ میں سب سے پہلی دفعہ پاکستان کا مطالبہ (واضح لفظوں میں اور اس نئی مزعومہ ومطلوبہ مملکت کی حدود کی صراحت کے ساتھ) پیش کیا گیا تھا۔اس اجتماع میں مسلم لیگ تمام مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ وترجمان جماعت کی حیثیت سے اُبھری تھی اور اس کی مخالفت میں سیاسی ملاؤں اور کرایے کے چرب زبانوں کے (میری مراد جمعیۃ العلماء ہند اور احرار سے ہے)۔جو دوٹولے تھے۔ ہر ذی شعور پر واضح ہے کہ اُن کی حیثیت ہندو کانگرس کے کفگیروں سے زیادہ نہیں تھی۔اللہ تعالیٰ نے مسلم لیگ کو یہ عوامی مقبولیت عطا فرما کر گویا ''پاکستان'' کا قیام واضح تر کردیا تھا۔اب مسلم لیگ یا اس کے مطالبہ پاکستان کی کسی بھی رنگ میں مخالفت کرنا یا مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے کے لئے کوئی نئی جماعت بنانا سراسر مطالبہ پاکستان کو سبوتاژ کرنے کے مترادف تھا۔لیکن مودودی صاحب نے نہ صرف یہ کہ کبھی اس تحریک (پاکستان) کی تائید نہیں کی اس کی بالواسطہ مخالفت کرتے ہوئے 25 اگست 1941ء کو لاہور میں ایک الگ جماعت کی بنیاد رکھ دی۔گویا اس طرح وہ نہ صرف تفرقہ بازی کے مرتکب ہوئے انہوں نے الگ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کھڑی کرنے کی بھی کوشش کی۔ دوسرے لفظوں میں جماعت اسلامی کی پیدائش ہی پاکستان دشمنی کا واضح ثبوت ہے کیونکہ ایسے وقت میں جب کہ مسلمانوں کے تمام طبقات میں اتحاد واستحکام کی ضرورت تھی۔ جناب مودودی نے مسلمانوں کے حصار اتحاد میں نقب لگا دی۔

دوسرا ستم

اس پر دوسرا ستم یہ توڑا کہ اپنی سیاسی جماعت کا نام ''اسلامی'' رکھ کر سارے ہندوستان کے

مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ''مسلم لیگ'' کو غیر اسلامی بنا دیا۔ اور پھر عوام الناس کے دلوں کو مسلم لیگ اور اس کے زعماء کے بارے میں مسموم کرنے کے لئے با قاعدہ تحریری مہم شروع کر دی اور اپنے آپ کو ''عالم اسلام'' قرار دے کر مسلم لیگ کے تمام زعماء (قائداعظم محمد علی جناح۔ قائد ملت لیاقت علی خاں۔ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال اور اُن کے تمام دوسرے رفقاء کار) کو غیر اسلامی ذہنیت رکھنے والے قرار دینا شروع کر دیا۔ چنانچہ فرمایا

''باقی رہے وہ لوگ جو سرے سے اسلام کا علم ہی نہ رکھتے ہوں یا ناقص علم کی بناء پر اسلام اور جاہلیت کو غلط ملط کرتے ہوں۔ اور پھر تقویٰ و ریاضت کی کم سے کم ضروری شرائط سے بھی عاری ہوں تو ایسے لوگوں کو محض اس لئے مسلمانوں کی قیادت کے اہل قرار دینا کہ وہ مغربی سیاست کے ماہر یا مغربی تنظیم کے استادفن ہیں اور اپنی قوم کے عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں سراسر اسلام سے جہالت اور غیر اسلامی ذہنیت ہے۔

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ ۳۱)

آگے سنیئے

یہ اقتباس بڑا واضح ہے لیکن مودودی صاحب کو شاید شک گزرا کہ لوگ ان کا مطلب نہیں سمجھے۔ لہذا بات نام لے کر کرنی چاہئے۔ چنانچہ قدرے کھل کر فرمایا۔

''مگر افسوس ہے کہ لیگ کے قائداعظم سے لے کر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرز فکر رکھتا ہو۔ اور معاملات کو اسلامی نقطہ فکر سے دیکھتا ہو۔ یہ لوگ مسلمان کے معنی و مفہوم اور اس کی مخصوص حیثیت کو بالکل نہیں جانتے اُن کی نگاہ میں مسلمان بھی ویسی ہی ایک قوم ہیں جیسی دُنیا میں دوسری قومیں ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہر ممکن سیاسی چال اور ہر مفید مطلب سیاسی تدبیر سے اس قوم کو مفاد کی حفاظت کر دینا ہی بس ''اسلامی سیاست'' ہے حالانکہ ایسی ادنیٰ درجہ کی سیاست کو اسلامی سیاست کہنا اسلام کے لئے ازالہٰ حیثیت عُرفی سے کم نہیں۔''

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم)

لیکن جب اُن کی ان تمام موشگافیوں، مخالفتوں اور تبرے بازیوں کے باوجود مسلم لیگ پاکستان حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی اور خود انہیں بھی پاکستان کے علاوہ کہیں جائے پناہ نہ ملی تو یہ خیال ذہن کو پریشان رکھنے لگا کہ اِک نہ اِک دن یہ سب کچھ ہمارے منہ پر مارا جائے گا تو جو گالی انہوں نے قائداعظم کو اُن کی زندگی میں دی تھی اور جو 1947ء تک بلکہ قیام پاکستان کے بعد بھی اُسی شدومد سے دوہرائی جاتی رہی اُسے 1955ء میں قائداعظم کا لفظ اُڑا کر اُس کی جگہ بڑے لیڈروں کے الفاظ رکھ کر عمومی رنگ دے دیا گیا اور اس طرح جماعت کی صالحانہ تحریف کا ایک اور شاہکار وجود میں آ گیا۔

1940ء سے 1947ء تک کے مودودی صاحب کا سارا لٹریچر پڑھا جائے اس میں اول سے آخر تک ایک ہی کرب اور ایک ہی اضطراب تھا جیسے انہوں نے مختلف رنگوں میں طرح طرح کی مثالیں دے دے کر پیش کیا ہے...... یہ کہ

مسلم لیگ نے اپنی قیادت کے لئے اُن کی بجائے قائداعظم کو کیوں چنا۔

اپنی پیشوائی منوانے کے لئے

شاید اُن کا اس بات پر بھی ایمان نہیں ہے کہ ہر عزت اور ہر رسوائی صرف خالق عزوجل ہی کی طرف سے آتی ہے۔ دلوں کی باگ صرف اُسی کے ہاتھ میں ہے وہ مقلب القلوب نہیں۔ جس کی طرف چاہے پھیر دے۔ چنانچہ اس نے جس وجود کو اس معاملہ میں خوش نیت اور مخلص ودیانتدار پایا۔ شہرت عام وبقائے دوام کا تاج اُس کے سر پر رکھ دیا۔ اور ؎ یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔

ذرا ملاحظہ فرمایئے۔ صالحین کے اس سرخیل نے مسلمانان ہند سے اپنی پیشوائی منوانے کے لئے کیا کیا پینترے بدلے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

اس تنظیم میں جو لوگ سب سے آگے صف میں نظر آتے ہیں اسلامی جماعت میں اُن کا صحیح مقام سب سے پیچھے کی صف میں ہے بلکہ بعض تو وہاں بھی برعایت ہی جگہ پا سکتے ہیں اس قسم کے لوگوں کو پیشوا بنانا بالکل ایسا ہے جیسے ریل کے سب سے پچھلے ڈبے کو انجن کی جگہ لگا دینا جس چڑھائی

پر آپ جانا چاہتے ہیں یا نام نہاد انجن آپ کی گاڑی کو اس طرف ایک انچ لے کر نہیں جا سکتا۔ البتہ گاڑی اپنے وزن سے آپ نشیب کی طرف لڑھکے گی اور آپ لوگ کچھ مدت تک اس غلط فہمی میں مبتلا رہیں گے کہ ماشاء اللہ ہمارا انجن اسے خوب اُڑائے لے جا رہا ہے۔ اس حقیقت کو جتنی جلدی سمجھ لیا جائے اتنا ہی بہتر ہے کیونکہ ہر لمحہ جو گزر رہا ہے وہ آپ کو اوپر کی بجائے نیچے کی طرف لے جا رہا ہے۔ جو لوگ آپ کی تہذیب کو جانتے نہیں وہ اس کا تحفظ کیا کریں گے۔

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم)

مگر یہ مولا کریم کا کرم ہے کہ جن مسلم زعماء کو مودودی صاحب اپنی رعونت فکر میں پچھلی صف میں بیٹھنے کے قابل بھی نہ سمجھتے تھے خدا تعالیٰ نے اُنہی کو اس امر کی توفیق عطا فرمائی کہ وہ ایک عظیم اسلامی مملکت کا قیام عمل میں لائیں اور دس کروڑ مسلمانوں کے تحفظ کا عظیم الشان فریضہ انجام دیں۔ آنے والی نسلیں بھلا اُن کی کیوں نہ احسان مند رہیں گی۔ سچ ہے۔

کامل اس فرقہ زہاد سے اُٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے

ایک مذہبی محاذ

قائداعظم اور دیگر مسلم زعماء کی مخالفت سے متعلق مودودی صاحب کو اُن کے ارشادات یاد دلانے کے بعد مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ کے بارے میں بھی اُن کی گوہر افشانی ملاحظہ فرمائیے۔ تا کہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔ جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے جب مودودی صاحب کی صالحانہ مخالفت کے باوجود مسلم لیگ دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت بن گئی پاکستان کا ریزولیوشن بھی معرض وجود میں آ گیا۔ تو مودودی صاحب نے اپنی ایک الگ جماعت قائم کی جس کی حیثیت مسلم لیگ کو ناکام بنانے کے لئے ایک مذہبی محاذ کی تھی۔ چنانچہ اس محاذ سے مسلم لیگ اور اُس کے مطالبہ قیام پاکستان کو ہدف تنقید بنانے کی مہم شروع ہو گئی اور ''ترجمان القرآن'' کے ذریعہ مسلم لیگی قیادت میں کیڑے ڈالنے اور اُس کی قیادت کو کمزور کرنے

کے لئے ہر ممکن پراپیگنڈہ شروع کیا گیا۔

فرماتے ہیں۔

''مسلم لیگ کی تحریک کے متعلق پہلی بات تو یہ سمجھ لیجئے کہ اس کے بنیادی تصورات، اس کا نظام ترکیبی، اس کا مزاج، اس کی سپرٹ، اس کا طریق کار، اس کے مقاصد سب کچھ وہی ہیں جو قومی اور قوم پرستانہ تحریکوں کے ہوا کرتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ مسلمانوں کی قومی تحریک ہے۔ اور مسلمانوں کی ہر تحریک اسلامی بن جایا کرتی ہے اس لئے خواہ مخواہ اسے بھی اسلامی سمجھ لیا گیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسلامی تحریک اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل ایک دوسری ہی چیز ہے جس کا کوئی شائبہ بھی مسلم لیگ کی قومی تحریک میں نہیں۔ مخصوص طریق کار سے جس منزل تک پہنچنا چاہتا ہے اُس تک آپ ایک قوم پرستانہ تحریک کے ڈھنگ اختیار کر کے پہنچ جائیں۔ ہر منزل اپنی فطرت کے لحاظ سے اپنی ہی ایک مخصوص راہ رکھتی ہے۔ آپ اسلام کی منزل مقصود کو پہنچنا چاہیں تو آپ کو اسلامی تحریک ہی کی مخصوص راہ کو سمجھنا اور اُسے اختیار کرنا پڑے گا۔ قوم پرستی کے طریقے اختیار کر کے آپ قومیت کی منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں مگر یہ توقع کرنا انتہائی پراگندہ خیالی ہے کہ ان ڈھنگوں سے آپ اسلامی منزل مقصود تک جا پہنچیں گے۔ اس نقطہ کی توضیح کا یہاں موقع نہیں ہے میں ''مسلمان اور سیاسی کشمکش حصہ سوم'' میں تفصیل کے ساتھ بتا چکا ہوں کہ ایک اصولی تحریک اور ایک قوم پرستانہ تحریک میں کیا فرق ہوتا ہے۔ ضرورت ہو تو پھر اس کی تشریح کر سکتا ہوں۔ یہاں پر اشارتاً صرف اتنی بات واضح کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ ایک اصولی تحریک کے کارکنوں کو یہ خبر دینا کہ تمہارے لئے ایک قوم پرستانہ تحریک نے بڑے اچھے مواقع پیدا کر دیئے ہیں۔ کسی بصیرت اور معاملہ فہمی کا ثبوت نہیں ہے۔ اس کی تو مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کسی عازم کلکتہ کو یہ خبر دی جائے کہ کراچی میل کھڑا ہے۔''

یہ بھی شائد الٰہی تصرف ہے کہ مودودی صاحب نے اپنی جماعت کو عازم کلکتہ اور پاکستان کو کراچی میل سے تشبیہ دی اور بالآخر مودودی صاحب کو کراچی میل میں سوار ہونا پڑا۔

فَاعْتَبِرُوْا يَا اُوْلِی الْاَبْصَار

یہ بات ہر ذی شعور جانتا ہے کہ قائد اعظم اور آپ کی مسلم لیگ کی مخالفت اور ''مطالبہ پاکستان'' کی مخالفت ایک ہی جدوجہد کے مختلف رُخ ہیں۔لیکن چونکہ سیاسی صالحین کے اس سرخیل نے اب بڑی دیدہ دلیری سے یہ کہنا اور لکھنا شروع کر دیا ہے کہ

''میں نے کبھی پاکستان کے مطالبہ کی مخالفت نہیں کی۔صرف مسلم لیگ سے اختلاف کیا تھا۔ مسلم لیگ جس طرح تحریک چلا رہی تھی اس پر اعتراض تھا۔''

مطالبہ پاکستان کی مخالفت

اس لئے اس سلسلہ میں بھی انہیں اپنے کردار کا آئینہ دکھا دینا شاید بے محل نہ ہو۔ ملاحظہ فرمایئے۔قرارداد پاکستان پر تبصرہ کرتے ہوئے کس روکھے پن سے فرماتے ہیں۔

''میرے لئے اس مسئلہ میں کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ ہندوستان میں جہاں مسلمان کثیر التعداد ہیں وہاں اُن کی حکومت قائم ہو جائے۔''

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم ص93)

یہاں تک تو بات پہلو تہی ، کنارہ کشی یا عدم دلچسپی ہی تک تھی مگر مودودی صاحب ادھوری بات کرنے والے نہیں ہیں۔آگے لکھتے ہیں۔

''ان کی تجویز یہ ہے کہ پہلے اسی جمہوری دستور کے مطابق جو انگریز حکومت یہاں نافذ کرنا چاہتی ہے، مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں کی اپنی حکومت قائم ہو جائے۔ پھر کوشش کی جائے گی کہ یہ قومی حکومت اسلامی نظام حکومت میں بتدریج تبدیل ہو جائے۔ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔''

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم ص132)

ہوسکتا ہے کوئی اب بھی یہ کہے کہ یہ بات بھی اصولی تنقید کے رنگ میں کہی گئی ہے۔لیکن ایسے احباب مودودی صاحب کے اس کی کیا تاویل کریں گے۔جس میں ''مطالبہ پاکستان'' سے اُن کا

دلی بغض اصطلاحات کی شکل میں اُن کے نوک قلم پر آ گیا ہے۔ارشاد ہوتا ہے۔

''پس جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت والے علاقے ہندو اکثریت سے آزاد ہو جائیں۔اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے تو اس طرح حکومت الٰہیہ قائم ہو جائے گی ان کا گمان غلط ہے۔دراصل اُس کے نتیجہ میں جو کچھ ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی۔

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم ص 117)

حرف آخر

مودودیت کے پرچارکوں کا یہ عام طریق ہے کہ جب اُن سے اُن کی بیرونی ملکوں سے مالیاتی سازباز کی بات کی جائے تو وہ فوراً یہ کہہ کر مخاطب کا منہ بند کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں ''عدالت عالیہ کا در کھٹکھٹائیے اور ثابت کیجئے۔'' صرف اس لئے کہ انہیں یہ یقین ہوتا ہے کہ کوئی محب وطن انہیں گھر تک پہنچانے کے لئے اپنی حکومت کے لئے کسی قسم کی کوئی پریشانی پیدا کرنا ہرگز مناسب نہیں سمجھے گا۔لیکن اگر انہیں اس توجیہ سے اتفاق نہیں۔اور واقعی اُن کے دل میں عدالت عالیہ کا وقار اور اُس کے فیصلوں کا احترام ہے تو آخر میں مودودی صاحب کی جماعت اسلامی کے پاکستان، تحریک پاکستان اور اکابر پاکستان سے متعلق کردار کے بارے میں عدالت عالیہ کے دو ججوں (مسٹر جسٹس محمد منیر اور مسٹر جسٹس کیانی) کی صائب ترین بے لاگ رائے بھی حاضر ہے۔ شاید کہ کسی دل میں اُتر جائے یہی بات

عدالت عالیہ کے فاضل جج 1953ء میں اپنی رپورٹ میں تحریر فرماتے ہیں۔

''جماعت اسلامی کا نظریہ نہایت سادہ ہے اُس کا مقصد یہ ہے کہ دنیا بھر میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت قائم کی جائے۔جس کا دوسرے الفاظ میں یہ مطلب ہے کہ ایک دینی سیاسی نظام قائم کیا جائے۔جس کو جماعت ''اسلام'' کہتی ہے۔اس نصب العین کے حصول کے لئے وہ نہ صرف پراپیگنڈہ کو ضروری سمجھتی ہے بلکہ آئینی ذرائع سے (اور جہاں ممکن ہو) وہاں قوت سے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی خواہاں ہے۔جو حکومت جماعت کے تصور پر مبنی نہ ہو مثلاً اس کی بنیاد قومیت

پر ہو۔مولانا مودودی کے نزدیک ''کفر'' ہے۔اور تمام لوگ جو ایسی حکومت میں ملازمت یا کسی دوسری حیثیت سے حصہ لے رہے ہیں یا رضا مندی سے اس نظام کی اطاعت کرتے ہیں وہ گنہ گار ہیں۔لہذا جماعت تصور پاکستان کی علی الاعلان مخالف تھی۔اور جب سے پاکستان قائم ہوا ہے جس کو پاکستان کہہ کر یاد کیا جاتا ہے یہ جماعت موجودہ نظام حکومت اور اس کے چلانے والوں کی مخالفت کر رہی ہے۔ ہمارے سامنے جماعت کی جو تحریریں پیش کی گئی ہیں ان میں سے ایک بھی نہیں جس میں مطالبہ پاکستان کی حمایت کا بعید سا اشارہ بھی موجود ہو۔اس کے برعکس یہ تحریریں جن میں کئی ممکن مفروضے بھی شامل ہیں۔تمام کی تمام اس شکل کی مخالف ہیں جن میں پاکستان وجود میں آیا۔اور جس میں اب تک موجود ہے۔''

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص 261)

جماعت اسلامی سے پہلے سیاسی جماعتوں کے لیڈر اگر ضرورت پڑے تو اپنی زبانی کہی ہوئی باتوں سے مکرا کرتے تھے۔مگر یہ جرات اور دیدہ دلیری صرف اور صرف مودودی صالحین اور ان کے مرشد ہی کو حاصل ہے کہ وہ کسی بات کو لکھ کر اور اُسے چھاپنے کے بعد بھی اُس سے مکر جانے میں کوئی ندامت محسوس نہیں کرتے۔

(لاہور 15 نومبر 1976ء)

۞-۞-۞

2-انتخابات پر ایک نظر

مکرمی ایڈیٹر صاحب ''جنگ'' لاہور السلام علیکم!

صدر پاکستان پُرامن، آزادانہ، منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کرانے میں بجا طور پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔جن حالات میں اور جب سے انہوں نے اقتدار سنبھالا ہے۔اخلاص اور یکسوئی سے قوم کا سیاسی قبلہ درست کرنے میں مصروف ہیں۔اس راہ میں چند ایک مشکل مراحل بھی آئے مگر پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔موجودہ انتخابات اہم سنگ میل ہیں اور اب منزل قریب

نظر آ رہی ہے۔اس سیاسی عمل کے نتیجہ میں ہنگامہ آرائی، ذات پات، برادری، گروہی اجارہ دارانہ سیاست سے مبرا ایسی قیادت ابھرے گی جو اسلامی نظام کی منزل قریب تر کرنے میں صدر مملکت کی مدد و معاون ثابت ہوگی۔جنہوں نے یہی اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا ہوا ہے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے صدر مملکت نے جو ٹیم تیار کی تھی اس کے Opening Batsman اوپنگ بیٹسمین راجہ ظفر الحق صاحب آؤٹ ہو گئے ہیں۔ایک اور کھلاڑی جو اپنی ہیت سے Night watchman نائٹ واچ مین کے طور پر ٹیم میں تھے ایسے انداز میں آؤٹ ہوئے ہیں کہ ڈک (Duck) کی اصطلاح زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہے۔کرکٹ کے کھیل میں اگر ایسی باتیں گھس آئیں جو کرکٹ نہ ہوں تو جفادری کھلاڑی بھی جم کر نہیں کھیل سکتے۔ نیوزی لینڈ میں ہماری کرکٹ ٹیم کی کارکردگی ہمارے سامنے ہے۔

برطانیہ، امریکہ اور دوسرے متعدد مما لک کے ذرائع ابلاغ عامہ نے انتخابات کو منصفانہ اور آزادانہ قرار دیا ہے خود صدر مملکت نے جن کی دعائیں اپنے وزیروں کے ساتھ تھیں۔اہم ترین وزیروں کی شکست کو منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخاب کے ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے۔جماعت اسلامی کے اپنے کنگرے کراچی، لاڑکانہ، لاہور اور فیصل آباد میں گرنے کے باوجود میاں طفیل محمد صاحب نے کہا ہے کہ

مسلک کے اختلافات اور تعصّبات سے بالاتر ہو کر رائے دہندگان نے اپنی آزادانہ رائے کا اظہار کیا ہے۔

اسمبلیوں کے انتخابات ایک خالص سیاسی عمل ہے۔اس کا بلاواسطہ مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔اس خالص سیاسی عمل میں مذہب کی آمیزش سے ملغوبہ تیار کرنا سعی لا حاصل ہے۔بارہا یہ دیکھا گیا ہے کہ شیعہ، سُنی اُمیدوار کو ووٹ دے رہے ہیں اور سنی ووٹر شیعہ اُمیدوار کو۔کیونکہ یہ انتخاب نماز میں امامت کے لئے نہیں بلکہ سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے تھانہ، تحصیل اور قومی سطح پر ووٹروں کے مسائل حل کرنے کے لئے ہوتے ہیں، شیعہ، سنی، دیوبندی، بریلوی اور اس قسم کے

اور فرقہ وارانہ نعرے بلند کرنے والے تو لازماً گھاٹے میں رہتے ہیں۔

فرقہ پرستوں کے رد کئے جانے کی دو تین واضح مثالیں حالیہ انتخابات میں سامنے آئی ہیں۔ قادیانی مرزائی کا نعرہ سُننے میں آیا۔ حالانکہ قادیانیوں کے ووٹ تھے نہ کوئی اُمیدوار اس لئے گھر بیٹھے مرزائیوں کو ہدف بنانے کی بظاہر کوئی وجہ نہ تھی۔ ہمارے راجہ صاحب کو تو ہر طرف مرزائی ہی مرزائی نظر آتے تھے۔ انہوں نے اپنی انتخابی مہم میں کئی بار یہ اظہار کیا کہ مرزائی اُن کو ہرانا چاہتے ہیں۔ اپنے مخالف اُمیدوار پر بھی مرزائی ہونے کا الزام لگایا۔ یہ دعویٰ بھی کیا کہ وہ شکست کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ عوام ان کے ساتھ ہیں۔ مگر ہوا وہی جس کا انہیں اندیشہ تھا۔ غلام دستگیر خاں صاحب نے کامیابی کے لئے قادیانیوں کے بارہ میں حالیہ صدارتی آرڈیننس کا سہرا اپنے اور راجہ ظفر الحق صاحب کے سر پر باندھا۔

صدر مملکت کی اپنی صوابدید پر ایک فیصلہ کو اپنی کوشش کا ثمرہ قرار دینا انتہائی پست قسم کی محسن کشی ہے۔ نتیجہ سب کے سامنے ہے۔

اب خاں صاحب کہتے ہیں۔ ان کے خلاف سازش کی گئی ہے۔ راجہ صاحب بھی دبی زبان سے انتظامیہ پر الزام دھرتے ہیں۔ مگر کھسیانی بلی کھمبہ نوچے۔

ان سے کم تو مرتبہ کے مگر مجلس شوریٰ کے رُکن ضلع جھنگ کے ایک اُمیدوار مہر دوست محمد لالی تھے۔ انہوں نے عوام کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے یہ نعرہ بلند کیا کہ

قادیانیوں سے گٹھ جوڑ کرنے والا نہ تو مسلمان ہو سکتا ہے اور نہ ہی قیامت کے روز اُسے شفاعت رسولؐ نصیب ہو سکتی ہے۔ مگر شکست مقدر میں لکھی گئی۔

صدر مملکت جب قوم کا سیاسی قبلہ دُرست کرنے کی بات کرتے ہیں ان کی مراد روائتی اجارہ دار اخلاق باختہ عناصر سے معاشرہ کو پاک کر کے صحت مند، خدا ترس، با کردار قیادت کو فروغ دینا ہے اور اس مقصد میں وہ کامیاب بھی نظر آتے ہیں۔ ان کے دوست، ساتھی اور ہمسفر بڑے بڑے بُرج جنہوں نے ان کے نصب العین سے ہٹ کر روایتی جاگیرداروں اور فرقہ پرستوں کی اجارہ داری کا

سہارا لیا۔ منہدم ہو گئے۔ اس لحاظ سے ہماری نئی نسل کا دیانت و امانت میں یہ بڑھتا ہوا شعور وجہ اطمینان ہے۔ قوت فیصلہ کے برملا اظہار کا یہ فکری رجحان ہر لحاظ سے صحت مند اور تعمیری ہے۔

یہ بُرج نہ صرف خود گرے بلکہ روس کی خبر رساں ایجنسی تاس کو یہ کہنے کا موقع بہم پہنچایا کہ ''عوام نے اسلام اور افغانستان سے متعلق فوجی حکومت کی پالیسیوں کو مسترد کر دیا ہے۔''

حالانکہ افغانستان کا تو سارے انتخاب میں کہیں ذکر ہی نہ تھا۔ اور اسلامی نظام کے حق میں تو عوام 19 دسمبر 1984ء کو ہی رائے دے چکے تھے۔ اللہ تبارک تعالیٰ صدر صاحب کو ایسے دوستوں سے بچائے۔

(لاہور 16 / مارچ 1985ء)

❁-❁-❁

3- فاصلوں اور کالجوں کے مسائل کا ایک کم قیمت بالانشیں حل

تھانہ چنیوٹ کو ضلع سرگودھا میں شامل کر دیا جائے

چنیوٹ کے ضلع بنائے جانے کی خبر وزیر اعلیٰ پنجاب کے حوالے سے شائع ہو چکی ہے کہ اس کا اعلان مولوی منظور احمد چنیوٹی کی یورپ سے واپسی پر اُن کی مدرسے کی کسی تقریب کے موقع پر کیا جائے گا۔ اُسی دن ایک خبر پنجاب کے ایک اور وزیر کے حوالے سے شائع ہوئی۔ کہ حافظ آباد کو ضلع کا درجہ دے دیا جائے گا۔ اگر حافظ آباد ضلع بن جائے۔ تو پنڈی بھٹیاں کو گوجرانوالہ سے الگ کر کے چنیوٹ میں شامل کرنے میں کوئی تُک نہیں۔

کسی ضلع کی حدود کو کم کرنا یا بڑھانا خالصتہً انتظامی معاملہ ہے اور حکومت سہولت کے لئے ایسے اقدامات کرتی رہتی ہے۔ متحدہ پنجاب کے کل 29 اضلاع تھے۔ مغربی پنجاب جو پاکستان میں آیا 17 اضلاع پر مشتمل تھا۔ اور اب 38 سال بعد غالباً پھر 29 ہو گئے ہیں۔

حکومت چاہے تو انتظامی سہولت کے لئے تمام تحصیلوں کو اضلاع کا درجہ دے دے۔ تھانوں

کو تحصیلیں اور ڈویژنوں کو صوبے بنا دے۔ بلکہ بعض سیاستدان تو اس نوع کے مطالبات کرتے بھی رہتے ہیں۔

اگر تو چنیوٹ کو ضلع بنانے کا فی الواقعہ فیصلہ ہو چکا ہے تو اب مختلف حلقہ ہائے فکر کے بیانات اور مراسلوں کی بظاہر کوئی ضرورت نہیں بلکہ اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ کمزور دلائل سے حکومت ہی اپنے فیصلہ پر نظر ثانی ضروری خیال کرے۔ مثلاً روزنامہ امروز (19 رجولائی) میں الیاس علی (چنیوٹ) کا ایک مراسلہ شائع ہوا ہے جس میں اس مطالبہ کی بنیاد مندرجہ ذیل دلائل پر رکھی گئی ہے۔

1- بعض ایسے شہروں کو ضلع کا درجہ دیا گیا ہے جن کی آبادی چنیوٹ سے کم ہے۔

2- چنیوٹ کو ضلع بنانے سے اس میں شامل کی جانے والی تحصیلوں کا فاصلہ ضلعی صدر مقام سے کم ہو جائے گا۔

3- چنیوٹ کو ضلع کا درجہ مل جانے سے انٹر کالج کو ڈگری کالج کا درجہ مل جائے گا۔ وغیرہ

کمزور اور بودے دلائل

بادی النظر میں ایک انتظامی فیصلے کے لئے یہ انتہائی کمزور اور بودے دلائل ہیں۔ چنیوٹ کی آبادی ایک لاکھ 10 ہزار بتائی گئی ہے۔ اگر اس سے کم آبادی کے شہروں کو ضلع کا درجہ دیا گیا ہے تو اس سے زیادہ آبادی کے بھی کئی شہر ہوں گے جن کو ایسا درجہ نہیں دیا گیا۔ اگر یہی معیار فیصلہ ہو تو چنیوٹ کو اس وقت تک انتظار کرنا چاہئے۔ جب تک اس سے زیادہ آبادی کے شہر ضلع نہیں بن جاتے۔

چنیوٹ کا فاصلہ موجودہ ضلعی صدر مقام جھنگ سے 85 کلومیٹر بتایا گیا ہے۔ ایک وہ وقت تھا کہ کاریں، بسیں، ویگنیں اور موٹر سائیکل نہیں ہوتے تھے۔ سڑکیں بھی پختہ نہ تھیں یہ فاصلہ بلکہ اس سے زیادہ فاصلہ (مثلاً پنڈی بھٹیاں سے گوجرانوالہ) لوگ پیدل۔ ٹمٹموں اور یکوں پر طے کیا کرتے تھے۔ افسران دورہ گھوڑوں پر کیا کرتے تھے۔ اس کے باوجود لوگ مطمئن تھے۔ تمام انتظامی امور احسن طور پر انجام پاتے تھے۔ چنیوٹ سے دو تین دن میں پیدل پہنچنے والا اب ڈیڑھ گھنٹے میں وہاں پہنچ جاتا ہے۔ شکر گڑھ سے ضلعی صدر مقام سیالکوٹ کا فاصلہ 85 کلومیٹر سے زیادہ ہے۔

دلیل میں کیا وزن رہ جاتا ہے؟

بے جوڑسی بات

جہاں تک چنیوٹ کو ضلعی درجہ ملنے سے انٹر کالج کے ڈگری ہو جانے کا سوال ہے تو یہ بھی بالکل بے جوڑسی بات ہے۔ پاکستان کے قیام سے پہلے ہی سرگودھا ضلعی صدر مقام تھا۔ وہاں کوئی کالج نہ تھا نہ مردانہ نہ زنانہ۔ گوشاہ پور میں ڈگری کالج تھا۔ نارووال، ڈسکہ، سیالکوٹ کی اہم تحصیلیں تھیں اُن میں کوئی گورنمنٹ کالج نہ تھا (انٹر یا ڈگری) کئی ضلعی صدر مقام ایسے تھے جہاں کالج نہیں تھے۔ چنیوٹ والے دور کیوں جاتے ہیں۔ اُن کے قریب دریائے چناب کے پار ربوہ میں جہاں دس سال پہلے تھانہ نہ تھانہ سب تحصیل۔ تیس سال سے زنانہ اور مردانہ ڈگری کالج ہیں۔ عربی میں ایم اے اور فزکس میں ایم ایس سی کلاسز بھی تھیں۔ شاید اب بھی ہوں۔ چنیوٹ بڑے بڑے تاجروں کا گڑھ ہے۔ اردگرد بڑے بڑے زمیندار بستے ہیں۔ اُن کی تعلیم کی طرف توجہ نہیں گئی۔ ورنہ کالج چلانا ان کے لئے کوئی بڑی بات نہ تھی۔ اور اب بھی محض کالج کے لئے ضلعی صدر مقام بنائے جانے کا مطالبہ قطعاً کوئی وزن نہیں رکھتا۔

نیا ضلع کروڑوں روپے کے اخراجات چاہتا ہے ہمارا پہلے ہی بیرونی دنیا کی امداد پر انحصار ہے۔ ہمارا کشکول کبھی خالی نہیں رہا مگر۔

قرض کے پیتے تھے مَے اور جی میں کہتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

مسائل کا حل

کیا کالجوں اور فاصلوں کا یہ حل قابل عمل نہیں کہ ضلع سرگودھا کی حد کو دریائے چناب کے مغربی کنارے تک اس طرح بڑھا دیا جائے کہ تھانہ لالیاں اور بڑانہ شامل ہو جائیں۔ تھانہ چنیوٹ کو ضلع فیصل آباد میں شامل کر دیا جائے۔

ضلعی صدر مقام سے فاصلے بھی کم ہو جائیں گے کالجوں کی سہولت بھی میسر ہوگی اور کروڑوں

روپے کے اخراجات بھی حکومت کو برداشت نہیں کرنے پڑیں گے۔

مجھے اپنے بچپن کا یاد ہے سائیکل نئے نئے دیہات میں آئے تھے۔ ایک دن ہم پرائمری سکول میں پڑھ رہے تھے ایک آدمی سائیکل پر گزرا جس نے کیریئر پر چارہ رکھا ہوا تھا۔ ہمارے استاد ایک شاہ صاحب تھے۔ انہوں نے پہلے تو دو چار گالیاں سائیکل کے غلط استعمال پر سوار کو دیں اور پھر کہنے لگا کہ اگر یہی حال رہا تو یاد رکھنا ایک وقت آئے گا۔ جب لوگ اپنے گھر سے صحنوں میں بیٹھے ہوئے گھر کے اندر ٹٹی میں بھی سائیکل پر سوار ہو کر جایا کریں گے۔

آج کل ضلعوں کے قیام کا مطالبہ بھی کچھ یہی رنگ رکھتا ہے۔

(لاہور 10 / اگست 1985ء)

4- نقد ضمانت جمع کرانے کی تجویز

مدیر محترم ہفت روزہ لاہور۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ایک خبر کے مطابقضمانت پر رہا ملزموں کا فرار روکنے کے لئے مقدمات میں ضمانت کے طریق میں تبدیلی حکومت کے زیر غور ہے۔ اس بات کا امکان ہے کہ آئندہ ضمانت نقد لی جائے گی اور بینک میں جمع کرانا ہوگی۔

(امروزہ 5 / اگست)

اگر یہ تجویز کسی خاص طبقہ کو ''ضمانت'' کی جائز رعایت سے محروم رکھنے کے لئے نہیں تو یقینا غور کرنے والوں کے نزدیک اس میں کوئی وزن بھی ہوگا۔ لیکن یہ حقیقت بھی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونی چاہئے کہ ایسا اقدام اسلامی نظام عدل وانصاف میں جلد اور سستا انصاف مہیا کرنے کے دعووں اور اس کے تقاضوں کے سراسر خلاف ہے۔

ایک طرف کہا جاتا ہے کہ وکلاء کا محنتانہ کمر توڑ ہے مگر دوسری طرف ریڑھ کی ہڈی توڑ کر ''فرار'' کی پیش بندی کی جا رہی ہے۔ جو لوگ عدالتی کارروائی میں اُٹھنے والے اخراجات سے

نالاں ہیں ان سے پندرہ بیس ہزار روپیہ نقد جمع کروانے سے انصاف سستا اور سہل کیسے ہو جائے گا؟ ہاں ایک صورت ہے کہ زر ضمانت پندرہ بیس روپے سے زیادہ نہ ہو۔

میرے خیال میں اس معاملہ میں جلد بازی مفاد عامہ میں نہ ہو گی۔ ایک بیماری کا علاج دوسری پر منتج ہوگا۔ ضامن ہی نہیں ملا کریں گے اور ہماری جیلوں میں تو پہلے ہی جگہ نہیں ہے۔

(لاہور 30/اگست 1986ء)

❁-❁-❁

5- ایں کار از تو آید۔۔

مکرم ایڈیٹر صاحب ہفتہ وار ''لاہور'' السلام علیکم!

سمبڑیال میں ختم نبوت کے جلسہ میں ایک قرارداد کے ذریعہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ قادیانیوں کے گھروں سے چوبیس گھنٹہ کے اندر اندر کلمہ طیبہ مٹایا جائے۔ ورنہ ختم نبوت کے کارکن خود حملہ کر کے زبردستی کلمہ طیبہ مٹا دیں گے۔

(جنگ 15/مارچ ص 1)

یہ قرارداد پڑھ کر دل نے کہا۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

حملہ!؟ کِس غرض کے لئے؟ کلمہ طیبہ مٹانے کے لئے!!! العیاذ باللہ!!!

اگر حملہ اسرائیل کو صفحہ ہستی سے نابود کرنے کے لئے ہوتا یا کشمیر کے پاکستان کے ساتھ الحاق کے لئے ہوتا تو ہمارے سر فخر سے بلند ہوتے مگر ہمارے علماء کرام نے اسرائیل، بیت المقدس، کشمیر کے لئے اپنا حق صرف پانچ منٹ کی خاموشی اور قراردادوں تک محفوظ رکھا ہوا ہے۔ مگر جذبہ جہاد کلمہ طیبہ لکھنے اور پڑھانے کے لئے نہیں بلکہ مٹانے کے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ اس سے ارفع و اعلیٰ مقصد اور کیا ہوسکتا ہے۔

ایک طرف پاکستان کا مطلب کیا؟ لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ کا فلک شگاف نعرہ اور دوسری طرف اس

کلمہ کومٹانے کا عزم صمیم! کوئی کس نیت سے کلمہ طیبہ پڑھتا یا لکھتا ہے۔اس کا فیصلہ تو خالق و مالک حقیقی کے پاس ہوگا۔ایک کلمہ طیبہ پڑھنے والے کے قتل پر ہی تو اللہ تعالیٰ کے محبوب اصدقِ الصادقین نے فرمایا تھا۔ھَلْ شَقَقْتَ قَلْبَہٗ‘‘

(لاہور 26 / اپریل 1986ء)

۞-۞-۞

6- سوچنے کی بات

مکرم ایڈیٹر صاحب! السلام علیکم!

جناب ارشاد احمد حقانی پاکستان کے واحد صحافی ہیں جن کو حال ہی میں شاہ فیصل فاؤنڈیشن کی سالانہ تقریب انعامات میں شرکت کے لئے سعودی عرب جانے کی دعوت دی گئی تھی۔انہوں نے اپنے کالم ’’سعودی عرب میں دس روز‘‘ (جنگ 25 / مارچ) میں لکھا ہے۔

فاؤنڈیشن ہر سال پانچ شعبوں میں نمایاں خدمات سرانجام دینے والوں کو انعامات دیتی ہے۔اوران میں مسلم یا غیر مسلم کی تمیز نہیں۔ پانچ میدان یہ ہیں۔

1- خدمت اسلام- 2 علوم اسلامی کی خدمت اور ترویج- 3 عربی لٹریچر اور زبان 4۔سائنس۔-5 میڈیسن۔

اسلام اور عربی زبان کے حوالہ سے بعض غیر مسلم مستشرقین نے قرآن مجید اور احادیث کے تراجم اور لغت اور تاریخ پر مستند تحقیقی کتب لکھ کر بڑی خدمت کی ہے اور اب بھی کر رہے ہیں۔ یہ کتب سند کا درجہ رکھتی ہیں۔ پاکستان میں ہمارے علماء جس طرح اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں اس کے پیش نظر تو غیر مسلموں کے لئے اسلامی علوم کی تحصیل بلکہ اسلامی کتب کو ہاتھ لگانا بھی ناجائز ہے۔وہ اسلامی عقائد کے بارہ میں اپنی پسندیدگی بھی ظاہر نہیں کر سکتے۔

اور ادھر محافظین حرمین شریفین علوم اسلامیہ کے ماہر غیر مسلموں کی عزت افزائی فرمارہے ہیں۔کیا ہمارے علماء کے لئے یہ سوچنے کی بات نہیں؟

(لاہور 16 / اپریل 1986ء)

7- صراط مستقیم سے ہٹانے کی اختراع

مکرم ایڈیٹر صاحب! سلام مسنون!

قادیانیوں کو اسلامی نام رکھنے سے روکنے کا مطالبہ پڑھ کر قرآن حکیم کی یہ آیت یاد آ گئی

لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ لَّاتَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی۔ کہ کسی قوم کی دُشمنی تمہیں ناانصافی پر آمادہ نہ کرے، بلکہ انصاف سے کام لو۔ کیونکہ یہ تقویٰ کے بہت ہی قریب ہے۔

قادیانیوں سے اختلاف تو محض عقائد کا ہے۔ جواب ناموں کی حدود کو چھو رہا ہے۔ اسلامی نام کی اصطلاح بھی کسی زرخیز دماغ کی صراط مستقیم سے ہٹانے والی اختراع ہے۔ آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ اسماعیلؑ۔ اسحاقؑ۔ یعقوبؑ۔ یوسفؑ۔ صالحؑ۔ ایوبؑ۔ موسیٰؑ۔ ہارونؑ۔ شعیبؑ۔ داؤدؑ۔ سلیمانؑ۔ الیاسؑ۔ یونسؑ۔ ادریسؑ۔ یحییٰؑ۔ عیسیٰؑ اور محمدؐ تو ظہور اسلام سے قبل کے نام ہیں۔ اسی طرح مطلبؓ۔ طالبؓ۔ عبداللہؓ۔ عبدالرحمانؓ۔ طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ سعدؓ۔ وقاصؓ وغیرہ۔ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دعویٰ نبوت سے پہلے رائج تھے۔

اور اب بھی ان میں سے بہت سے نام عرب عیسائی رکھتے ہیں۔ غیر مسلموں کے لئے ان کا اختیار کرنا کس طرح ممنوع ہو گیا؟

اور پھر مسلمانوں نے جو بہت سے اسرائیلی اور ایرانی نام اپنائے ہیں۔ یہ حق کہاں سے مل گیا؟ قرآن کریم کا واضح حکم ہے۔ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ یعنی جو نام رکھا گیا ہے اسے بگاڑا نہ جائے۔ اس مطالبہ کا کوئی پیندانہیں۔ اگر مطالبہ یہ ہوتا کہ قادیانی اپنا نام ہی نہ رکھیں تو اس میں وزن ہوتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلمنے مسلمان کی یہ تعریف بھی فرمائی ہے کہ اس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں۔

اگر قادیانیوں کا عمل اس کے مطابق ہو تو پھر یہ مطالبہ بھی کرنا ہوگا۔ کہ وہ ضرور لوگوں کے سر پھوڑیں۔

اگر یہ ''بادنسیم''۔ ہمسایہ ملک بھارت میں چلی گئی تو ممکن ہے وہاں بارہ کروڑ مسلمانوں کے نام، تبدیل کرنے پرغور کیا جائے۔قادیانی توسرکاری مردم شماری کے مطابق ایک لاکھ ہیں۔

قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند

پاکستان ٹیلی وژن پر نو بجے کے خبرنامے سے پہلے سکرین پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ لکھی دکھائی جاتی ہے۔کل یہ حدیث درج تھی۔''اگر کسی نے اقرار کیا کہ اللہ اُس کا رب ہے پھر آخری دم تک اس پر قائم رہا تو اللہ ضرور اُس کو جنت میں داخل کرے گا۔'' چند دن پہلے یہ تھی۔''جب بچوں کو بولنا سکھاؤ تو پہلے لَااِلٰهَ اِلاّاللّٰه پڑھاؤ اور موت سے پہلے آخری کلمہ بھی زبان پر یہی ہو۔''

اگر قادیانیوں کے نام بدل بھی دیئے جائیں مگر پیغمبر اسلام اصدقُ الصادقین کے ارشادات پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اُنہیں جنت میں داخل کر رہا ہوگا تو ہمارے علماء کیا روک کھڑی کریں گے؟

(لاہور 15/مارچ 1986ء)

۞-۞-۞

8- توجہ طلب

مکرم ایڈیٹر صاحب ہفتہ وار لاہور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

ملک غلام نبی صاحب نے ''کبھی نہ بھولیں گے حشر تک ہم'' کے عنوان سے جناب مسعود کھدر پوش مرحوم کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے مرحوم کے طالب علمی کے زمانے کے مذہبی اور سیاسی حالات کا ذکر کر کے لکھا ہے۔

''مسلمانوں کے ہاں بھی بہت سے فتنوں نے جنم لے رکھا تھا۔ دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث، چکڑالوی، احمدی اور بہت سی بدعتوں نے شدت اختیار کر رکھی تھی۔ان تمام سرگرمیوں میں مسعود کا آرام سے بیٹھنا محال اور ناممکن ہوتا تھا۔

(نوائے وقت، 21/جنوری)

اگر دیو بندی، بریلوی، اہل حدیث، چکڑالوی، احمدی سب فتنے ہی ہیں تو سب فتنے مل کر صرف ایک ''احمدی'' فتنے کی طرف مائل بہ کرم کیوں ہیں؟ اب علماء کو کسی اور طرف بھی توجہ کرنی چاہئے۔

ورنہ احمدیوں کو یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ ان کے خلاف سب کا اتحاد اُن کی صداقت کی دلیل ہے اور وہ شاید اس موقف کی تائید میں کوئی حدیث بھی نکال لیں۔

(لاہور 22رفروری 1986ء)

۞-۞-۞

9- اَے اہل دیں!

مکرم ایڈیٹر صاحب ہفت روزہ ''لاہور'' السلام علیکم!

ہمارے علماء کرام ایک لاکھ چار ہزار احمدیوں کو ہوا بنا کر ساری قوم کو پست ہمتی کا سبق دے رہے ہیں۔ تحفظ ختم نبوت کے نام پر ہر روز ان کے خلاف کوئی نیا مطالبہ پیش کر دیا جاتا ہے۔ جو اکثر نبوت کے تحفظ سے زیادہ انتظامی فیصلوں میں اس طرح مداخلت ہوتی ہے کہ انتظامیہ کا بے بس ہونا ظاہر ہو مثلاً آج کل محکمہ تعلیم میں ایک احمدی میاں افضل کی 37 سالہ سروس ریکارڈ کے پیش نظر کسی ذمہ داری کی آسامی پر تقرری زیر بحث ہے۔ وفاقی وزیر تعلیم کے وضاحتی بیان سے عام مسلمان تو مطمئن ہیں۔ مگر ہمارے وہ علماء جنہوں نے سیاست کو ہی اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔ اور اپنی دکان چمکانے کے لئے احمدیوں کو لیور کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ وفاقی وزیر تعلیم کے بیان کے بعد بھی مطمئن نہیں اور اس تقرری سے اسلام کو خطرہ میں محسوس کرتے ہیں۔ میں ان سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ خلافت خالصتہً اسلامی نظام حیات ہے۔

کیا ہمارے جفادری علماء کرام نے ایک کٹر ہندو ابن ہندو ابن ہندو موہن داس کرم چند گاندھی کو ''خلافت موومنٹ'' کا سربراہ بنائے جانے پر صدائے احتجاج بلند کی تھی؟ یا اس دوران ان کے سامنے زانوئے ادب جھکاتے رہے اور اسی مشرک کے احکامات پر متاع عزیز کی قربانی

بجالانے کو جنت کا قریب ترین راستہ قرار دیتے تھے؟

اگر یہ واقعہ ہے تو ایک احمدی کے الف۔ بآ۔ تآ۔ پڑھانے سے اسلام کو کیا خطرہ لاحق ہے؟ فَاعْتَبِرُوْا یَااُوْلِی الْاَبْصَار۔

خدا کے لئے اپنی ذاتی اغراض کی خاطر اسلام کی شکل عمل اور عقیدہ کے لحاظ سے مسخ کرنے کا مشغلہ ترک کردیں۔ اے اہل دیں! اسلام کی تعبیر کے بارے میں یکسوئی پیدا کریں۔ اسلام کا یہ نقشہ پیش کر کے باہر کی دُنیا کو اپنے اوپر ہنسنے کا موقع تو فراہم نہ کریں۔ اسلام دین فطرت ہے اور قیامت تک باقی رہنے والا آفاقی دین۔ ہوس اقتدار میں اس کا حسین وجمیل چہرہ داغدار نہ کریں۔

ایک وقت تھا کہ دین اسلام کی پہچان مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا اصدق الصادقین نے اپنی زبان مبارک سے اپنے جانثاروں کو بتائی مگر مرور زمانہ سے آج مسلمانوں کی کسی دینی تنظیم کے جلسہ یا کانفرنس کی کارروائی اخباروں میں پڑھنے سے اس میں قرآن وحدیث کی تو کوئی بات نظر نہیں آتی۔ ایک فرقہ کے متعلق مطالبات کی نہ ختم ہونے والی فہرست ہوتی ہے کہ مسلمان نہ کہلائیں۔ کلمہ نہ پڑھیں۔ اذان نہ دیں۔ مسجد کو مسجد نہ کہیں۔ مساجد کا رخ تبدیل کریں۔ مساجد کی پیشانیوں سے کلمہ مٹادیں۔ انہیں کوئی کلیدی آسامی نہ دی جائے۔ اگر کوئی ایسی آسامی پر ہے تو اُس کو الگ کیا جائے۔ ربوہ کی اراضی جو حکومت وقت نے ان کے پاس فروخت کی تھی۔ اس کا معاہدہ منسوخ کیا جائے۔ تعلیمی ادارے جو انہوں نے خود قائم کئے تھے۔ اور جن میں اب بھی ان کے بچوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ان میں کوئی احمدی اُستاد نہ لگایا جائے۔ علیٰ ہذا القیاس

گویا اب یہ اسلام کی پہچان رہ گئی ہے اور مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا . . . کی عملی تفسیر۔

کیا یہ سارا واویلا اُطْلُبُو الْعِلْمَ وَلَوْکَانَ بِالصِّیْن کے خلاف تو نہیں۔ اس ارشاد کے وقت تو شاید چین میں مسلمان تھے ہی نہیں کیا ہم کَلِمَةُ الْحِکْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ حَیْثُ مَاوَجَدَھَا فَھُوَاَحَقُّ بِھَا کی خلاف ورزی تو نہیں کر رہے؟ کیا اس میں صرف مسلمانوں سے

تعلیم حاصل کرنے کی تلقین ہے؟ اگر ہے تو کون سے مسلمانوں سے؟ شیعہ۔سُنی ۔ دیوبندی۔ بریلوی۔چکڑالوی ۔اہل حدیث۔اثنا عشری۔اسماعیلی ۔خوجے۔بوہرہ۔ یا آغا خانی ؟ علماء کرام اپنی اولادوں کو تو اعلیٰ تعلیم کے حصول کی خاطر مغرب میں غیر مسلموں سے پڑھنے کے لئے بھیج کر فخر محسوس کرتے ہیں مگر یہاں پاکستان میں ہمیں سرکار دو جہاں کا نافرمان یہ کہہ کر بناتے ہیں کہ حکمت ودانائی کی بات بیان کرنے والا چونکہ احمدی ہے اس لئے قبول نہ کرو۔ اَلْعَیَاذُ بِاللّٰہِ

تاریخ اسلام کا وہ ورق بھی یاد رکھنا چاہئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے کافر قیدیوں سے اس شرط کے ساتھ رہائی کا وعدہ دیا تھا کہ وہ دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں وَلَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ

شکایت ہے مجھے یا رب! خداوندان مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا!

(لاہور 15رفروری 1986ء)

❁-❁-❁

10-اختلاف رائے پر جوتوں کی سزا

مکرم ایڈیٹر صاحب ''لاہور'' لاہور، السلام علیکم!

صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کی طرف یہ الفاظ منسوب کئے گئے ہیں۔

''اسلام کے خلاف بات کرنے والے کو لوگ سر عام جوتیاں ماریں گے۔'' (جنگ 4رجنوری)

صدر ضیاء اسلام سے محبت اور اس کے لئے غیرت رکھتے ہیں۔اور اسلامی نظام کے نفاذ کا شغف ان کا مقصد حیات ہے، اس لئے دل نہیں مانتا کہ انہوں نے یہ الفاظ کہے ہوں کسی غیر اسلامی مملکت کے سربراہ کو بھی ایسے الفاظ زیب نہیں دیتے کیونکہ اس سے ملک سے امن وامان اُٹھ جاتا ہے۔

اختلاف رائے کو برداشت کرنے کی بجائے تشدد اور قانون کو ہاتھ میں لینے کی ترغیب ملتی ہے۔اور عوام اس کو سربراہ مملکت کی طرف سے کھلی چھٹی قرار دے کر ملک کی اساس پر ہی تبر

چلانے سے دریغ نہیں کریں گے۔ کجا یہ کہ اسلامی مملکت کے سربراہ کی طرف ایسے الفاظ منسوب ہوں۔ دُکھ یہ ہے کہ چار پانچ دن گزر جانے کے باوجود ابھی کسی طرف سے تردید نہیں کی گئی۔

اسلام امن وسلامتی کا دین ہے۔ ہادی اسلام چرند پرند جمیع کائنات کے لئے رحمت تھے۔ اور ہیں۔ آپؐ رحمت للعالمین ٹھہرے۔ پیار محبت اور اخوت کا پیغام دیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایک معاہدہ کے وقت الفاظ ''رسول اللہ''۔ حذف کئے جانے پر اصرار کرنے والے کو نہ جوتیاں ماری تھیں نہ مروائی تھیں۔ حالانکہ موقع بھی تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رسول خدا ہوتے ہوئے ''رسول اللہ'' کے الفاظ حذف کروا دیئے۔ جہاں بھی حضورؐ رہے کفار، نصارٰی اور یہود ساتھ ساتھ موجود رہے۔ وہ اسلام کے حق میں تو باتیں نہ کرتے تھے۔ مگر تاریخ اسلام میں یا حدیث سے ایک واقعہ بھی ثابت نہیں کہ۔ آنحضورؐ نے ان کو جوتیاں مروائی ہوں۔ تحفظ ضرور دیا۔

میدان جنگ میں محاذ آرائی الگ بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ (آل عمران:160) کہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی رحمت کی وجہ سے ان کے لئے نرم واقع ہوا ہے اور اگر تو بداخلاق اور سخت دل ہوتا تو یہ لوگ تیرے گرد سے تتر بتر ہوتے۔

اسلام کے فدائیوں، شیدائیوں اور غلاموں کو اختلاف رائے پر جوتے مارنے مروانے کی بات کر کے معاشرے کو تتر بتر کرنا کس طرح زیب دیتا ہے۔

(لاہور 25 /جنوری 1986ء)

❁-❁-❁

11- نہ کریں گے نہ کرنے دیں گے

مکرم ثاقب صاحب۔ السلام علیکم!

لاہور کے شمارہ نمبر 42 میں عبدالجبار صاحب جھنگ کا خط ''نہ کریں گے نہ کرنے دیں گے'' پڑھ کر میرا ذہن بارہ سال پہلے کی طرف چلا گیا۔ شاید آپ کو بھی یاد ہو جماعت احمدیہ کے

امام جناب مرزا ناصر احمد صاحب 1970ء میں اپنے دورہ مغربی افریقہ اور یورپ سے واپس آئے تو انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ پاکستان میں تمام اسلامی فرقے اپنے اختلافی عقائد قائم رکھتے ہوئے بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام کے لئے کم از کم دس سال کے لئے اکٹھے ہو جائیں اور بیرون پاکستان اپنے اختلاف میں تشدد کا اظہار نہ کریں۔

مگر یہ آپ کی اپیل صدا بصحرا ثابت ہوئی۔

انہوں نے اس کے دس سال بعد 1980ء میں سپین میں ایک (بیت الذکر) کی بنیاد رکھ دی جس کا افتتاح پچھلے ماہ جماعت احمدیہ کے چوتھے امام جناب مرزا طاہر احمد صاحب نے فرمایا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر 1970ء میں جناب مرزا ناصر احمد صاحب کی اپیل پر تمام فرقے متحد ہو جاتے تو اب تک بے شمار مساجد بن گئی ہوتیں اور فرید احمد پراچہ صاحب کو بھی انگلستان میں مساجد کی تالہ بندی کی شکایت نہ ہوتی۔ مگر اس بات کا کیا علاج کہ دین ملا فی سبیل اللہ فساد

(لاہور 14 ر نومبر 1982ء)

۞-۞-۞

12- معنی خیز تبصرہ

مدیر محترم۔ سلام مسنون!

پنجاب کے ایک صوبائی وزیر باتدبیر نے ''بے نظیر بھٹو'' کے کسی قادیانی نواز بیان کی مذمت کرتے ہوئے پی پی پی کے مسلمان ورکروں کو اس وجہ سے پارٹی چھوڑ کر اپنے لیڈر کا محاسبہ کرنے کے لئے انگیخت کیا ہے۔ (جنگ یکم راگست 1986ء)

یہ بڑا اچھا اور برمحل مطالبہ ہے۔ مگر ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ 1974ء سے پہلے بھی قادیانی ہمارے علماء کے نزدیک اسی طرح کافر تھے جس طرح دوسرے اسلامی فرقے ایک دوسرے کے نزدیک آج بھی ہیں۔ ستمبر 1974ء میں اگر کوئی نئی بات ہوئی تھی تو وہ محض یہ کہ مولویوں کے ان فتوؤں کی تصدیق اسمبلی کے ایسے ممبروں نے بھی کر دی جن کے متعلق اسلام کی

علمبردار موجودہ حکومت نے قرطاس ابیض شائع کر کے ان کو گھر کا چھوڑا تھا نہ گھاٹ کا

حالانکہ ان کا یہی ایک کارنامہ سب گناہوں کا کفارہ ہوسکتا تھا اور ان کی جگہ ہمارے سر آنکھوں پر ہونی چاہئے تھی۔ مگر وائے حسرت ایسا نہ ہوا۔

محاسبہ ہونا چاہئے اور ضرور ہونا چاہئے۔ مگر اس خبر پر ایک احمدی کا تبصرہ بڑا معنی خیز تھا کہ

قطع نظر اس کے کہ بے نظیر بھٹو کی طرف منسوب کردہ بیان اُس کا ہے یا نہیں (سیاسی میدان کارزار میں عوام کا ردعمل معلوم کرنے کے لئے ایسے غلط سلط بیان حریفوں کے نام منسوب کرنا سیاسی لوگوں کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے۔)

قادیانی چونکہ علماء کے نزدیک 1974ء سے پہلے بھی مسلمان نہ تھے۔ جو لوگ اس زمانہ میں ایسے ووٹوں کے حصول کے لئے قادیانی دروازہ کھٹکھٹایا کرتے تھے ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور کیا ان کا محاسبہ ہونا چاہئے کہ نہیں؟ اور ان میں سے اگر کوئی اس جہاں میں نہ ہوں تو ان کے محاسبہ کی کیا صورت ہوگی؟ کیا ضلع گجرات کے احمدی یہ گلہ تو نہیں کریں گے۔

وہ تجدید وفا تو کر رہا تھا!
مگر اس شخص کی حالت عجب تھی

اور وزیر موصوف تنہائی کے لمحات میں دُعا کرتے ہوں گے۔

یاد ماضی عذاب ہے یا رب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا!

تلافی مافات کی صورت بڑی آسان ہے۔

اے عدم سب گناہ کر لیکن
دوستوں سے ریا کی بات نہ کر

(لاہور 23/اگست 1986ء)

❁-❁-❁

13- دودن کا فرق کیوں؟

مکرمی۔سلام مسنون!

ہلال رمضان کے اعلان میں تاخیر سے بعض حلقوں نے جس تشویش کا اظہار کیا تھا۔وہ دور کرنے کے لئے جناب جسٹس پیر محمد اکرم شاہ صاحب ''صدر رؤیت ہلال کمیٹی'' نے اپنی ذمہ داری ادا کرنے کے طریق کار پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ (امروز 7رجون)

جتنی اہم کوئی ذمہ داری ہوگی۔اُتنی ہی زیادہ احتیاط لازم ہوگی اور قومی یک جہتی کی طرف یہ ایک قدم ہے۔اس کے باوجود پاکستان میں عموماً دوعیدیں منائی جاتی ہیں۔سرحد کے بعض علاقوں میں رمضان بھی پہلے شروع ہوجاتا ہے۔اورعید بھی رؤیت ہلال کمیٹی کے اعلان سے ایک دن پہلے ہی منالی جاتی ہے۔ پہلے منانے والوں کی مشکل کہ رمضان پہلے شروع کرنے کی وجہ سے وہ تیس روزے پورے کر چکے ہوتے ہیں۔اکتیسویں دن وہ روزہ رکھیں یا عید منائیں۔تیس سے زیادہ رمضان کے روزے ہوتے نہیں۔اس لئے عید منانی پڑتی ہے۔

مگر دوملکوں کی عید میں دودن کے فرق کی سمجھ نہیں آتی۔اطلاعات کے مطابق سعودی عرب، مصر،شام،عراق،اردن اور متحدہ عرب امارات میں عید 7 جون کو منائی گئی۔یعنی پاکستان سے دو دن پہلے۔بحرین اورامریکہ میں 8 جون کو۔پاکستان سے ایک دن پہلے(امروز 9رجون) حالانکہ جغرافیائی لحاظ سے سعودی عرب،مصر،شام،عراق،اردن اور متحدہ عرب امارات اور پاکستان کے وقت میں جوفرق ہے اُس سے شاید ایک دن کا فرق پڑنا چاہئے نہ کہ دودن کا اور پھر شرق الاوسط کے اتنے مما لک میں سے بحرین کس طرح الگ ہوکر امریکہ کے ساتھ جاملا؟

کیا کوئی ایسی صورت نہیں ہوسکتی کہ ساری دنیا میں سوائے وقت کے استثناء کے ایک ہی دن عید منائی جائے؟ یہ اسلامی اتحاد کی علامت ہوگی۔رؤیت ہلال کمیٹی کی افادیت اپنی جگہ لیکن اگر سائنسی تحقیقات سے فائدہ اٹھایا جائے تو ہلال کے تعین میں عمومی فرق ہوسکتا ہے جو ارشاد نبویؐ سے بھی متصادم نہ ہوگا۔جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب نے اپنے فیصلہ کی تائید میں سائنسی تحقیقات پر بھی

انحصار تو کیا ہے، اس لئے یہ یکسر نظر انداز کرنے والی کوئی شے نہیں بلکہ انسان کو اپنی خدمت کے لئے اِسے استعمال کرنا چاہیئے۔

(لاہور 28/جون 1986ء)

۞-۞-۞

14- جھوٹ ضرب جھوٹ

محترم ومکرم ثاقب صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

آپ نے اپنے 22/اگست کے اداریئے بعنوان ''جھوٹ ضرب جھوٹ'' میں صائب الرائے سیاسی مبصروں کی اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ جنوبی افریقہ میں ''اسلامک سنٹر کیس'' کی وکالت کا سارا افسانہ اس امر کو چھپانے کے لئے گھڑا گیا ہے کہ مسٹر یحییٰ بختیار اور مولوی احترام الحق تھانوی کو غالباً ''الذوالفقار'' کے ناظم اعلیٰ نے مشاورت کے لئے بُلا بھیجا ہے۔

مگر ''امروز'' 23/اگست 1982ء میں مجلس احرار کے سیکرٹری جنرل چودھری ثناء اللہ بھٹہ نے مولوی منظور چنیوٹی کے اس مطالبہ کی تائید کرتے ہوئے یہ جو کہا ہے کہ اس مقدمہ کی پیروی۔ حکومت پاکستان کو کرنی چاہیئے۔ اُس سے تو آپ کی اپنی اس رائے کی تائید ہوتی ہے کہ یہ سارا ڈرامہ اہل پاکستان سے خدمت اسلام کے نام پر چندہ بٹورنے کے لئے رچایا گیا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولوی منظور چنیوٹی نے یہ محسوس کیا کہ مولوی احترام الحق تھانوی سونے کا انڈہ دینے والی اس مرغی کے حصول کے لئے میدان میں پہلے اُتر آئے ہیں۔ اور شاید اب یہ مرغی چنیوٹی صاحب کے ہاتھ میں نہ آئے۔ انہوں نے یہ مطالبہ کر دیا ہے کہ حکومت پاکستان اس مقدمہ کی پیروی کرے تاکہ۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

(لاہور 5/ستمبر 1982ء)

۞-۞-۞

15- علماء کا الٹی میٹم

مکرم ایڈیٹر صاحب ہفتہ وار ''لاہور'' لاہور۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

شاید آپ کی نظروں سے بھی یہ خبر گزری ہو۔ پچھلے دنوں کوئٹہ میں ''مجلس ختم نبوت پاکستان'' کے قائدین نے ایک مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

اب زوال قادیانیوں کا مقدر بن گیا ہے اگر ہمارے مطالبات تسلیم نہ ہوئے تو ہم تحریک چلائیں گے۔ چاہے اس میں دس پندرہ ہزار مسلمان شہید ہو جائیں۔ حضورؐ کی عظمت کے لئے یہ سودا سستا ہے۔ (جنگ 6/اکتوبر 1985ء)

اگر فی الواقعہ اللہ تعالیٰ نے علماء کو قادیانیوں کے زوال کی خبر دے دی ہے تو پھر یہ پندرہ ہزار مسلمانوں کی قربانی کے کیا معنی ہے اور وہ بھی 94.95% فیصد مسلمان آبادی والے ملک میں؟

قُلْ مَنْ ذَالَّذِیْ یَعْصِمُکُمْ مِنَ اللّٰہِ اِنْ اَرَادَبِکُمْ سُوْٓءً اَوْاَرَادَبِکُمْ رَحْمَۃً

یعنی تو کہہ دے اگر وہ تمہیں ہلاک کرنا چاہے تو کون ہے جو تم کو اللہ کی گرفت سے بچا سکتا ہے۔ اور اگر وہ تم پر رحم کرنا چاہے تو کوئی نہیں جو اس سے تمہیں محروم کر سکے۔

خدائی مقدرات کی تکمیل کے لئے انسانی مدد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ پریس کانفرنس میں علماء نے پاکستان میں قادیانیوں کی تعداد ایک لاکھ پانچ ہزار سے بھی کم بتائی ہے۔ اتنی قلیل تعداد کو ختم کرنے کے لئے پندرہ ہزار مسلمانوں کی قربانی دینا کس منطق سے سستا سودا ہے؟ اسلام نے تو حق کی اشاعت کے لئے ''موعظہ حسنہ'' افہام و تفہیم اور انکسار کی تعلیم دی ہے۔

احمدی اس ملک میں کہیں باہر سے نہیں آئے۔ برصغیر پاک و ہند میں ایک سو سال سے بس رہے ہیں۔ جناب مرزا غلام احمد کے مقابلہ میں ہمارے بڑے جید علماء جناب ابوسعید مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے علاوہ جناب مولوی ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری تھے۔ جو ہماری طرح خوفزدہ نہ تھے۔ نہ ہی حکومت کو مخاطب کر کے ''دوڑیو۔ پکڑیو۔ بچائیو'' کی فریاد کرتے تھے۔ میدان مناظرہ

میں احمدیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے گھبرانے کا کیا سوال وہ تو شیر کی طرح للکارتے تھے اور ان کی مساعی ہی کا نتیجہ ہے کہ آج سو سال بعد بھی احمدیوں کی تعداد سرکاری اعداد و شمار کے لحاظ سے پاکستان کی آٹھ ساڑھے آٹھ کروڑ آبادی میں کم وبیش ایک لاکھ ہے۔ گویا۔ ان اعداد و شمار کے لحاظ سے،تو آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ ہوئے۔ پھر ہمارے علماء نے اپنی اور ہماری نیند کیوں حرام کی ہوئی ہیں۔

ایک وقت تھا کہ دونوں گروہوں میں بڑے علمی مناظرے ہوا کرتے تھے۔لوگ سچ جھوٹ خود پرکھ لیا کرتے تھے۔

کیا یہ طریق دوبارہ نہیں اپنایا جا سکتا۔ احمدیوں کے ساتھ پبلک مناظرے کر کے علم کے میدان میں ان کو مار دیں۔ اگر سو سال میں ان کی تعداد فی الواقعہ ایک لاکھ پانچ ہزار سے بھی کم ہے جس میں پیدائشی بھی شامل ہیں تو اب وہ اور کیا تیر ماریں گے۔ اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کے کافروں کے بتوں کو بھی بُرا نہ کہو۔ کہیں وہ تمہارے سچے خدا کو بُرا نہ کہہ دیں۔

ہمیں بھی اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہئے اور قتل و غارتگری کی کھلم کھلا ترغیب سے اجتناب کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ راہ خدا اور اس کے رسول نے نہیں سکھائی۔ ورنہ ہم زبان سے اقرار کریں نہ کریں علماء کی موجودہ دُشنام دہی کے رویہ سے احمدیوں کا پلہ بھاری معلوم ہوتا ہے۔

(لاہور 2 رنومبر 1985ء)

❁-❁-❁

16- پنجاب کا مقدمہ

مدیر محترم! سلام مسنون!

حنیف رامے کی کتاب ''پنجابی کا مقدمہ'' کی تقریب رونمائی کے موقع پر جناب مجید نظامی کی تقریر جناب ''جی ایم سید'' کے تناظر میں طنزیہ رنگ میں جناب مرزا غلام احمد کا ذکر پڑھ کر ''شیر آیا شیر آیا'' کی کہانی یاد آ گئی۔ جو ہم نے بچپن میں سکول میں پڑھی تھی۔ میں نہیں جانتا کہ رامے

صاحب کس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔لیکن کبھی یہ نہیں سُنا کہ وہ احمدی ہیں۔

کہ اس تعلق سے انہوں نے مرزا صاحب کا ذکر کیا ہو۔ بلکہ جیسا کہ پروفیسر محمد عثمان صاحب نے فرمایا۔اس ذکر سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف تاریخی حقائق چھپانے کے حق میں نہیں اور نہ اُن کے بیان میں اُسے کوئی باک ہے۔

احمدی حضرات ایک حوالہ دیا کرتے ہیں کہ مرزا صاحب کے سب سے بڑے مخالف جناب ابوسعید مولوی محمد حسین بٹالوی جو اہل حدیث کے ایڈوکیٹ کہلاتے تھے۔ جناب مرزا غلام احمد کی دعویٰ نبوت سے پہلے کی خدمت اسلام کو برملا سراہا کرتے تھے۔کہ گزشتہ بارہ تیرہ سوسال میں ایسی خدمت کسی نے نہیں کی۔

مگر بعد میں اُن کی رائے بدل گئی۔ جناب مجید نظامی سے اُن کے منصب کے لحاظ سے تنگ نظری کی بجائے وسعت قلبی کا اظہار ہونا چاہئے۔کسی دانشور کی سوچ پر تو پہرہ نہیں بٹھایا جاسکتا۔

لاہور 26 اکتوبر 1985ء

17-جیو اور جینے دو

مکرمی !السلام علیکم!

مولوی ضیاء الحق قاسمی اور مولوی زاہد الراشدی کی یورپ سے واپسی کے بعد اُن کے بیانات سے اُن کی کامیابیوں کی شہنائیاں بج رہی ہیں جن کے مطابق ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کی بین الاقوامی ویمبلے کانفرنس سے انگلستان میں احمدیوں کے پراپیگنڈہ کا احتساب ٹھیک طور پر ہوگیا ہے۔اب افریقہ میں اُن کے تعاقب کا پروگرام مرتب کیا گیا ہے۔اس کانفرنس کے بعد ایک دوجگہ احمدیوں نے جلسے کرنے کی کوشش کی۔

مگر فدایان اسلام نے بزور بازو نہ ہونے دیئے

اگر تو اختلاف رکھنے والوں سے اسلام اسی حسن سلوک کی تعلیم دیتا ہے تو علماء یقیناً اس کامیابی

پر مبارک باد کے مستحق ہیں لیکن میرے خیال میں اس مظاہرے کے لئے انہوں نے غلط ملک کا انتخاب کیا ہے۔ انگلستان ایسا ملک ہے جہاں کیتھولک اور پراٹسٹنٹ عقیدہ رکھنے والوں نے لمبے عرصہ تک کشت وخون اور باہم برسرِ پیکار رہنے کے بعد یہ سنہری سبق سیکھ لیا ہے کہ جیو اور جینے دو۔ زندہ رہو اور زندہ رہنے دو اور یوں مختلف عقیدہ رکھنے والوں نے مل جل کر اپنی مساعی سے برطانیہ کو عظیم سلطنت بنا دیا ہے۔

''ویمبلے کانفرنس'' کے فوراً بعد مانچسٹر کی مسجد میں ہونے والے مظاہرے نے تو پھر سارے انگلستان ہی کو اسلام کے بہت قریب کر دیا ہوگا۔ اور مسجد کا دروازہ زبردستی کھلوانے والی عیسائی پولیس تو آغوشِ اسلام میں داخل ہو چکی ہوگی۔ جو مسلمان جان خانہ خدا میں داخل ہونے کی کوشش میں یا ناپسندیدہ مسلمانوں کو اس میں داخلہ سے روکتے ہوئے گئی وہ کس کھاتے میں شمار ہوگی؟

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔

سُنا ہے دینی مدارس کا پروگرام بھی بنایا گیا ہے موجودہ بیداری کے پیش نظر اس پر جلد عمل ہونا چاہئے۔ مجھے اُمید ہے کہ ویمبلے کانفرنس اور مانچسٹر مسجد میں کُشت وخون کے ڈرامے کے بعد انگلستان کے متین وسنجیدہ مسلمان اور زیرِ تبلیغ عیسائی ان دینی مدارس کے افتتاح کے موقع پر جانے پہچانے چہروں کا استقبال شہنائیوں کی اس گونج سے کریں گے۔

''اے گل بتوخر سندم تو روئے کسے داری''

یعنی اے پھول تجھے دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے کہ تو محبوب کے چہرے کی طرح ہے۔

(لاہور 19 اکتوبر 1985ء)

❁-❁-❁

18-عامل بابا کا دعویٰ

مکرم ایڈیٹر صاحب! السلام علیکم

اخبار امروز 14 اگست میں صادق آباد کے 98 سالہ عامل بابا سید لال حسین شاہ صاحب کا یہ دعویٰ شائع ہوا ہے کہ دو سال قبل غائب ہونے والے سیالکوٹ کے مولانا محمد اسلم قریشی ربوہ کی ایک عمارت میں قید ہیں۔ جس کے اردگرد مسلح پہرہ ہوتا ہے۔ اور کسی شخص کو وہاں جانے کی اجازت نہیں۔ بابا لال حسین شاہ نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ وہ اپنے خصوصی علم کے ذریعہ جنات کو حاضر کرتے ہیں۔ سارا پاکستان مولانا محمد اسلم قریشی کے متعلق مضطرب ہے حکومت نے کئی تفتیشی ٹیمیں مقرر کیں۔ جو کسی نہ کسی نتیجہ پر پہنچی تو ضرور ہوں گی۔ مگر وہ سامنے نہیں آیا۔ زمین کھا گئی۔ آسمان نے اُٹھا لیا ملک سے باہر آرام کی زندگی گزار رہے ہیں۔ غرض کئی امکانات ہیں تحقیقاتی پارٹیوں نے غالباً کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی۔ عامل بابا حسین شاہ کو اب جبکہ علم ہو ہی گیا ہے۔ تو اپنے تابع جنات کو حکم دیں کہ وہ مولانا محمد اسلم قریشی کو اس عمارت سے اُٹھا کر لے جائیں۔ تا کہ ان کا سوگوار گھر خوشیوں سے بھر جائے اور مجرم کیفر کردار کو پہنچیں۔

اس مکان پر جو مسلح پہرہ ہے وہ تو انسانوں کے لئے ہے۔ جنات کے داخلہ پر تو پہرہ نہیں۔

(لاہور 7 ستمبر 1985ء)

❁-❁-❁

19-عبدالقادر حسن کی غیر سیاسی باتیں

مدیر محترم! سلام مسنون!

اس وقت میں ہفت روزہ فریشیا (شمارہ نمبر 5 جلد نمبر 6) کے کالم غیر سیاسی باتیں کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ یہ کالم رسالہ کے مدیر جناب ''عبدالقادر حسن'' لکھتے ہیں اور انہی کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ میں نے اُن کے زیر مطالعہ شمارہ میں کی گئی ''غیر سیاسی باتوں'' کو تین چار دفعہ پڑھا ہے گو

انہوں نے اپنے آج کے کالم میں یہ لکھ کر ربوہ اہل ربوہ کے متعلق زیادہ واقفیت نہ رکھنے اور عدم معلومات کا اعتراف بھی کیا ہے کہ

''یہ شہر (ربوہ) خشکی کا ایک جزیرہ ہے جو زمین سے ملا ہوا تو ہے لیکن زمین والوں سے بہت دُور اور اجنبی ہے۔ میں بھی انہی لوگوں میں سے ہوں جو اس شہر کے بھیدوں سے ناواقف ہیں۔ بیسیوں دفعہ اس شہر سے مسافرانہ گزرنے اور اخبار نویس ہونے کے باوجود میں اس شہر کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

پُراسرار اظہار ناواقفیت

لیکن انہوں نے جنوری کے آخر میں جماعت احمدیہ لاہور کی طرف سے (750 سال کے بعد قرطبہ، سپین کے نواح میں ایک مسجد کا سنگ بنیاد رکھے جانے کی سعادت حاصل ہونے کی مسرت میں شکرانے کے طور پر) اپنے امام کے اعزاز میں لاہور کے ہلٹن ہوٹل میں دیئے جانے والے استقبالیہ (جس کی خبر ہفت روزہ لاہور میں بھی شائع ہوئی تھی) کی تفاصیل کو دانستہ یا نادانستہ کچھ اس طرح Twist کر کے پیش کیا ہے کہ اُن کا یہ اظہار ناواقفیت بھی اچھا خاصہ ''پُراسرار'' ہو گیا ہے۔ مجھے اسی کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے۔

مثال کے طور پر مدیر موصوف لکھتے ہیں کہ

''پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار ان لوگوں کا راہنما اور خلیفہ گزشتہ دنوں لاہور میں کسی پبلک تقریب میں بطور مہمان خصوصی شریک ہوا''

جو سرتا سر خلاف واقعہ ہے۔ کیونکہ حضرت امام جماعت احمدیہ جب بھی اپنے بیرونی ملکوں کے تبلیغی و تربیتی دورے سے واپس تشریف لاتے ہیں ان کی جماعت کی طرف سے اُن کی کامران واپسی پر کبھی اکابر جماعت کی اقامت گاہوں پر اور کبھی ہوٹلوں میں اس قسم کے استقبالئے ترتیب دیئے جاتے رہے ہیں۔ جن کی رپورٹیں اور خبریں جماعت کے چیف آرگن ''الفضل'' کے علاوہ ملک کے دیگر مقتدر و کثیر الاشاعت جرائد میں بھی شائع ہوتی رہی ہیں۔ دل نہیں مانتا کہ الفضل کی

طرح وہ اُن تمام جرائد کا بھی مطالعہ نہیں فرماتے ہوں گے۔

نیز جس طرح ہلٹن کے استقبالیہ میں احمدیوں کے علاوہ دوسرے مسلم فرقوں کے پونے چھ صد کے لگ بھگ معززین شریک ہوئے۔اسی طرح ان تمام پہلے استقبالیوں میں بھی متعلقہ شہروں کے اکابر شرکت کرتے رہے ہیں یہاں مدیر موصوف کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے مجملاً حضرت امام جماعت احمدیہ کے سب سے پہلے 1967ء کے بیرونی دورہ سے واپسی کے بعد آپ کے اعزاز میں ترتیب دیئے جانے والے استقبالیوں کا ذکر کرتا ہوں۔

انٹر کانٹی نینٹل میں

امام جماعت احمدیہ حضرت حافظ مرزا ناصر احمد 1967ء میں بیرونی (خصوصاً یورپی) مُلکوں کے دورہ کے بعد مراجعت پر جماعت احمدیہ کراچی نے وہاں کے انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں ایک استقبالیہ دیا۔جس میں بعض مقتدر صحافی بھی شریک ہوئے بلکہ استقبالیہ کے بعد مہمان عزیز نے نیوز کانفرنس سے بھی خطاب فرمایا۔جس میں اہل وطن اور تمام مسلم اکابر کی خدمت میں یہ تجویز پیش فرمائی کہ

’’مسلمانوں کے فرقوں کو سات سال کی مدت کے لئے یہ طے کر لینا چاہئے کہ وہ آپس کے اختلافات بھُلا کر دُنیا میں اسلام کی تبلیغ کے لئے سر توڑ کوشش کریں گے۔اور اس عبوری دور میں ایک دوسرے پر کسی قسم کی نکتہ چینی نہیں کریں گے۔‘‘

اس نیوز کانفرنس کی خبریں روزنامہ جنگ کراچی 23 اگست 1967ء روزنامہ مشرق کراچی 24 اگست 1967ء اور روزنامہ تعمیر راولپنڈی 23 اگست 1967ء کے علاوہ بعض دوسرے جرائد و رسائل میں بھی شائع ہوئی تھیں۔

مدیر موصوف کے اپنے شہر میں

کراچی کے بعد جناب مرزا عبدالحق صاحب ایڈوکیٹ سرگودھا کے بنگلہ پر یعنی مدیر ’’افریشیا‘‘ کے اپنے شہر میں حضرت امام جماعت احمدیہ کے اعزاز میں ایک استقبالیہ کا اہتمام کیا گیا

جس میں امراء جماعت ہائے احمدیہ پنجاب کے علاوہ مقامی اکابرین میں سے میر مظاہر حسین صاحب ایڈووکیٹ ملک فتح محمد صاحب ٹوانہ صدر ضلع مسلم لیگ۔ چودھری بشیر احمد صاحب تارڑ وائس چیئرمین بلدیہ سرگودھا۔ ملک محمد اقبال صاحب ایڈووکیٹ۔الحاج خان عنایت اللہ خان صاحب اور دیگر معززین شہر نے بھی شرکت فرمائی۔ (امراء جماعت سے نہ سہی) میں یقین رکھتا ہوں۔کہ دیگر معززین سے مدیر''افریشیا'' ضرور متعارف وروشناس ہوں گے۔اس استقبالیہ میں مقامی صحافی بھی کثیر تعداد میں شریک ہوئے تھے۔مدیر''شعلہ'' سرگودھا نے تو اس یادگار تقریب کا ذکر اپنے اداریہ میں بھی کیا تھا۔جس میں انہوں نے جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات بیرونی، خصوصاً یورپی اور افریقی ممالک میں تبلیغ اسلام اور تعمیر مساجد کا ذکر کیا گیا تھا۔اور آپ کے اس دورے سے متعلق بیرونی اخبارات کے تبصروں کے بعض اقتباسات شائع کرنے کے علاوہ حضرت امام جماعت احمدیہ کا وہ بصیرت افروز لیکچر بھی''انتباہ'' کے عنوان سے شائع کیا تھا۔جو موصوف نے وانڈز ورتھ ہال (لنڈن) میں دیا تھا۔

راولپنڈی میں بھی

اسی طرح (کراچی اور سرگودھا کے بعد) راولپنڈی میں 18 ستمبر 1967ء کو اسی قسم کی ایک تقریب ہوئی جس کے بعد جریدہ نگاروں سے باتیں کرتے ہوئے حضرت امام جماعت احمدیہ نے فرمایا تھا کہ

''یورپ کے حالیہ دورہ میں انہوں نے محسوس کیا ہے کہ اسلام کی تبلیغ کے لئے ان ملکوں کی فضا بڑی اُمید افزا ہے بعض ممالک میں لوگ کثرت سے اسلام کی طرف راغب ہورہے ہیں۔''

امام موصوف کی یہ باتیں خبروں بلکہ باتصویر خبروں کی صورت میں پاکستان ٹائمز (راولپنڈی 18 ستمبر 1967ء) روزنامہ ڈان (کراچی 17 ستمبر 1967ء) روزنامہ مشرق (کراچی 19 ستمبر 1967ء) روزنامہ نوائے وقت 8 ستمبر 1967ء نیز روزنامہ تعمیر۔حریت اور دیگر کتنے ہی جرائد میں شائع ہوئی تھیں۔کیا یہ مان لیا جائے کہ ان میں سے کوئی جریدہ مدیر

''افریشیا'' کی نگاہوں سے واقعی نہیں گزرا۔ جو انہوں نے ہلٹن ہوٹل میں ترتیب دی گئی ایک پرائیویٹ قسم کی تقریب کو پبلک تقریب بنا کر یہاں تک لکھ دینے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھا کہ پاکستان کی تاریخ میں پہلی باران لوگوں کا راہنما اور خلیفہ گزشتہ دنوں لاہور میں کسی پبلک تقریب میں بطورمہمان خصوصی شریک ہوا۔

جاڑے کے دنوں میں

اپنی اسی رپورٹ میں مدیرموصوف آگے چل کرتحریرفرماتے ہیں۔

''جاڑے کے دنوں میں یہاں بے شمارلوگ دوتین روز کے لئے جمع ہوتے ہیں۔تقریریں کرتے ہیں اورتقریریں سُنتے ہیں۔ان تقریروں میں وہ کیا کہتے ہیں اورکیا سُنتے ہیں اور یہاں کیوں اتنی بڑی تعداد میں جمع ہوتے ہیں اس کی خبر باہر کےلوگوں کوشاذونادرہی ملتی ہے۔''

شاذونادرہی ملتی ہے!۔۔کا کیا مطلب؟ کیا وہ ڈیڑھ لاکھ سے دولاکھ تک افراد کا جم غفیر (جن میں ہزاروں افرادغیراز جماعت بھی ہوتے ہیں) جاڑے کے دنوں میں یہاں آکر پھراپنے گھروں کو واپس نہیں لوٹتے؟ یا بسوں اور ریل گاڑیوں میں سفرکرتے وقت منہ بندکرکے بیٹھے رہتے ہیں اور اگر باہران تقریروں پرکوئی تبصرہ کرتے ہیں تو وہ بس یا گاڑی کے دوسرے مسافروں کوسنائی نہیں دیتا؟ اور یہ تقریریں بھی لاؤڈسپیکرکی بجائے ایسے پُراسرارااندازمیں کی جاتی ہیں کہ بس صرف آنے والوں ہی کوسُنائی دیتی ہیں۔کیا یہ سب کچھ جانتے ہوئے دانستہ طرح دے جانے کی بات نہیں جبکہ

☆ یہ تقریریں دن دہاڑے ہوتی ہیں۔

☆ لاؤڈاسپیکروں پرہوتی ہیں۔

☆ ان تقریروں کےاوقات میں متعدداخبارنویس سرکاری وقائع نگاراور بیرونی جریدہ نگار پریس گیلری میں موجود ہوتے ہیں جوانہیں رپورٹ کرتے ہیں۔اور پھر یہ رپورٹیں خبروں میں ڈھل کراُن کے جرائدمیں شائع ہوتی ہیں۔اوران سب پرمستزادیہ کہ

☆ ہر تقریر بعد میں سلسلہ وار جماعت احمدیہ کے چیف آرگن (روزنامہ) الفضل میں بھی شائع ہو جاتی ہے۔

ایک صحافیہ کا تاثر

چنانچہ پچھلے دنوں کراچی سے ایک صحافی خاتون بھی ان جاڑے کے دنوں میں ربوہ تشریف لائی تھیں۔ کیوں؟ یہ انہی کی زبان سے سُنیے۔

''پھر ان لوگوں پر کفر کا فتویٰ صادر کیا گیا تو میرا بچپن کا شوق ایک بار پھر عود کر آیا۔ میں نے سوچا کہ اب تو میں صحافی ہوں۔ اور بحیثیت صحافی مجھے معلوم ہونا چاہئے کہ دُنیا میں کیا کیا ہوتا ہے؟ لوگ کیسے رہتے بستے ہیں؟ اُن کے عقیدے کیا ہیں؟ اور پھر وہ لوگ ہمارے ملک میں ہی رہتے ہیں تو اُن کی اصلیت کو تو جاننا چاہیے۔''

(ہفت روزہ نصرت جلد 3 شمارہ 42)

اور اپنی رپورٹ کے آخر میں اپنی اس تحقیق و مطالعہ کا حاصل ان الفاظ میں سپرد قلم کیا۔

☆ مجھے ان کی نماز میں کوئی فرق نظر نہیں آیا۔

☆ جس کو جنت کہا جاتا ہے وہ ایک عام قبرستان ہے۔

☆ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق احمدیوں کا نظریہ یہ ہے کہ وہ وفات پا چکے اور سری نگر میں دفن ہیں۔

☆ خاتم النبیینؐ کے جو معنے احمدی کرتے ہیں اس میں حوالہ جات اور بزرگان سلف کے اقوال پیش کرتے ہیں۔ نیز

☆ احمدی مستورات کا پردہ کا طریق ایسا ہے کہ عورت کی زینت نظر نہ آئے۔ وغیرہ وغیرہ

(ہفت روزہ نصرت کراچی جلد 3 شمارہ 42)

پھر ان جاڑے کے دنوں ہی پر کیا موقوف ہے بین الاقوامی شہرت کے حامل شہر میں تو ہر سال بعض کھیلوں کے ''کل پاکستان'' بنیاد پر ٹورنامنٹ بھی منعقد ہوتے ہیں جن میں حصہ لینے کے لئے مُلک کے گوشہ گوشہ سے ہر سال بیسیوں ٹیمیں اور سینکڑوں کھلاڑی یہاں آتے ہیں اور کئی دن گزار

کرخوب گھوم پھر کر اہل ربوہ کے معمول و مشاغل کو بچشم خود دیکھتے ہیں۔

نہیں معلوم ۔۔اپنے پرچے کی پالیسی کے باعث مدیر ''افریشیا'' کو کون سی ایسی مجبوری لاحق تھی کہ انہوں نے ان تمام حقائق وشواہد کو نظر انداز کر کے (پس پردہ رہنے کے باوجود) غلط سلط اور سُنی سُنائی باتیں بھر کر اپنی رپورٹ کو پُراسرار نا قابل یقین بنا دینا ضروری سمجھا۔ جو میرے نزدیک تو اُن جیسے صحافی کے شایان شان نہیں۔

(لاہور 5/مارچ 1981ء)

زراعت

آپ نے ناظر زراعت کی حیثیت سے روزنامہ الفضل ربوہ میں ’’زراعت‘‘ پر مختلف مضامین لکھے اور کاشتکاروں کی رہنمائی کے لئے اعلان کروائے۔ ان میں ایک مضمون ’’زرعی معیشت‘‘ کے عنوان سے روزنامہ الفضل 22 نومبر 1962ء شائع ہوا۔ یہ مضمون بعدازاں نظارت زراعت کی طرف سے کتابی شکل میں بھی شائع ہوا۔

گو زراعت 1962ء سے اب بہت ترقی کر چکی ہے۔ نت نئے ذرائع قلبہ رانی اور کاشت کے آچکے ہیں۔ لیکن جو تجاویز زراعت اور آبپاشی کے لئے محترم موصوف نے آج سے 50 سال قبل دی تھیں اُن پر اگر قوم اور حکومتیں عمل کر لیتیں تو آج غذائی بحران پیدا نہ ہوتا۔ یہ مضمون آپ کی ذہانت اور فراست پر دلالت کرتا ہے اس لئے یہاں دیا جا رہا ہے۔

زرعی معیشت

پاکستان کے دونوں حصوں کی معیشت بنیادی طور پر زرعی ہے اس ملک میں بسنے والے ہر 100 میں سے 80 افراد کی معاش کا انحصار بالواسطہ یا بلاواسطہ زراعت پر ہے وہ یا تو خود قلبہ رانی کرتے ہیں یا محض زراعت کی آمد پر ان کا گزارا ہے شہروں میں آباد ہو کر بعض دوسرے پیشے اختیار کرنے والوں میں سے بھی اکثر کی جڑیں دیہات میں ہیں لہذا ہمارے ملک میں موجودہ اور آئندہ صنعتی ترقی کا سارا دارومدار زراعت پر ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اعلیٰ معیار زندگی ہمارے رہنے سہنے کے طریق میں ایک انقلاب چاہتا ہے دنیا کے تمام ممالک جو مادی اصطلاح میں متمدن کہلاتے ہیں صنعتی انقلاب کے بعد ہی حیرت انگیز ترقی کر کے اپنے موجودہ معیار زندگی کو پہنچے ہیں بلکہ اس سے بھی اعلیٰ مقام حاصل کرنے کی

کوشش کر رہے ہیں۔ ہمارے وطن میں بھی صنعتی انقلاب کے آثار نظر آ رہے ہیں مگر اس انقلاب کا انحصار کلیتہ زراعت کی ترقی پر ہوگا۔ پٹ سن، کپاس اور چاول سے ہم غیر ملکی زرمبادلہ حاصل کرتے ہیں جس سے ہم مشینری اور دیگر خام مال جو ہمارے ملک میں نہیں ملتا درآمد کرتے ہیں تاکہ ہم جلد سے جلد خودکفیل ہو سکیں اس کے علاوہ کپاس ملکی کپڑے کی صنعتی ضروریات پوری کرتی ہے۔

مغربی پاکستان کا رقبہ سارے ملک کا 85 فیصد ہے اور تین لاکھ دس ہزار مربع میل کا یہ وسیع وعریض علاقہ ایک طرف برفانی چوٹیوں سے ٹکراتا ہے اور دوسری طرف ریگستان کی وسعتوں میں گم ہو جاتا ہے ان دو متضاد حدود کے اندر قدرت نے ہمیں بڑی فیاضی سے نوازا ہے اس خطہ میں ہر قسم کی زمین اور ہر قسم کی آب و ہوا پائی جاتی ہے۔ جو مختلف الانواع پھلوں اور فصلوں کے لئے مناسب ہے۔ حق تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فیاضیانہ سلوک پر اپنے ذوق تجسس اور عزم سے ہم دنیا میں سرفرازی کا مقام حاصل کرتے مگر بڑے دکھ سے اس المیہ کا اظہار اور اقرار کرنا پڑتا ہے کہ انسانی زندگی کی بنیادی ضروریات میں سے تن ڈھانپنے اور سر چھپانے کا ذکر ہی کیا ہم دو وقت پیٹ بھر کر روٹی کے لئے بھی دوسروں کے دست نگر ہیں تعلیم اور سیاسی شعور تو اس سے بعد کے مراحل ہیں۔

مشیت ایزدی نے اس کائنات عالم کی ساری موجودات انسان کے لئے مسخر کر دی ہے جن اقوام نے خدا تعالیٰ کی عطا کردہ ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے مادی وسائل سے پورا فائدہ حاصل کیا انہوں نے اپنے لئے دنیا میں عزت کا مقام حاصل کر لیا۔ امریکہ کو لیجئے وہاں زراعت پیشہ آبادی کا تناسب صرف 11 فیصد ہے یہ قلیل آبادی نہ صرف وہاں کے سترہ اٹھارہ کروڑ باشندوں کے لئے خوراک اور ان کی وسیع صنعتوں کے لئے خام مال مہیا کرتی ہے بلکہ زرعی پیداوار وہاں اتنی بڑھ چکی ہے کہ ان کا اناج دنیا کے اکثر ضرورت مند ممالک کو مہیا کرنے کے بعد بھی بچ رہتا ہے اور اس فالتو اناج کا مصرف ایک اہم مسئلہ بن کر ان کو پریشان رکھتا ہے۔ یہی حال کئی اور ممالک کا ہے جاپان اور جرمنی جنگ کی ہولناک تباہ کاریوں کے باوجود اس دوڑ میں امریکہ سے پیچھے نہیں۔ کیا ہمارے لئے یہ ایک کھلا چیلنج نہیں ہے کہ دو چار ایکڑ کا مالک جاپانی کاشتکار جو ہماری

طرح مشرقی بھی ہے اپنی ہمت، محنت اور تجربہ سے اتنی پیداوار حاصل کر لیتا ہے جو ہمارا کاشتکار اس سے کئی گناہ زیادہ رقبہ سے حاصل نہیں کرتا۔

ہمیں یہ بات اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ زراعت کی ترقی ہمارے وطن کے روشن مستقبل کی ضامن ہے۔ پاکستان کا استحکام بلکہ بہت حد تک اس کی بقاء زراعت کی ترقی پر منحصر ہے کیونکہ ہماری ملکی معیشت کے استحکام کا زرعی پیداوار کی فراوانی اور زمینداروں کی خوشحالی سے گہرا تعلق ہے۔ ہماری 80 فیصد زراعت پیشہ آبادی پاکستان کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ موجودہ زمانہ کے پیچیدہ اقتصادی نظام میں بھی ملک کے لئے زرعی معیشت کے انحطاط سے زیادہ مہلک کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا۔ مطلب یہ نہیں کہ پاکستان ترقی کے جس مقام پر اب کھڑا ہے اس میں زمیندار کا کوئی حصہ نہیں۔ یہ کہا بھی کیونکر جا سکتا ہے جب کہ ہماری قومی آمدنی کا 60 فیصد زراعت کا ہی مرہون منت ہو بلکہ اس ذکر کا محض یہ مقصد ہے کہ ابھی منزل بہت دُور ہے۔ دُوری منزل جو تیز گامی چاہتی ہے وہ ہم میں نہیں۔ ہمارے عزم اور ذوق میں مزید استواری کی ضرورت ہے ترقی کی طرف ہماری رفتار تیز تر ہو کہ ہم دوسروں کے دست نگر نہ ہوں خود کفیل ہوں پھر نہ صرف خود کفیل ہوں بلکہ دوسروں کی بھی کفالت کریں اس کے بغیر ہم معیار زندگی کے لحاظ سے پستی اور احساس کمتری کی ظلمتوں سے نکل نہیں سکتے۔

زراعت ایک تجارت ہے جس میں زمین اور اس کی زرخیزی سرمایہ کا کام دیتی ہے اور دیگر انتظامی امور یعنی پانی، بیج، کھاد، آلات کشاورزی اور فصلوں کی حفاظت اس تجارت کا کاروباری فن ہے پیداوار وہ آمدنی ہے جو کوئی سرمایہ دار اپنے سرمایہ سے کاروبار باہمی فن کے ذریعہ سے حاصل کرتا ہے۔ اس لئے یہ بات ظاہر ہے کہ تجارت کی طرح زمین کی زرخیزی کو برقرار رکھنے اور زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے لئے زمین کا مناسب استعمال ایک بنیادی چیز ہے۔ تمام قدرتی وسائل میں سے زمین کی زرخیزی ہی ایک ایسی چیز ہے جو ختم نہیں ہوسکتی بشرطیکہ زمین کی دیکھ بھال کے مناسب طریقے استعمال کئے جائیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اِلْتَمِسُوْ الرِّزْقَ فِیْ خَبَایَا الْاَرْضِ رزق کو زمین کی گہرائیوں میں سے تلاش کرو۔اس ارشاد میں زمین میں زرخیزی کی بے پناہ صلاحیت کی طرف اشارہ ہے کہ زمین قلبہ رانی کرنے والوں کو کبھی مایوس نہیں لوٹائے گی سوائے اس کے کہ وہ خود اپنے ہی تساہل، کم ہمتی اور عقل کے کم استعمال کی وجہ سے محروم ہو جائیں۔

مناسب اور صحت مند غذا سے انسان اپنے جسم کی توانائی برقرار رکھ سکتا ہے اور اس کی کمی اس کو کمزور بنا دیتی ہے۔ یہی حال زمین اور اس کی زرخیزی کا ہے کسی زمین کی زرخیزی کے ضائع ہونے کی ایک عام وجہ کسی خاص فصل کی مسلسل کاشت ہے، زمین کو خالی چھوڑے بغیر ہر سال ایک ہی فصل کاشت کرتے چلے جانے سے زمین قدرتی خوراک سے محروم ہو کر کمزور ہو جاتی ہے یا پھر زمین کو دیر تک بغیر حل چلائے چھوڑ دینے سے جڑی بوٹیاں اُگ آتی ہیں جو زمین سے خوراک لے کر اس کو کمزور کر دیتی ہیں۔

جو زمین بار بار فصلیں حاصل کرنے کی وجہ سے اپنی صلاحیت کھو بیٹھتی ہے اس کی زرخیزی کو نباتاتی غذائی مادہ زیادہ مقدار میں مہیا کر کے بحال کیا جا سکتا ہے۔فصلوں کے ہیر پھیر سے نہ صرف یہ کہ نباتاتی مادہ پیدا ہوتا ہے بلکہ اس عمل سے بعض بیماریاں اور کیڑے ایک ہی خاندان کے پودوں پر نشو و نما پاتے ہیں اگر ایک ہی فصل بار بار کاشت کی جائے تو بیماری اور کیڑوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ فصلوں کے ردّ و بدل سے بیماری اور کیڑوں کی افزائش خود بخود ختم ہو جاتی ہے پھر مختلف فصلوں کی جڑیں زمین کی گہرائی کی مختلف سطحوں تک جاتی ہیں۔ایک ہی سطح تک جانے والی فصل کے بار بار کاشت کرنے سے ایک خاص قسم کے اجزاء اس سطح سے زائل ہو جاتے ہیں اور زمین کمزور ہو جاتی ہے اس لئے بھی ادل بدل ضروری ہے پھر ہر فصل کے لئے مختلف قسم کی تیاری کی ضرورت ہوتی ہے کسی کے لئے کم ہل چلائے جاتے ہیں کسی کے لئے زیادہ۔

کسی کو کم گوڈی کی جاتی ہے کسی کو زیادہ اس لئے ادل بدل کر فصلیں کاشت کرنے سے نمی روشنی اور ہوا زمین کی مختلف سطحوں سے پودوں کو خوراک حاصل کرنے میں آسانی پیدا کرتے ہیں

پھر بعض قسم کی جڑی بوٹیاں فصل ربیع میں نشوونما پاتی ہیں۔ بعض خریف میں فصلوں کا ادل بدل ان جڑی بوٹیوں کی تلفی میں ممد ہوتا ہے بھر بعض فصلیں ایسی ہیں جن کے لئے بہت زیادہ تیاری اور محنت کی ضرورت ہے مثلاً آلو، کماد وغیرہ ان کو فصلوں کے ہیر پھیر میں شامل کرنے سے ساری زمین اچھی ہو جائے گی اور پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا۔

زمین میں ایک خاص مقدار میں نائٹروجن کا ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ پودوں کی خوراک کا نہایت ضروری جزو ہے اور اس کی کمی نقصان دہ ہوتی ہے جتنی نائٹروجن زیادہ ہوگی فصل اچھی ہوگی۔ زمین چونکہ ہوا سے نائٹروجن حاصل کرتی ہے ایک ہی فصل کی کاشت کرنے سے اس میں اضافہ کی توقع عبث ہے۔ محکمہ زراعت نے مختلف فصلوں پر اس کا تجربہ کیا ہے مثلاً ایک کھیت میں اگر پندرہ سال تک مسلسل مکئی کاشت کی جائے تو اس کھیت میں جتنی نائٹروجن پائی جائے گی اس کے مقابلہ میں مکئی، جو اور لوسن کے ہیر پھیر سے وہ مقدار 75 فیصد زائد ہو جائے گی۔ اس سے فصلوں کو جو فائدہ ہوگا وہ ظاہر ہے۔

زمین کی زرخیزی بحال رکھنے کے لئے فصلوں کے اس ہیر پھیر کے بعد دوسری ضروری چیز کھاد ہے گوبر کی کھاد مکمل کھاد ہے۔ کیونکہ علاوہ اس کے یہ گل سڑ کر زمین کا حصہ بنتی ہے جس طرح دودھ بچے کے لئے مکمل غذا ہے اسی طرح گوبر میں بھی وہ تمام اجزاء پائے جاتے ہیں جو پودے کی صحیح نشوونما کے لئے ضروری ہیں مگر چونکہ یہ کھاد تھوڑی مقدار میں میسر آتی ہے اور جو ہے زمیندار اپنی غربت کی وجہ سے حفاظت نہیں کرتے یہ کمی قدرتی طور پر سبز کھاد پورا کر سکتی ہے مگر ہمارے زمیندار نے اسے زیادہ قبول نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ زمیندار معاشرتی طور پر غریب ہے اس لئے وہ آمدنی پیدا کرنے والی فصلوں کو ترجیح دیتا ہے اور اس طرح فوری اور عارضی فائدہ کی خاطر مستقبل کے مستقل مفاد کو پس پشت ڈالتا ہے حالانکہ زمین کا تھوڑا سا زرخیز ٹکڑا کاشت کر لینا ایک وسیع مگر کمزور رقبہ کو کاشت کرنے سے بہتر ہے وہ زمین جو فصل اُگانے کی قوت کلیتہً یا ایک حد تک کھو چکی ہو اس پر محنت کرنے، روپیہ لگانے اور وقت ضائع کرنے کا حقیقتاً کوئی خاص فائدہ نہیں یہ صرف

پاکستان کی ہی بات نہیں بلکہ دوسرے ممالک میں بھی زمینداروں کا یہ خاصہ ہے کہ وہ نئی باتوں کو اپنانے میں کچھ ڈھیلے ہوتے ہیں مگر ایک آزمائی ہوئی کارآمد چیز سے فائدہ نہ اٹھانا عقلمندوں کا شیوہ نہیں ہے اب آہستہ آہستہ زمیندار سبز کھاد کی افادیت کو سمجھنے لگے ہیں۔

سبز کھاد کے طور پر ایسی فصل کا انتخاب کرنا چاہیئے جو سبز مادہ کی زیادہ مقدار تھوڑے وقت میں مہیا کر دے اور اس میں پتوں کی مقدار زیادہ ہو۔ گہری جانے والی اور باافراط جڑوں والی ہو تا زمین میں گہرائی تک گھس سکے اور زمین کی بناوٹ میں ممد ہو۔ ہمارے لئے بہترین سبز کھاد گوارا جنتر اور سن ہے۔ برسیم ربیع کا چارہ ہونے کے علاوہ زمین کو طاقتور بناتا ہے دیگر پھلی دار فصلوں کی پتری بھی کھاد کے طور پر بہت اچھی ہوتی ہے۔ جس زمین میں ایک دفعہ گوارا۔ سن یا جنتر کی سبز کھاد دے دی جائے اس میں اس کھاد کا اثر دو تین سال تک نمایاں رہتا ہے۔ ان کے ساتھ اگر مصنوعی کھاد استعمال کی جائے تو فائدہ حیرت انگیز ہوگا۔ مگر اس کی مقدار طریق استعمال اور وقت استعمال کے متعلق محکمہ زراعت کی ہدایات پر عمل کرنا چاہیئے۔ بے موقع غلط طریق پر اور صحیح مقدار میں نہ دینے سے اس کا فائدہ نہیں ہوتا۔ افتادہ زمین میں بار بار ہل چلاتے رہنے سے بھی زرخیزی بحال ہوتی ہے۔

زمین زرخیز ہو تیاری اچھی طرح کی گئی ہو تو بھی بعض اوقات ناقص اور گھٹیا بیج ڈالنے کی وجہ سے زمیندار اپنی محنت سے پورا فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اچھے اور خالص بیج جو دوائی کے ذریعہ صاف اور بیماریوں سے محفوظ کئے گئے ہوں۔ اچھی اور زیادہ پیداوار کی ضمانت ہوتے ہیں۔ ان کے استعمال سے روئیدگی پورے طور پر ہوتی ہے، کھیت بیک وقت پکتا ہے اور فصل بیماریوں سے محفوظ رہتی ہے ایک بڑی پُرانی کہاوت ہے کہ ''بیج پاؤ چُن کے پانی پیو پن کے'' محکمہ زراعت نے سالہا سال کے تجربوں سے بُرے اچھے بیج تیار کئے ہیں جن میں علاقوں کی آب و ہوا کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے اور یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ان ترقی دادہ بیجوں کے استعمال سے پیداوار میں 15-20 فیصد اضافہ ہو سکتا ہے متواتر اپنی زمین سے حاصل کردہ بیج استعمال کرنے سے بھی پیداوار کم

ہو جاتی ہے۔اس لئے کبھی کبھی دوسرے علاقوں سے بیج بدل لینا چاہئے۔ یہ ایک صورت میں کراس بریڈنگ بھی ہو جاتی ہے جس سے پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے۔

زراعتی تجربہ گاہوں میں ایسے تجارب بھی کئے جا رہے ہیں کہ سال میں ایک ہی فصل دو دفعہ ہو جائے۔مشرقی پاکستان میں بعض علاقوں میں دھان کی تین فصلیں سال میں ہو جاتی ہیں،اب مغربی پاکستان کی آب و ہوا کے مطابق بھی باسمتی کی بعض ایسی قسمیں دریافت کر لی گئی ہیں جو 120 دن کی بجائے 90-80 دن میں تیار ہو سکتی ہیں۔سندھ کے ڈوگری فارم میں تو باسمتی کی ایسی قسم بھی دریافت کر لی گئی ہے جس کے پھلنے پھولنے کا کلیتۂ انحصار پانی پر نہ ہوگا بلکہ دوسری فصلوں کی طرح اسے بھی پانی دیا جا سکے گا اس لئے امید کی جاتی ہے کہ وہ دن زیادہ دور نہیں جب زمیندار تھوڑی سی محنت سے چاول کی دو فصلیں برداشت کر سکیں گے۔ پاکستانی باسمتی کی بیرونی ممالک میں بہت زیادہ مانگ ہے۔

بعض بیج خاص علاقوں میں زیادہ کامیاب ہوتے ہیں اس لئے محکمہ زراعت سے مشورہ کر لینا چاہئے ان بیجوں کو اگر صحیح طریق پر کاشت کیا جائے تو پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے اس غرض کے لئے محکمہ زراعت نے ہل دینے کے لئے فصلوں کو قطاروں میں کاشت کرنے کے لئے پودوں کے درمیان صحیح فاصلہ رکھنے کے لئے اور فصلوں کی تلائی کے لئے آلات کشاورزی ایجاد کئے ہوئے ہیں جن سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

بعض اوقات ساری احتیاطوں کے باوجود فصل کو کیڑا لگ جاتا ہے یا بیماری لگ جاتی ہے اس کے انسداد کے لئے زہریلی دوائی کا استعمال اور چھڑکاؤ مفید ہوتا ہے اس ضمن میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ پاکستان واحد ملک ہے جس میں نباتات کی حفاظت کا تمام انتظام حکومت کی طرف سے بلا معاوضہ کیا جاتا ہے۔زمینداروں کی فصلوں اور باغات پر جراثیم کش ادویات چھڑکنے کے لئے ان سے کوئی قیمت نہیں لی جاتی حالانکہ حکومت کا کڑوروں روپیہ خرچ ہوتا ہے فصلوں کو بیماریوں سے بچانے کے لئے اگر خرچ بھی کرنا پڑے تو بھی اس سے اجتناب نہیں کرنا چاہئے کیونکہ فائدہ خرچ کی

نسبت بہت زیادہ ہے۔

اپنے اپنے علاقوں میں محکمہ زراعت کے کارکنوں سے رابطہ پیدا کریں۔ان کارکنوں کے فرائض میں بہتر قسم کا بیج مہیا کرنا کیمیاوی کھادیں مہیا کرنا اوران کے استعمال کے مشورے دینا، فصلوں اور باغات کی بیماریوں اور کیڑوں سے حفاظت کرنا اور زمینداروں کی کاشتکاری کا جدید طریقوں سے تعلیم دینا شامل ہے۔حکومت نے اس زرعی توسیعی عملہ کو زمینداروں کے دروازوں تک، پہنچا کر اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ زمیندار اِن کی خدمات اور مشوروں سے فائدہ اٹھا کر اپنا فرض کب ادا کرتے ہیں یہ باتیں عام اورابتدائی ہیں ہر زمیندار جانتا ہے اور ان کا مشاہدہ کرتا ہے۔مگران باتوں کا اعادہ کرنا ضروری ہے کیونکہ بار بار کی یاددہانی سے انسان فائدہ اٹھا ہی لیتا ہے۔زرعی پیداوار میں اضافہ کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے قوم اور ملک پر نہیں بلکہ اپنے آپ پر احسان ہے۔ ہماری اوسط پیداوار فی ایکڑ بہت کم ہے دوسرے ممالک نے اوسط پیداوار میں بہت ترقی کی ہے ہم بھی کر سکتے ہماری زمین زرخیز ہے ہم صلاحیت بھی رکھتے ہیں جسے بروئے کار لانے کی ضرورت ہے جن زمینداروں نے عقل اور سمجھ سے کام لے کر حکومت کی مہیا کردہ سہولتوں سے فائدہ اٹھایا ہے انہوں نے ترقی کی ہے۔

باغات بڑے فائدہ مند ہیں نقد آور فصلوں مثلاً کماد، آلو، ہلدی اور پیاز وغیرہ کی کاشت سے لوگ بہت فائدہ حاصل کر رہے ہیں جن علاقوں سے کماد شوگر ملوں میں لے جایا جا سکتا ہے ان زمینداروں کے لئے اس کی کاشت میں بہت نفع ہے۔آلو، ہلدی، پیاز اوراسی قسم کی دیگر سبزیوں کی کاشت کے راستہ میں بعض زمینداروں نے خودساختہ نفسیاتی دیواریں حائل کی ہوئی ہیں جنہوں نے یہ دیوار گرادی ہے وہ فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔

مغربی پاکستان میں بنیادی خوراک گندم ہے اور یہاں وسیع پیمانے پر کاشت ہوتی ہے عام اندازے کے مطابق زیر کاشت رقبہ میں سے ایک تہائی بارانی ہوتی ہے اور دوتہائی نہری یا چاہی بارانی کاشت غیر یقینی ہوتی ہے۔اگر وقت پر بارش نہ ہونے کی وجہ سے بارانی فصل ناکام ہوجائے

تو آپ تصور کریں کہ جس ملک میں گندم پہلے ہی ضرورت سے کم ہوتی ہو وہ کس قسم کے غذائی بحران سے دو چار ہو جائے گا۔ اس کا ایک حل یہ ہے کہ باہر سے گندم درآمد کی جائے جیسا کہ اب ہو رہا ہے مگر زیادہ باعزت اور پُروقار حل یہ ہوگا کہ خریف کے غلہ کی پیداوار میں اضافہ کیا جائے۔ یہ کہاوت بھی ہے۔ ’’کال جدوں کڈھے ساؤنی کڈھے‘‘۔ چاول، مکئی، جوار، باجرہ خریف کے خوردنی اجناس ہیں۔ چاول کی طرف تو زمینداروں کی توجہ ہے مگر دوسری جنسوں کی طرف ابھی اس زاویہ سے توجہ نہیں کی گئی جس سے یہ قومی مسئلہ بن جائے۔ موسم خریف میں بارشیں یقینی ہوتی ہیں جن کی مدد سے یہ اجناس کاشت کی جاسکتی ہیں بارانی علاقوں میں ان فصلوں کی کاشت کی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

مکئی

مکئی کی فصل بڑی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ عام طور پر گندم کے مقابلہ میں ڈیڑھ گنا اور جوار باجرہ سے قریباً دگنی پیداوار دیتی ہے اس لئے غذائی قلت دور کرنے میں یہ اہم کردار ادا کرسکتی ہے۔ ہائی برڈ یعنی دوغلی مکئی کو رواج دینا چاہیئے۔ دیسی مکئی سے اس کی پیداوار ڈیڑھ گنا سے بھی زیادہ ہے۔ 40۔45 من فی ایکڑ اس کی عام اوسط ہے کالا باغ ہیں تو 80 من فی ایکڑ تک پیداوار ہوتی ہے اس کی کاشت کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کی پیداوار خواہ کتنی زیادہ کیوں نہ ہو جائے مانگ کے مقابلہ میں ہمیشہ کم رہے گی انسانوں کے علاوہ جانوروں کی خوراک میں مکئی کو شامل کر کے ان کو زیادہ موٹا کر کے زیادہ گوشت حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہ ہمارے ایک اور قومی مسئلہ کا حل بھی ہوگا، مکئی زود ہضم اور قوت بخش غذا ہے امریکہ میں 90 فیصد مکئی جانوروں کو کھلائی جاتی ہے غرض اس کی پیداوار خواہ کتنی بڑھ جائے ہمارے لئے کوئی کھپت کا مسئلہ پیدا نہیں کرے گی کیونکہ فالتو مقدار برآمد کی جاسکتی ہے۔

کپاس

کپاس کی کئی اقسام ہیں اور سارے مغربی پاکستان میں یہ کامیابی کے ساتھ کاشت ہوسکتی

ہے مگر گرم وخشک آب وہوا اور بھاری میرا زمین میں زیادہ فائدہ دیتی ہے۔ بنیادی طور پر کپاس ایک علاقائی فصل ہے اس پر زمین اور آب وہوا کے فرق کا بہت اثر ہوتا ہے ایک ہی قسم ہر علاقہ میں کامیاب نہیں ہوتی حکومت نے بہت سے تجربوں کے بعد علاقوں کی تعیین کر دی ہے جن میں مختلف اقسام زیادہ پیداوار دیتی ہیں۔ زمینداروں کو چاہئے کہ اپنے ہاں صرف وہی اقسام کاشت کریں جو حکومت نے ان علاقوں کے لئے مخصوص کی ہوئی ہیں۔ اس کی اہمیت کو جاننا اس لئے بھی ضروری ہے کہ بین الاقوامی منڈیوں میں کپاس کی بہت مانگ ہے۔ کارخانہ داروں کے نقطہ نظر کو کوئی ملک نظر انداز نہیں کر سکتا ان تجارتی منڈیوں میں روئی کی قیمت کا انحصار روئی کی نفاست اور ریشہ کی لمبائی اور طاقت پر ہوتا ہے اور بنولے کی قیمت کا تیل کی مقدار پر مختلف اقسام کو غلط ملط کر دینے سے قیمت صحیح نہیں ملتی اور نہ ہی معیاری مال منڈیوں میں پیش کیا جا سکتا ہے جس سے ملک کی تجارتی ساکھ کو نقصان پہنچتا ہے۔

پاکستان کا ایک اور اہم مسئلہ جس کا زراعت سے گہرا تعلق ہے پانی کی کمی کا ہے اس کے مختلف حل سوچے جا رہے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو حکومت کی سطح پر ہی ہو سکتے ہیں جیسا کہ سندھ طاس کا منصوبہ یا سیم اور تھور سے متاثرہ وسیع علاقوں کو ٹیوب ویل کی امداد سے دوبارہ قابل کاشت بنانا مگر بعض حل ایسے ہیں جن کا افراد سے تعلق ہے مثلاً آب پاشی کے علاقوں میں بیل کو انجن سے بدل لینا یہ وقت کی بڑی اہم ضرورت ہے۔ عجیب بات ہے کہ جو سفر پہلے لوگ پیدل یا بیل گاڑیوں پر کیا کرتے تھے اس کے لئے گھوڑوں پر بھی قناعت نہیں کی جاتی۔ برقی رفتار سے ہم سفر کی منازل طے کرنا چاہتے ہیں ریل گاڑی میں اکثر اس وجہ سے سفر نہیں کیا جاتا کہ بس جلدی پہنچ جاتی ہے اور زیادہ دیر انتظار بھی نہیں کرنا پڑتا۔ اپنے مکان پرانی طرز کے جو دو کوٹھڑیوں اور دالان پر مشتمل ہوتے تھے نہیں بناتے۔ چنگیر کے اردگرد بیٹھ کر بھی کھانا پسند نہیں کرتے میز کرسی کی تلاش میں رہتے ہیں۔ مگر پرانی ڈگر سے ہٹ کر اس مشینی طاقت کا استعمال ہم فرسودہ طریق آبپاشی کی بجائے کرنے کے لئے تیار نہیں۔ درست ہے کہ اس کے لئے سرمایہ درکار ہے۔ مگر وہ مہیا ہو سکتا ہے

امداد باہمی کے اصولوں پر ایک سے زیادہ زمیندار مل کر ٹیوب ویل لگا لیں اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو حکومت کی طرف سے قائم کردہ زرعی ترقیاتی بنک زمینداروں کی خدمت کے لئے موجود ہیں وہ اس کے لئے اور زرعی ضروریات مثلاً خرید کھاد و آلات کشاورزی کے لئے قرض دے دیتے ہیں۔ اس سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ٹیوب ویل نصب کر کے اپنی آمدنی میں اضافہ کرنا چاہئے۔

اگر زمیندار محنت کے عادی بن جائیں اور خدا تعالیٰ کی عطا کردہ استعدادوں کو حرکت میں رکھیں تو رزق کی فراوانی کے بہت سے دروازے کھلے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۙ فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۙ

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۙ

(الرحمٰن 11-14)

اس زمین کو ہم نے مخلوق کے فائدہ کے لئے بنایا ہے۔ اس میں مختلف قسم کے اثمار اور کھجوریں اور مختلف قسم کے اناج ہیں۔ اے جن و انس! تم اپنے رب کی کس کس نعمت سے انکار کرو گے؟

خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کی پوری قدردانی نہ کرنا بھی بعض اوقات انسان کو بالآخر ان سے محروم کر دیتا ہے تو کیوں نہ جو کچھ ہمیں عطا ہوا ہے۔ اُسے پورے طور پر بروئے کار لا کر مزید نعمتوں کے امیدوار بنیں اور خدا تعالیٰ کی صفت ربوبیت کے مظہر بنیں۔

(الفضل 22-23 نومبر 1962ء)

زراعت میں بہتری لانے کے لئے اعلانات

کاشتکاروں کو مفید مشورے دینے کے لئے آپ کی طرف سے اخبار الفضل میں اعلانات کا بھی سلسلہ جاری رہا۔

☆ گندم کی کاشت — الفضل 14 اکتوبر 1966ء

☆ سبز کھاد — الفضل 4 مئی 1967ء

☆ کماد کی بیماری — الفضل 5 مئی 1967ء

☆ غذائی قلت اور ہمارا فرض الفضل 20 اپریل 1967ء

بطور نمونہ یہ اعلان پیش ہے

غذائی قلت اور ہمارا فرض

مجلس مشاورت کے موقع پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے احباب جماعت کو کھانے پینے کی عادات میں تبدیلی کرنے کی طرف توجہ دلائی تھی کہ غذا کے لئے صرف ایک جنس پر انحصار نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی متنوع نعمتوں کو اس کا شکر بجالاتے ہوئے استعمال کرنا چاہئے۔

ہمارا ملک اس وقت جس غذائی قلت کے بحران سے دوچار ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ مغربی پاکستان میں ہمارا انحصار کلیۃً گندم پر ہے اور ہم بعض دیگر اجناس مثلاً مکئی، باجرا وغیرہ کو نظر انداز کرتے جا رہے ہیں کچھ عرصہ پہلے دیہات میں مکئی بڑے شوق سے استعمال ہوتی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ ہمارے بچپن میں تمام زمیندار گھروں میں گندم کے ہوتے ہوئے بھی مکئی اور باجرا کی روٹی کا عام استعمال تھا اور سب ہی بڑے شوق سے کھاتے تھے۔ اور بعض علاقوں میں اس کو گندم پر ترجیح دی جاتی تھی۔ غذائیت کے لحاظ سے خوراک کے تمام اجزاء، نشاستہ، لحمیات اور روغنیات اس میں وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے یہ صحت بخش غذا ہے۔ مگر اب ہم مکئی کا آٹا تقسیم ہوتے دیکھ کر ناک بھوں چڑھاتے ہیں بلکہ احساس کمتری اس حد تک ہے کہ گندم کے مقابلہ پر مکئی کی روٹی کو پسماندگی کی دلیل خیال کیا جاتا ہے اور یہی مکئی اگر کارن فلیگ کی شکل میں کھانے کی میز پر رکھی جائے تو بلند معیار زندگی کی علامت خیال کی جاتی ہے۔

اگر ہم اپنی کھانے پینے کی عادات میں خوشگوار تبدیلی پیدا کرلیں اور محض گندم پر انحصار کی بجائے خریف کی اجناس مکئی باجرہ وغیرہ کو بھی اپنی خوراک میں مناسب جگہ دیں تو ہم آسانی سے انشاء اللہ غذائی قلت کو دور کر سکیں گے ایک زمیندار کی کہاوت ہے۔ کال جدوں کڈھے ساؤنی کڈھے کونین کڑوی ہی ہوتی ہے خواہ اس پر چینی چڑھی ہو۔ دست سوال دراز کرنے سے سونا بھی

مل جائے تو وہ بھیک ہی ہے۔

ہماری قومی غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ گندم کی بھیک مانگنے کی بجائے اپنے کھانے پینے کی عادات بدلیں۔ دوسروں کے دست نگر ہو کر سیر ہونے کی بجائے پیٹ پر پتھر باندھ کر ملکی پیداوار میں اضافہ کریں۔ اور اس طرح نہ صرف خود کفیل ہوں بلکہ دوسروں کی بھی کفالت کریں جب ہم دوسروں کی کفالت کریں گے اس وقت ہی ہم بحیثیت قوم دنیا میں سرفراز ہوں گے۔

(الفضل 20 اپریل 1967ء)

غیر مطبوعہ مضامین

آپ کے ریکارڈ سے دو مضامین ایسے ملے ہیں جو آپ کی تحریر ہیں مگر طبع نہ ہو سکے۔ گو یہ مضامین آج سے دہائی دو دہائی قبل لکھے گئے ۔ مگر آج بھی ان مضامین کی معاشرہ کو ویسے ہی ضرورت ہے جیسے تحریر کے وقت تھی۔

یہ دو مضامین درج ذیل عناوین سے ہیں۔

1- بڑھتی ہوئی عالمگیر بے چینی کی وجوہ اور اُن کا علاج

2- حسد

1- بڑھتی ہوئی عالمگیر بے چینی کی وجوہ اور اُن کا علاج

موجودہ دُنیا کے حالات پر اگر سرسری سی نظر بھی ڈالی جائے تو یہ بات بالکل واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ آج کی دنیا میں افراد اپنی انفرادی حیثیت میں اور قومیں اور ملک اپنے اجتماعی رنگ میں ایک اضطراب، ایک انتشار اور ایک سخت قسم کی بے چینی کا شکار ہیں۔

ساری دُنیا کے حالات پر نگاہ نہ بھی دوڑائیے۔ آپ اپنے گرد و بیش کو ہی دیکھیں اپنے ماحول پر نظر کریں۔ اپنے دوستوں اور ملنے والوں سے ملیں تو آپ کو ہر طرف یہی سنائی دے گا کہ ہم سب بے چینی کا شکار ہیں اور صرف سنائی نہیں بلکہ دکھائی بھی دے گا کہ واقعی ایسا ہی ہے اور ہر آن اس بے چینی میں اضافہ بھی ہو رہا ہے۔

آج کا انسان اس بے چینی کا کیوں شکار ہے اس کی وجوہ کیا ہیں اور پھر اس کا علاج کیا ہے۔ یہ ہے وہ موضوع جس پر نسبتاً زیادہ تفصیل کے ساتھ مجھے اپنی گزارشات پیش کرنا ہیں۔

عالمگیر سطح پر آج سب سے بڑھ کر جس بے چینی کو محسوس کیا جا رہا ہے۔ وہ روحانی اور اخلاقی بے چینی ہے۔ دل پریشان ہیں۔ دماغ مضطرب ہیں۔ خیالات میں بے قراری اور عدم سکون ہے

یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے انسان اندھیرے میں ٹامک ٹوئیے مار رہا ہے اور اُسے کچھ سُجائی نہیں دیتا۔جس مقصد کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے وہ اس کی آنکھوں سے یکسر اوجھل ہے۔اور قلوب جو خالق کی تجلی گاہ تھے وہ خدا کے تصور سے بھی ناآشنا ہو کر رہ گئے ہیں۔زندگی میں ہی انسان اُلجھ کر رہ گیا ہے۔اور یہی اُس کا مقصود و مطلوب ہو کر رہ گیا ہے۔

گوبر کی تہہ کے نیچے کیڑا جو دب رہا ہے
اسکے گماں میں اُس کا ارض و سما یہی ہے

اخلاقی اعتبار سے بھی انسان گراوٹ کا شکار ہے نیکی و بدی کی تمیز مٹتی جارہی ہے اور انسان عملاً حیوانیت کا مظہر بنا ہوا ہے۔

دوسری بے چینی تمدن اور معاشرے کے لحاظ سے ہے۔عام انسانی عزت و مساوات کا تصور ختم ہوتا جارہا ہے۔غلط قسم کا قومی اور ملکی تفاخر بلکہ جاہلانہ تنفر اور تکبر بڑھ رہا ہے۔قوموں اور ملکوں میں عداوت و رقابت کے جذبات ترقی پذیر ہیں۔انسانی سطح پر انسان،انسان کا دشمن نظر آتا ہے ہمسائیوں،رشتہ داروں بلکہ والدین اور اولاد تک سے وہ سلوک نہیں جو ہونا چاہئے ہر طرف ایک نفسا نفسی کی فضا اور حرص اور لالچ کا دور دورہ ہے ملکوں اور قوموں کو دیکھا جائے تو ہوس ملک گیری نمایاں ہے۔

طاقتور کمزور کو دبانے پر تُلا ہوا ہے۔جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملہ ہے۔دنیا دو بڑے متحارب گروہوں اور کیمپوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔اور ہر کیمپ دوسرے کو اپنی گرفت اور شکنجے میں لینے کے لئے تگ و دو کر رہا ہے۔کبھی دھونس سے،کبھی دھاندلی سے اور کبھی جھوٹ سے اور ڈپلومیسی سے۔اسی کا نتیجہ ہے کہ دنیا ایک اور بڑی ہولناک جنگ کے دھانے پر کھڑی نظر آتی ہے۔ہر طرف جنگ کا جنون ترقی پر ہے۔اسلحہ کی دوڑ میں ہر کوئی آگے نکلنے کی کوشش کر رہا ہے۔چاند پر جانا سائنسی نقطہ نگاہ سے خواہ کتنا ہی خفیہ کیوں نہ ہو ایٹم کی ایجاد اپنے مفید استعمال کے خیال سے کتنی ہی اہم کیوں نہ ہو ان سب کے پیچھے جو خیال کارفرما ہے۔وہ بھی درحقیقت یہی قوموں کی برتری کی دوڑ

اور دوسروں کو دبانے اور اُن پر چھا جانے کی سعی اور کوشش ہی ہے۔

تیسری قسم کی بے چینی جو شدت کے ساتھ محسوس ہوتی جا رہی ہے اس کا تعلق آج کی اقتصادیات کے ساتھ ہے۔ اور فی الحقیقت یہ بے چینی ایسی ہے کہ انفرادی اور اجتماعی لحاظ سے اس کا احساس مادی اور ظاہری طور پر سب سے نمایاں اور تیز نظر آتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عالمی سطح پر لوٹ کھسوٹ کا ایک بازار گرم ہے۔ غریب قرضوں کے تلے دبے جا رہے ہیں اور سود اور تجارتی مفادات فروخت کر کے بڑے ملکوں کی غلامی کو قبول کرتے چلے جا رہے ہیں۔ داخلی طور پر ہر ملک کا کارخانہ دار اور مزدور، امیر اور غریب، آقا اور ملازم کے جھگڑوں کا شکار ہے۔ ہر طرف گھیراؤ اور جلاؤ کے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ کہیں کمیونزم، کہیں کیپٹلزم، کہیں سوشلزم اور کہیں کوئی اور نظام اپنی جڑیں مضبوط کرنے کی کوشش میں مصروف نظر آتے ہیں۔ اور اس بڑھتی ہوئی بے چینی کا علاج اپنے زعم میں کرنا چاہتے ہیں۔

عام طور پر یہی تین قسم کے اضطراب ہیں جن سے آج کی دُنیا اور اس دنیا کے رہنے والے انفرادی یا اجتماعی طور پر دوچار ہیں اور درحقیقت یہ وہی کیفیت اور وہی نقشہ ہے جسے قرآن کریم نے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کے مختصر لیکن نہایت ہی جامع اور معنی خیز جملے میں ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔

اب میں اُن وجوہ کے بارے میں عرض کرتا ہوں جن کی بناء پر یہ بے چینی پائی جاتی ہے اور ہر آن بڑھتی چلی جاتی ہے۔

ان تمام بے چینیوں کی اصل اور واحد وجہ تو درحقیقت ایک ہی ہے اور وہ ہے خداشناسی کا فقدان۔ سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ انسان اپنے پیدا کرنے والے کو بھول گیا ہے اُسے اپنی زندگی کے مقصد کا کوئی علم نہیں۔ صرف اسی زندگی اور اسی دنیا کے بارے میں وہ جانتا اور اس میں منہمک ہے۔ آخرت کی زندگی سے بالکل بے خبر ہے۔ طبائع کا رُخ اور رجحان خدا کی طرف ہونے کی بجائے اپنے نفس اور اُس کے تراشیدہ مقاصد و عزائم ہی کی طرف ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَاقَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ افسوس کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات اوراس کی ذات کو پہچاننے کا جو حق تھا اُسے بالکل بھلا دیا ہے۔ اور آج اسی ''خدا فراموشی'' کی سزا انسان بھگت رہا ہے۔ قرآنی اصطلاح میں بے چینی اور تکلیف کی اس زندگی کو ''مَعِیْشَۃً ضَنْکاً (طٰہٰ:125)'' کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ۔

اللہ تعالیٰ سورۃ طٰہٰ میں فرماتا ہے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیْشَۃً ضَنْکاً نَحْشُرُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَعْمٰی o قَالَ رَبِّ لِمَا حَشَرْتَنِیْ اَعْمٰی وَقَدْ کُنْتُ بَصِیْرًا o قَالَ کَذَالِکَ اَتَتْکَ اٰیٰا تُنَا فَنَسِیْتَھَا وَکَذَالِکَ الْیَوْمَ تُنْسٰی:(طٰہٰ:125-127)

کہ جو شخص میرے ذکر سے اعراض کرے گا اور میرے یاد دلانے کے باوجود میرے احکام سے منہ موڑے گا اُسے تکلیف دہ اور بے چین کر دینے والی زندگی ملے گی۔ ہم ایسے شخص کو قیامت کے دن اندھا ہونے کی حالت میں اُٹھائیں گے۔ اور وہ کہے گا کہ اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اُٹھایا ہے حالانکہ میں خوب بصارت وبصیرت رکھنے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرمائے گا کہ ہاں اس طرح تمہارے پاس میری آیات آئی تھیں لیکن تو نے اُن کو بھلا دیا۔ پس آج کے دن تو بھی اس کی سزا پائے گا اور تجھے ہم یکسر نظر انداز کر دیں گے۔

یہ نظارہ کہ انسان اللہ تعالیٰ کی آیات کو بھلانے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض کرنے کے نتیجے میں قیامت ہی کے دن سزا پائے گا صرف قیامت اور بعد الممات زندگی سے ہی متعلق نہیں بلکہ اس سزا کا ایک جلوہ انسان اس زندگی اور اس دُنیا میں بھی دیکھ لیتا ہے۔ چنانچہ روحانی نقطہ نگاہ سے آج کی بے چینی کی اصل وجہ بھی یہی ''اِعْرَاض عَنْ ذِکْرِ اللّٰہ'' ہی ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَہٗ شَیْطَانًا فَھُوَ لَہٗ قَرِیْنٌ (الزخرف37)

کہ جو شخص خدائے رحمان کے ذکر سے بے اعتنائی برتتے ہیں ہم اس کے لئے شیطان کو

مقرر کر دیتے ہیں جو اُس کا ساتھی اور دوست بن جاتا ہے۔

پس اس لحاظ سے بھی آج انسان جس اضطراب اور تکلیف کا شکار ہے یہ وہی شیطانی اثرات ہیں جو ذکرالرحمٰن سے غفلت کے نتیجے میں پیدا ہونے لازمی تھے۔

ذکراللہ سے بے رغبتی اور خداشناسی کا فقدان صرف روحانی بے چینی یا اخلاقی اضطراب ہی کا باعث نہیں۔ بلکہ جیسا کہ میں آگے چل کر نسبتاً زیادہ تفصیل کے ساتھ عرض کروں گا تمام تر انتشار اور بے چینی کی اصل اور حقیقی وجہ یہی ہے اور اس ایک مرکزی نقطہ اور بنیاد کے اردگرد باقی سب وجوہ گھوم رہی ہیں۔

اسی ایک وجہ کے نتیجہ میں ہماری تعلیم کا نظام ناقص ہے۔ ہماری تربیت اور تصور اخلاق کا ہر پہلو کمزور ہے اور ہماری زندگی کا ہر رُخ تاریک اور بھیانک ہے۔

دوسری بے چینی تمدن اور معاشرت سے متعلق ہے۔ عام طور پر اس بے چینی کی جو وجود سمجھی جاتی ہے اُن میں سب سے بڑی وہ عالمی کشمکش ہے جو بڑی اور چھوٹی قوتوں میں یا خاص طور پر دنیا کے دو بڑے متحارب گروپوں میں پائی جاتی ہے۔ آج دنیا دو کیمپوں میں بٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ امریکہ اور اُس کے حلیف روس اور اُس کے حواری یہ دونوں طاقتیں باہم یوں ٹکرا رہی ہیں کہ ہر قوم اور ہر انسان اس سے متاثر ہے۔

قرآن کریم نے اس آویزش باہمی اور کشمکش کا ذکر کرتے ہوئے خاص طور پر ان قوموں کا ذکر فرمایا ہے۔ اور انہیں یاجوج اور ماجوج کے نام سے ذکر کیا ہے۔ فرمایا

اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ (الکہف:95)

اور وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ (الانبیاء:97)

یعنی یاجوج اور ماجوج زمین میں سخت قسم کا فساد پیدا کر رہے ہیں اور وہ ہر گھاٹی اور ہر موڑ پر دوڑتے ہوئے چلے آ رہے ہیں اور اپنے اثرات کو وسیع سے وسیع تر کرتے چلے آ رہے ہیں۔

یاجوج اور ماجوج کا یہ فتنہ اس قدر فساد فی الارض کا باعث بننے والا تھا کہ حدیث

شریف میں اسے دجال کا فتنہ بیان کر کے امت محمدیہ اور عالم انسانیت کو اس سے ہوشیار اور آگاہ کر دیا گیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اس فتنہ سے انسانوں کو ہوشیار نہ کیا ہو۔

یاجوج و ماجوج اور دجال کا یہ فتنہ صرف ہوس ملک گیری تک ہی محدود نہیں بلکہ روحانیت و اخلاق، معیشت و معاشرت اور علم و ذہن کے ہر حصے کو اپنے زہروں سے متاثر کرنے والا ہے۔ مغربی اقوام جس رنگ میں فساد فی الارض کا باعث بن کر عالم انسانیت کو پریشانی کے گہرے سمندروں میں دھکیلتی چلی جارہی ہیں اُس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ ایک اور نقطہ نظر سے بھی یہ طاقتیں فساد اور انتشار پر تلی ہوئی ہیں اور وہ یہ کہ یہ اقوام جو زیادہ تر مادہ پرست اور عیسائی عقائد سے تعلق رکھتی ہیں۔ انہیں اس امر کا احساس ہوتا چلا جارہا ہے۔ کہ اسلام اب پھر دُنیا پر غالب آنے والا ہے اور اس نشاۃ ثانیہ کے آثار نظر آنا شروع ہو گئے ہیں۔ چنانچہ اس خطرہ کے احساس کے پیش نظر یہ دجالی طاقتیں خاص طور پر اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہتی ہیں۔ اور اس طرح وہ بظاہر اسلام کو مٹانے کے لئے لیکن درحقیقت ساری انسانیت کو روندنے کے لئے تیار ہو گئی ہیں۔ عالم اسلام کے لئے صیہونیت جیسی تحریکیں بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی اور انہی کوششوں کا ایک حصہ ہیں۔ اس کے نتیجہ میں خود یہ قومیں بھی روحانی اور اخلاقی اور تمدنی اور معاشرتی طور پر زنگ آلود ہو کر انتشار و بے قراری کا شکار ہیں۔ اور باقی دنیا کو بھی اسی لپیٹ میں لئے ہوئے ہیں۔

قوموں اور ملکوں کا حکومتی نظام بھی ان بے چینیوں کا ایک سبب ہے۔ کسی جگہ جمہوریت اپنی متعدد شکلوں کے ساتھ، کسی جگہ صدارت یا بادشاہت کا نظام، کسی جگہ مارشل لاء اور ڈکٹیٹر شپ یا فاشزم یہ سب نظام اپنی خرابیوں کے ساتھ اس طور پر دُنیا میں مسلط ہیں کہ میٹھے زہر کی طرح انسانوں کے رگ و پے میں سرایت کرتے چلے جارہے ہیں اور انقلاب و بغاوت اور احتجاج و استبداد اور حکومتوں کے تختے اُلٹنے کی سازشیں اور تدبیریں سب اُس بے چینی کا اظہار ہیں جو ان نظام ہائے حکومت کے نتیجے میں انسانوں کے لئے مقدر ہے۔

پھرافرادکودیکھئے۔باہمی اخوت ومحبت کا فقدان،ناروامعاشرتی امتیازات،نمودونمائش،مال ودولت کی ہوس،دوسروں کے حقوق کا اتلاف،فرائض کی ادائیگی سے اجتناب اورحقوق کے حصول کے لئے دوڑ دھوپ۔نقصان جوایک پیسے کا دیکھیں تو مرتے ہیں۔یہ سب امورایک مجموعی بے چینی کامنبع ومرکز ہیں۔

تیسری بے چینی اقتصادی مشکلات کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔اس کی بڑی وجہ بھی دنیا کے متعدد اقتصادی نظاموں کا غلط اور بے محل ہونا ہے۔جس کے نتیجہ میں امیر،امیر سے امیر تر ہوتا چلا جارہاہےاورغریب،غربت کی چکی میں روز بروز زیادہ سے زیادہ پستا چلا جارہا ہے۔افراد کا بھی یہی حال ہےاورقوموں اورملکوں کا بھی۔امیر قومیں اورامیر ملک کبھی قرضوں کے ذریعہ کبھی کسی امداد کا نام دے کر اور کبھی کسی اور دھونس اور دھاندلی کے نتیجے میں غریب قوموں کو دباتی چلی جارہیہیں۔

سودی نظام کے خبیث اثرات انسانی اقتصادیات کوگھن کی طرح کھاتے چلے جارہے ہیں۔ افراد معاشی بدحالی کا شکار ہیں۔روزگار کے مواقع کم ہیں۔اخراجات اور معیار زندگی بڑھتے جا رہے ہیں۔سادگی اورمحنت کی بجائے تکلف،تعیش اورتن آسانی کی طرف انسان کا میلان بڑھ گیا ہے۔قناعت کی بجائیحرص اورہوس غالب ہےجس کے پاس ایک ہے وہ سو(100) چاہتا ہےجس کے پاس ہزار ہے وہ لاکھ کا خواہاں ہے۔انسانی حرص کا یہ عالم ہے کہ سوائے قبر کی مٹی کے اس کا منہ بند کرنے والی اورکوئی چیزنہیں۔

کم وبیش یہی وہ امور ہیں جوآج کی بڑھتی ہوئی عالمگیر بے چینی کا اصل سبب اور وجوہ ہیں۔ اور یہ بھی بہت عجیب بات ہے کہ اس بے چینی کے عالم میں بھی انسان اپنی صحیح فطرت کے لحاظ سے کبھی کبھی اس بے چینی کا علاج بھی سوچتا ہےاوراس مرض سے چھٹکارا بھی حاصل کرنا چاہتا ہےلیکن جس طرح سیاہ اورتاریک بادلوں میں کبھی کبھی بجلی کا کوندا لپکتا ہے اور چکا چوند ہوجاتی ہےلیکن پھر گھُپ اندھیرا چھا جاتا ہے۔اسی طرح نورفطرت کی ایک وقتی چمک سے یہ خواہش توضرورابھرتی

ہے لیکن اس کے بعد اُسے دوام اور استقلال نصیب نہیں ہوتا۔ اور انسان پھر اُسی بے چینی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا چلا جاتا ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ انسان اپنے بُنے ہوئے جالوں میں سے باہر نہیں نکلتا۔ اور خدا کے اس نہاں درنہاں ہاتھ کو پکڑنے کی اصل سعی نہیں کرتا جو ایسے اندھیروں اور ظلمات سے انسان کو نکال باہر کرتا ہے۔ اس کی مثال اُس شخص کی طرح ہو جاتی ہے جو کسی رسی کی گرہوں کو کھولتے کھولتے اور گرہیں ڈال لے اور عقدہ کشائی کی کوششیں اُسے اور زیادہ پیچیدگیوں سے دوچار کر دیں۔

اب میں اپنے مضمون کے اس حصہ کی طرف آتا ہوں کہ اس بڑھتی ہوئی بے چینی کا اصل علاج کیا ہے۔ اور یہی درحقیقت اس مضمون کا اہم اور ضروری حصہ ہے۔

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ محض روحانی اور اخلاقی بے چینی ہی کا نہیں بلکہ تمام تر بے چینیوں کی اصل اور واحد وجہ خدا شناسی کا فقدان ہے اور اس کا ایک ہی علاج ہے یعنی خدا شناسی۔

ع اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما

اللہ تعالیٰ کی ذات کا عرفان تمام تر پریشانیوں اور ہموم وغموم کا علاج اور ہر بیماری کی دوا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ○ (الرّعد:29)

سنو! اور ہوشیار ہو کر سنو۔ اگر دل کا اطمینان چاہتے ہو۔ بے چینی اور پریشانی سے بچنا چاہتے ہو تو یہ سب چیزیں تو ذکر اللہ ہی میں ملیں گی۔

اگر انسان اس ایک بنیادی اور کلیدی بات کو سمجھ لے اور خدائے واحد کی ذات کا عرفان حاصل کر لے اور بصیرت و یقین کے ساتھ اپنے تعلق کو اپنے خالق کے ساتھ جوڑے تو نہ صرف اس کی تمام پریشانیوں کا مداوا ہو جائے گا بلکہ وہ دوسروں کے لئے بھی مسیحا ثابت ہوگا۔ یہی وہ مفہوم ہے جس کو ملحوظ رکھتے ہوئے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اس زمانے کا حصن حصین مَیں

ہوں اگر تم چوروں اور ڈاکوؤں سے بچنا چاہتے ہو تو میری طرف آؤ۔ میں خدا کی طرف سے ایک محفوظ اور مصون قلعہ ہوں۔

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے کہ سب برکتیں اسی کے تعلق سے انسان کو مل سکتی ہیں۔ سورہ نور آیت 26 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ آسمانوں کا بھی نور ہے اور زمین کا بھی۔ اس آیت کا یہی مفہوم ہے کہ انسان اپنے تعلق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط کرے تو اُس پر ارضی اور سماوی تمام نعماء کا نزول شروع ہو جائے گا۔

ایک اور جگہ قرآن کریم میں خاص طور پر اولیاء اللہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (یونس:63) جو لوگ خدا سے اپنے تعلق کو مضبوط کر لیتے ہیں انہیں نہ مستقبل کے بارے میں کوئی ڈر اور پریشانی ہوتی ہے اور نہ ماضی کے ہم وغم ان کو متاثر کرتے ہیں۔ کس قدر عجیب رنگ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ طمانیت قلب کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں۔ اسی کے آگے مزید اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِط لَاتَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ ذَالِکَ ھُوَالْفَوْزُ الْعَظِیْم (یونس 20-23)

کہ جو لوگ احکام خداوندی کو مانتے اور خدا ترسی کے ساتھ اپنی زندگیوں کو گزارتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ اُن کو پریشانیوں سے بچاتا ہے بلکہ ان کے لئے اس دنیا میں بھی انہیں ان خوشیوں اور مسرتوں کے سامان پیدا کرتا ہے اور اگلی دنیا میں بھی انہیں ان نعمتوں سے وسیع طور پر متمتع فرمایا ہے لَاتَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہ یہ ایک پختہ اصول ہے۔ جو ہر زمانے کے لوگوں کے لئے ہے۔ اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں۔ وَذَالِکَ ھُوَالْفَوْزُ الْعَظِیْم اس قسم کی کیفیت ایک بہت بڑی کامیابی اور انسان کی سرفرازی کی دلیل ہے۔

پس سب سے اول اور حقیقی علاج تو یہ ہے کہ انسان اپنے خدا کے ساتھ تعلق کو پیدا کرے اور اس کی توحید ذاتی وصفاتی پر پوری طرح ایمان لے آئے۔

توحید کا عقیدہ انسان کو اس امر کا احساس دلاتا ہے کہ اُس کا پیدا کرنے والا ایک خدا ہے۔ جس نے ساری مخلوقات کو انسان کے فائدے کے لئے اور اس کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے پیدا کیا ہے اور انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اعلیٰ ترین مدارج محبت کو طے کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر بن جائے۔ جن باتوں کو اختیار کرنے کے لئے وہ فرماتا ہے انہیں اختیار کیا جائے اور جن باتوں سے وہ روکتا ہے ان سے رُکا جائے۔ دنیا میں جو کام بھی کرے خدا کے احکام کے مطابق کرے۔ اگر انسان اس لائحہ عمل کو اختیار کر لے اور تقویٰ کے زیور سے اپنے آپ کو آراستہ کر لے تو یقینا تقویٰ اپنی تمام تر معنوی خوبیوں کے ساتھ ہر قسم کی پریشانیوں کے لئے اس کی ڈھال بن جائے گا۔ اور ایسا شخص بے چین اور مضطرب ہونے کی بجائے ''شریک زمرہ لایحزنون'' ہو جائے گا۔

مامور زمانہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

''اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے۔ تم سوئے ہوئے ہو گے اور خدا تعالیٰ تمہارے لئے جاگے گا۔ تم دشمن سے غافل ہو گے اور خدا اُسے دیکھے گا اور اُس کے منصوبے کو توڑے گا۔ تم ابھی تک نہیں جانتے کہ تمہارے خدا میں کیا کیا قدرتیں ہیں۔ اور اگر تم جانتے تو تم پر کوئی ایسا دن نہ آتا کہ تم دنیا کے لئے سخت غمگین ہو جاتے...... اگر تمہیں آنکھ ہو تو تمہیں نظر آجائے کہ خدا ہی خدا ہے اور سب ہیچ ہے۔ تم نہ ہاتھ لمبا کر سکتے ہو اور نہ اکھٹا کر سکتے ہو مگر اس کے اِذن سے۔ ایک مُردہ اس پر ہنسی کرے گا مگر کاش اگر وہ مرجاتا تو اس ہنسی سے اس کے لئے بہتر تھا۔ (کشتی نوح از روحانی خزائن جلد 19 ص 22-23)

توحید کے اس عقیدہ کی افادیت کو قرآن کریم نے ایک اور پہلو سے بیان فرمایا ہے۔ شرک کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے سورۃ یوسف میں آتا ہے۔

يٰصَاحِبَىِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ٥ (يوسف:40)

اے میرے قید خانہ کے ساتھیو! ذرا غور تو کرو کہ کیا مختلف اور متعدد خدا ہمارے لئے زیادہ بہتر اور مفید ہیں یا ایک ہی جو غالب اور قہار خدا ہے۔

ایک دوسری جگہ فرماتا ہے

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ط هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ط (زمر:30)

کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی حالت بیان کرتا ہے جس کے کئی مالک ہوں اور وہ آپس میں جھگڑتے بھی ہوں اور اختلافات بھی رکھتے ہوں اور ان کے مقابلہ پر ایک اور شخص ہے جو پورے کا پورا ایک ہی شخص کے ماتحت ہو۔ کیا یہ دونوں اپنی حالت میں برابر ہو سکتے ہیں۔

اس آیت میں مشرکین کی مثال ایسے شخص کی ہے جنہوں نے خدائے واحد کے علاوہ کسی نہ کسی شکل میں اور معبود بھی گڑھے ہوئے ہیں اور وہ خدا کی ذات میں ہی نہیں اور شرک جلی کر کے ہی نہیں بلکہ خدا کی صفات، اس کی اطاعت اور اُس کے افعال میں بھی اپنے اپنے زعم اور خیال میں دوسرے خدا بنا کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو اصل میں بے چینی اور اضطراب کا شکار ہیں اور گھاٹا پانے والے ہیں۔

خدا کا تقویٰ اختیار کرنے اور اس کی توحید پر ایمان لانے کا یہی مطلب ہے کہ انسان مصائب اور مشکلات سے بچ کر خدا کو اپنی ڈھال بنائے اور ایمان وسلامتی کی حدود میں داخل ہو جائے اور اس غرض کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو ہمارے لئے بطور دین پسند فرمایا ہے فرمایا۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران:20) وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ (آل عمران:86) اور ایک دوسری جگہ فرمایا

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً اور اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ۔ تمام تر اطاعت وفرمانبرداری اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہو جانی جائے۔

اسلام چیز کیا ہے خدا کے لئے فنا
ترک رضائے خویش پے مرضی خدا

اس کے نتیجہ میں انسان کے اندر ایک عظیم الشان اخلاقی اور روحانی انقلاب پیدا ہو جائے گا کہ وہ خدا کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط کر کے اس کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگین کرنے کی کوشش کرے گا۔ وہ کسی کا حق نہیں مارے گا۔ دوسروں پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کرے گا۔ دوسروں کے حقوق کو تلف کر کے رقابت وحسد اور بغاوت واضطراب کی آگ کو نہیں بھڑکائے گا۔ ملک ملک پر چڑھائی نہیں کریں گے۔ قومیں قوموں پر حملہ آور نہیں ہوں گی۔ غریب اور امیر کی کشمکش ختم ہو جائے گی۔ تمام لوگ اخوت ومحبت کی سلک میں پروئے جائیں گے۔ امیر خدا سے ڈرے گا۔ غریب اس کے گھر کو لوٹنے کی فکر میں نہیں ہوگا۔ تمدنی اور معاشرتی ناہمواریوں کے لئے کوئی موقع نہیں ہوگا۔ انسان پوری محنت کرے گا اور اپنے خدا سے بہتر سے بہتر نتائج کی توقع اور اُمید رکھے گا۔ باہم ہمدردی وخیر خواہی، مواساۃ ومساوات اور ایثار وامانت اور اخوت ومحبت کی ایک آسمانی فضا قائم ہو جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں دین اسلام کی تکمیل کا اعلان فرمایا۔ وہاں اسے اتمام نعمت کا بھی نام دے کر اس احسان عظیم کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو تعلیمات اسلامی پر عمل کرنے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اُس کے فضلوں کی شکل میں انسانوں کو مل سکتے ہیں۔ فرمایا

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

(المآئدة:4)

اسلام یہ بتاتا ہے کہ اس زندگی کے علاوہ ایک اور زندگی بھی ہے۔ اور وہ دائمی ہے اور اس کے مقابل میں اس دنیا کی زندگی ایک مزرعہ اور کھیتی کی حیثیت رکھتی ہے۔ آخرت کی زندگی کا یہ تصور جو اس دنیا کی زندگی سے بھی زیادہ یقینی اور قطعی ہے انسان کو تمام بُرائیوں سے روکنے کا محرک اور تمام حسنات کو حاصل کرنے کا ایک بہت بڑا سبب ہے اور اس لئے اسلام نے توحید اور آخرت کے

عقیدے کو ایمانیات کا اول و آخر ٹھہرایا ہے۔ باقی تمام امور ان دونوں کے درمیان آجاتے ہیں۔ اور جو بھی ان ایمانیات کو تسلیم کر لیتا ہے وہ درحقیقت اپنے آپ کو عافیت کے ایک عظیم الشان حصار میں قلعہ بند کر لیتا ہے اور اس میں اگر اس کو خدائی سنت کے مطابق اُسے کوئی بے چینی اور پریشانی لاحق ہوتی ہے تو وہ بوسد آن زنجیر را کز آشنا

اسے اپنے لئے اپنے ایک امتحان کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ ایسا امتحان جس میں کامیاب ہونے کے بعد وہ مزید انعامات خداوندی کا وارث اور مالک ثابت ہوگا۔

ایسے لوگوں کے لئے اس قسم کی پریشانی درحقیقت کوئی پریشانی ہی نہیں ہوتی۔ توکل، صبر اور برداشت کی توفیق اللہ تعالیٰ اُن کو اس طور پر عطا فرماتا ہے کہ وہ اس میں بھی ایک لذت محسوس کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے خود اپنی زندگیوں کو تلخیوں میں سے گزارنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں انہیں اگر کوئی تڑپ ہوتی ہے تو صرف یہی کہ وہ اپنے خالق کا پیار کسی طرح حاصل کر لیں اور اس کی مخلوق کی طرف اس پیار کو لوٹاتے چلے جائیں۔ ایک عشق اور جنون ان کے دل میں اللہ تعالیٰ پیدا کر دیتا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں وہ ایسے ایسے عظیم الشان کام کر جاتے ہیں کہ عقل محو تماشائے لب بام رہ جاتی ہے۔

تمدن و معاشرت یا اقتصادی بے چینیوں کے پیدا ہونے کی وجوہ بھی درحقیقت یہی ہے کہ انسان نے اپنے خالق سے اپنا ناطہ توڑا ہوا ہے اور جن احکام خداوندی کے ماتحت اسے زندگی گزار کر اپنے معاشرے اور اپنی معیشت کی بہتری کی راہیں اختیار کرنی چاہیں انہیں نظر انداز کر رہا ہے اسلام اپنے دامن میں ان تمام قسم کے زہروں کا تریاق رکھتا ہے۔ اس کی تعلیم کا ایک ایک جز و اس قدر حسین اور دلکش ہے کہ انسانی فطرت اگر کسی اور مصنوعی دباؤ کے نیچے نہ ہو تو خود بخود اس کی طرف مائل ہوتی چلی جاتی ہے۔

تمدن و معاشرہ کی ناہمواریوں کی سب سے بڑی وجہ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں۔ انسانی شرف کا تسلیم نہ کرنا اور عدم مساوات ہے۔ دنیا میں کوئی اور مذہب اور طریق زندگی ایسا نہیں جو

انسانیت کو یہ بلندی عطا کرتا ہو۔ جو اسلام نے عطا کی۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے اس سلسلہ میں بہت تفصیل کے ساتھ اپنے خطبات میں جماعت کو متوجہ فرمایا ہے۔ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان الفاظ کا ادا کرلینا کہ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اس ایک فقرے نے انسانیت کو زمین کی پستیوں سے اُٹھا کر آسمان کی رفعتوں تک پہنچا دیا ہے۔ اور انسانیت کو ایک ایسا لازوال شرف بخش دیا ہے کہ جس کا کوئی مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ کہہ کر اخوت و برادری کی ایک ایسی وسیع دنیا آباد کر دی ہے کہ کسی اور جگہ اس کی مثال نہیں مل سکتی قومیں اور ملک ایک دوسرے پر چڑھائی کرتی ہیں۔ زیادتی اور ظلم روا رکھتی ہیں۔ بے جا تکبر اور غرور کا شکار ہو کر دوسروں کی تذلیل پر اُتر آتی ہیں۔ فرمایا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ج (الحجرات:12)

اے ایمان والو! تم میں سے کسی قوم کو یہ نہیں چاہئے کہ وہ دوسری کسی قوم کو حقیر اور ذلیل سمجھے ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہو۔

انتشار اور بے چینی کی ایک وجہ غلط قومی تفاخر ہے۔ اسلام سے پہلے جاہلیت کے اثرات کے تحت اور پھر ہمارے اپنے ہاں برعظیم ہندو پاک میں ہندوانہ تہذیب کی وجہ سے تفاخر اس حد تک بھیانک ثابت ہوتا جا رہا ہے کہ کشت وخون اور جنگ وجدال کا ایک سلسلہ اس کے نتیجے میں جاری رہا ہے۔ سورہ الحجرات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (الحجرات:14)

کہ اے لوگو! تم غلط قسم کے تفاخر اور غرور میں مبتلا ہو کر اُن کو لڑائی اور فساد کا گہوارہ نہ بناؤ۔ دیکھو ہم نے تم سب کو مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تمہیں مختلف خاندانوں اور قبیلوں

میں اس لئے تقسیم کر دیا ہے کہ تم باہمی تعارف حاصل کر سکو۔ ورنہ محض عزت اور شرف کا یہ معیار قطعاً نہیں کہ تم کسی خاص گھرانے یا کسی خاص قبیلے یا کسی خاص قوم یا کسی خاص ملک میں پیدا ہوئے ہو۔عزت اور شرف کا معیار تو یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا زیادہ تقویٰ اختیار کرتا ہے وہی سب سے زیادہ مکرم و معزز ہے اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے زیادہ علیم و خبیر ہے کہ کون اس کے نزدیک زیادہ متقی اور زیادہ معزز ہے۔

باہمی فسادات و اضطراب کی ایک اور وجہ کو بھی اسلام نے بڑے حسین پیرایہ میں بیان کر کے اسی سورۃ الحجرات میں اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ احباب غور کریں اگر وہ صرف اسی ایک حکم خداوندی کو ملحوظ رکھیں تو ہمارے معاشرے کی بڑھتی ہوئی بُرائیوں کی بہت جلد روک تھام ہو سکتی ہے۔فرمایا

یٰۤاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوااجْتَنِبُوْاكَثِیْرًامِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْاوَلَایَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ط

(الحجرات:13)

اے مومنو! تم بدظنوں سے بچا کرو۔ یہ تو بہت بڑا گناہ ہے۔اس طرح اس سے بڑھ کر خواہ مخواہ دوسروں کے حالات کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور پھر اگر تمہیں دوسرے کی کسی کمزوری کا پتہ بھی چل جائے تو اسے دوسروں کے سامنے اس طور پر ہرگز نہ بیان کیا کرو کہ اگر اسے معلوم ہو تو اسے تکلیف پہنچے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہماری بہت ہی پریشانیوں اور تکلیفوں اور بے چینیوں کا سبب انہی احکام کو نظر انداز کرنا ہے۔ اگر ہم سب اپنی اپنی جگہ ان احکامات کو ملحوظ رکھیں تو یقیناً ایک بہت بڑے روحانی سکون اور قلبی طمانیت سے ہم متمتع ہو سکتے ہیں۔

ہماری آج کی دنیا کی ایک بہت بڑی بے چینی، اقتصادیات سے متعلق ہے اس کی وجوہ میں مختصراً ذکر کر چکا ہوں اور یہ بھی کہ اس کے علاج کے لئے مختلف اقتصادی نظام دنیا میں کارفرما نظر آتے ہیں۔ بالخصوص دو نظام ایسے ہیں جو آج کی اقتصادی دنیا میں بہت معروف و مشہور ہیں ایک

سرمایہ دارانہ نظام ہے اور دوسرا اشتراکیت کا۔ یہ دونوں تحریکات ایک دوسرے کے بالکل متضاد اور مخالف ہیں اور عالمگیر بے چینی میں ان کا بہت بڑا دخل ہے۔

اس کے نتیجہ میں طبقاتی کشمکش اپنی انتہاء کو پہنچ رہی ہے۔ غربت کی مصیبتیں اور تونگری کے فتنے ایک ایسی اخلاق سوز فضا پیدا کر رہے ہیں کہ الامان والحفیظ۔ ہر شخص اور ہر قوم دوسرے کے اقتصادی استیصال کے درپے ہے۔ اس قسم کی کیفیت کا ایک تمثیلی ذکر قرآن کریم میں بھی آتا ہے جہاں حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس دو شخصوں کے آنے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور انہوں نے یہ کہا کہ آپ ہمارا جھگڑا چکا دیجئے۔ شکایت یہ کی گئی کہ

اِنَّ هٰذَآ اَخِیْ قف لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ قف فَقَالَ اَكْفِلْنِیْهَا وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ (ص:24)

یعنی یہ میرا بھائی ہے اس کی ننانوے دُنبیاں ہیں اور میری صرف ایک دُنبی ہے مگر یہ کہتا ہے کہ اس ایک کو بھی میرے سپرد کر دے اور اس جھگڑے میں مجھے یہ دباتا بھی جا رہا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں بھی دولت کا توازن سرمایہ دارانہ نظام کو لئے ہوئے تھا مگر آپ نے القائے ربانی سے اس کا یہی فیصلہ فرمایا کہ

لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰی نِعَاجِهٖ ط (ص:25) یعنی اس نے تیری دُنبی کا مطالبہ کر کے ایک ظلم کیا ہے۔ اس طرح سود اور اکتناز یا بے حساب رنگ میں دولت کو جمع کرتے چلے جانا اور پھر احتکار یعنی اجناس کو مہنگائی بڑھانے کے نقطہ نظر سے ذخیرہ کرتے چلے جانا۔ یہ سب اسی سرمایہ دارانہ نظام کی مختلف شکلیں ہیں۔

پھر اسی نظام کے نتیجہ میں ملکوں اور حکومتوں کی تشکیل بھی اس اثر کے ماتحت رہتی ہے۔ اور غرباء حکومت کے جمہوری حقوق سے بھی محروم رہ جاتے ہیں۔ سرمایہ دار لوگ آگے آتے ہیں۔ اسلام اس نظام کا بھی سخت مخالف ہے۔

دوسری طرف اشتراکیت کا نظام ہے یہ بھی صرف مادی طمع اور لالچ کو لئے ہوئے ہے مذہب

کوافیون قرار دیتا ہے اور اپنے اندر تخریب کا عنصر رکھتا ہے۔اس نظام کے نزدیک اخلاق کوئی چیز نہیں بلکہ انسان کا واحد مسئلہ صرف روٹی ہے۔ دوسروں کو تباہ کر کے بھی یہ اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ یہ نظام بھی اپنی دوسری تفصیلات کے ساتھ اس طرح خطرناک ہے جس طرح سرمایہ داری کا نظام ہے۔انہی دونوں نظاموں کے ٹکراؤ سے آج اسلحہ کی دوڑ دنیا میں جاری ہے۔ یہ ایٹم بم، ہائیڈروجن بم، یہ نائیٹروجن بم، یہ نیپام بم کیا یہ انسانیت کی کوئی خدمت کر رہے ہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ ان کا مقصد محض اپنے اپنے نظام کی توسیع ہے اور کچھ نہیں۔

اسلام ان دونوں نظاموں کی افراط وتفریط سے پاک ہے اور وہ شخصی ملکیت کا بھی قائل ہے اور اس طرح انفرادی جذبات کو کچلتا نہیں۔ وہ ہر ایک کی آگے بڑھنے کی اُمنگ کو قائم رکھتا ہے دولت کمانے سے منع نہیں کرتا۔لیکن ایسی پابندیاں اُس نے لگادی ہیں جس سے سرمایہ داری کے خطرات سے معاشرہ محفوظ ہوجاتا ہے۔ پھر اس نے اس اقتصادی مسئلہ کو اس طور پر حل کیا ہے کہ اس سے اخلاق کی بھی تعمیر ہوتی ہے اور انسان اعلیٰ تر روحانی مدارج کو حاصل کر کے معاشرے اور انسانیت کے لئے بیش بہا مفید اور نافع وجود بن جاتا ہے۔

اقتصادی بے چینی کے طور پر ایک اور بات جو آجکل پیش کی جاتی ہے وہ کثرت آبادی اور زمین کی پیداوار کے کم تناسب کے طور پر عام طور پر بیان کی جاتی ہے یہ مسئلہ بھی درحقیقت ایک فرضی اور خدا شناسی ذہنوں کے خوف کے طور پر ہے۔ ورنہ جہاں تک اصل حقیقت کا تعلق ہے۔خود بڑے بڑے ماہرین اقتصادیات نے بھی اسے تسلیم کرلیا ہے۔اور قرآنی دعویٰ کی تائید کر رہی ہے موجودہ دور کی ضروریات کے لئے زمین کے قدرتی خزانے نہ صرف مکتفی ہی نہیں بلکہ اس کے الٹ اِن سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے لئے ابھی اور زیادہ آبادی کی ضرورت ہے۔ دُنیا میں ابھی نصف سے زائد حصہ ایسا ہے جو قابل کاشت ہے۔لیکن آبپاشی کی سہولتوں کی کمی اور عدم توجہ کی وجہ سے یہ زمین ابھی تک بغیر کاشت کے پڑی ہوئی ہے اور زمین کے ان مخفی خزانوں سے انسان نے ابھی فائدہ اٹھانا بھی شروع نہیں کیا۔اسی طرح پیداوار کا معیار بھی انسانی محنت کے نتیجہ میں بہت بڑھ

سکتا ہے۔ اگر چہ اس طرف بھی دُنیا کی توجہ ضرور ہے لیکن جو ٹارگٹ قرآن کریم نے اس سلسلہ میں دیا ہے ابھی تک دنیا وہاں نہیں پہنچی۔ اگر ایسا ہو جائے تو یقینا کثرت آبادی کے بارے اور غذا کے مسئلہ کی وجہ سے جو بے قراری طبائع میں محسوس کی جارہی ہے اُس کا بھی خاطر خواہ علاج ہو جائے۔

پس ہم جس پہلو سے بھی غور کریں اس نتیجہ پر ہم پہنچتے ہیں کہ ہماری ساری بے چینیوں اور بے قراریوں کا علاج صرف اور صرف خدا شناسی پر موقوف ہے۔ ذات مولا میں فنا ہونے اور اُس کے لئے اپنی تمام تر طاقتوں کو وقف کر دینے میں ہے۔ اس احساس میں ہے کہ ہمارا ایک خالق، مالک خدا ہے۔ اور اُس کے سامنے ہم اپنے اعمال کے جوابدہ ہوں گے۔ اور یہی وہ غرض ہے جس کے لئے آج جماعت احمدیہ کھڑی کی گئی ہے۔ آج جماعت احمدیہ کے قیام کی اس کے سوا اور کوئی غرض نہیں کہ اسلام کی حقیقت کو از سرِ نو دُنیا میں رائج کر دیا جائے۔ اور اس کی شریعت پھر قائم ہو جائے۔ یہی اسلامی شریعت ہی انسان کی زندگی کو فوز و فلاح کا رستہ دکھا کر اُسے ہر قسم کی پریشانیوں سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔ زندگی کا کوئی گوشہ نہیں جس میں قرآن کریم نے ہماری اصولی رہنمائی نہ کی ہو۔ کوئی مرحلہ ایسا نہیں جس کے لئے ہمارے سامنے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک و مقدس اسوہ اور نمونہ موجود نہ ہو۔ یہی دو ستون ہیں جن پر سچی خوشحالی کی بنیاد ہے۔

اس لحاظ سے ہماری جماعت کو آج ایک بہت بڑے چیلنج کا سامنا ہے اور جیسا کہ خدائی جماعتوں کا طریق ہے وہ ہر ایسے چیلنج کا جواب دیا کرتی ہے جماعت احمدیہ کو بھی اس چیلنج کا جواب دینا ہے۔ آج ہر احمدی کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے عمل اور علم اور یقین اور بصیرت سے اس چیلنج کا جواب دینے کے لئے تیار ہو جائے اور حضرت مصلح موعود کا ہم نوا ہو کر ساری دُنیا میں یہ اعلان کرتا رہے کہ

میری طرف چلے آئیں مریض روحانی
کہ اُن کے دردوں دکھوں کے لئے طبیب ہوں میں

آج اس امر کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے خدا سے اپنے تعلق کو مضبوط کریں۔ دوسری دنیا کو خدا

سے روشناس کروائیں۔ اپنے تمدن و معاشرت اور اقتصادیات کو اسلام کے مطابق ڈھال لیں۔ تحریک جدید اور نظام وصیت کو زیادہ سے زیادہ رواج دے کر اُس کے اصولوں کو دنیا میں ہر جگہ اور ہر ملک میں پھیلاتے چلے جائیں کہ یہی درحقیقت تمام موجود اور آنے والی بے چینیوں کا علاج ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب کشتی نوح میں جو تعلیم درج فرمائی ہے۔ درحقیقت وہ تعلیم ہی وہ کشتی ہے جو طوفان ضلالت اور مصائب و شدائد سے ہمیں محفوظ رکھ سکتی ہے۔ اور ایسے ہی لوگوں کے لئے اِنِّی اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ کا وعدہ ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ آج کی دُنیا کی پریشانی کا علاج حقیقتاً کسی خودساختہ نظام میں نہیں ہے۔ صرف خدائی نظام میں ان عالمگیر خرابیوں کو دور کرسکتا ہے اور آج سوائے جماعت احمدیہ کے کرہ ارض پر اور کوئی جماعت یا تنظیم ایسی نہیں جو خدائی جماعت یا خدائی تنظیم ہونے کی مدعی ہو۔ پس آج کی دُنیا جن مشکلات سے دوچار ہے اُن کا تعلق خواہ روحانیت سے ہو یا اخلاق سے، تمدن و معاشرت سے ہو یا معیشت و اقتصاد سے، افراد کے لحاظ سے ہو یا اجتماعی اعتبار سے ان سب کا علاج صرف اور صرف اسلام اور احمدیت کے ساتھ وابستہ ہے۔

خدا کرے کہ ہم لوگ اپنے فرائض کو صحیح طور پر سمجھ سکیں اور اپنے اندر ایک ایسی نیک اور پاک تبدیلی پیدا کرلیں جس کے لئے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلمپھر آپ کے غلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔ تاکہ سکون قلب اور طمانیت کی جس دولت کو آپ نے تقسیم کیا تھا ہم اُس کی صحیح طور پر حفاظت کرسکیں اور ایسے مقام پر آجائیں کہ دوسری دنیا میں بھی خوان نعمت تقسیم کرنا شروع کردیں۔ اور اس طرح تمام دنیا خدائی حفظ اور امان میں آجائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں

''تم سچے دل سے اور پورے صدق سے اور سرگرمی کے قدم سے خدا کے دوست بنو تا وہ بھی تمہارا دوست بن جائے۔ تم اپنے ماتحتوں پر اور اپنی بیویوں پر اور اپنے غریب بھائیوں پر رحم کرو تا آسمان پر تم پر بھی رحم ہو۔ تم سچ مچ اُس کے ہوجاؤ تا وہ بھی تمہارا ہوجائے۔ دنیا ہزاروں

بلاؤں کی جگہ ہے جن میں سے ایک طاعون بھی ہے سوتم خدا سے صدق کے ساتھ پنجہ مارو تا وہ یہ بلائیں تم سے دور رکھے۔کوئی آفت زمین پر پیدا نہیں ہوتی جبکہ آسمان سے حکم نہ ہو اور کوئی آفت دور نہیں ہوتی جب تک آسمان سے رحم نازل نہ ہو سو تمہاری عقل مندی اس میں ہے کہ تم جڑ کو پکڑو نہ شاخ کو۔''

(کشتی نوح از روحانی خزائن جلد 19 ص 13)

ایک اور نقطہ نظر سے بھی اس عالمگیر بے چینی کی ایک وجہ ہمیں نظر آتا ہے۔قرآن شریف میں اس پہلو سے بھی وضاحت کے ساتھ ذکر آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَوْاَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰکِنْ کَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ (الاعراف:97)

یعنی اگر ان بستیوں کے رہنے والے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم آسمانوں سے اور زمین سے اُن کے لئے برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے نبیوں کو جھٹلایا۔ پس ہم نے اُن کو اُن کے اعمال کی وجہ سے عذاب اور بے چینیوں میں مبتلا کر دیا۔

آج کی دُنیا کو اس لحاظ سے بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا خدا کا کوئی ایسا بندہ تو نہیں جس کی بات کا ہم انکار کر رہے ہیں اور اُس کی تکذیب و تردید کے درپے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ انسانی بے چینیوں کی ایک وجہ یہ بھی بیان کرتا ہے اور اس کے ساتھ ہی خوشخبری بھی دیتا ہے کہ اگر لوگ اس کی بات مان کر تقویٰ اختیار کریں گے تو آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے اُن پر کھول دیئے جائیں گے۔

2- حسد

جب سے معاشرے کا قیام عمل میں آیا ہے نیکیوں کے ساتھ ساتھ بُرائیاں بھی کسی نہ کسی شکل میں جنم لیتی رہی ہیں۔اور ہمارا آج کل کا معاشرہ جن بُرائیوں سے دو چار ہے ان میں سرفہرست حسد ہے۔

حسد کے معنے ہیں یہ خواہش کرنا کہ فلاں کو جو نعمت ملی ہے وہ اس سے چھن کر مجھے مل جائے۔ گویا یہ وہ روحانی بیماری ہے جو براہ راست انسان کے دل اور روح پر حملہ آور ہوتی ہے اور اس قدر خطرناک ہے کہ آن واحد میں انسان کی تمام اچھائیوں پر پانی پھیر کر رکھ دیتی ہے چنانچہ ہمارے پیارے آقا سیدنا ومولانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔اے لوگو! حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح بھسم کر دیتا ہے جس طرح آگ ایندھن اور گھاس کو بھسم کر دیتی ہے۔

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حسد کی بنیاد حرص وہوس ہے آجکل مادہ پرستی کا رجحان اس قدر زوروں پر ہے کہ نیک و بد، حلال وحرام اور جائز وناجائز میں امتیاز کئے بغیر ہر کوئی راتوں رات مالدار بننے کا خواہشمند ہے۔اور اپنے اس شوق خانہ خراب کی تسکین میں ظلم کے ارتکاب سے بھی نہیں ہچکچاتا۔اور نہ ہی وہ اپنے ضمیر کی آواز کو ہی محسوس کرتا ہے۔جتنا مال ودولت کسی کے پاس آتا جاتا ہے اتنا ہی وہ زیادہ حریص ہوتا جاتا ہے اور حرص وہوس کا یہ لامتناہی سلسلہ کہیں ختم ہوتا نظر نہیں آتا۔یہ حرص وہوس ہی تو ہے جو بعض اوقات ایک انسان کو اپنے ہی بھائی کا حق غصب کرنے پر اُکساتی ہے اور ایک انسان سے اخوت وہمدردی کے لطیف اور پاکیزہ جذبات چھین کر اُسے دشمنی اور ظلم پر مجبور کرتی ہے۔دنیاداری کی یہی حرص وہوس اور طمع ولالچ بالآخر حسد کو جنم دیتی ہے جو اعلیٰ اخلاق کے لئے نہایت ہی مہلک بیماری ثابت ہوتی ہے۔

ظاہری ٹھاٹھ باٹھ اور شان وشوکت کا بھوت ہر کسی کے سر پر سوار ہے اور ہر کسی کی یہ کوشش ہے کہ وہ اس میدان میں اپنے سب ساتھیوں سے بہت آگے نکل جائے۔آپ نے دیکھا ہوگا کہ بیاہ شادی کے موقع پر بعض لوگ دولت کی کس طرح نمائش کرتے ہیں۔اسلامی قوانین کے باوجود

ان پابندیوں کو بے دریغ توڑا جاتا ہے اور ہر کسی کو یہ احساس ہلکان کئے ہوئے ہے کہ فلاں نے اپنی لڑکی کو جہیز میں وہ کچھ دیا کہ دنیا عش عش کر اٹھی۔ اگر آج میں نے اپنی بیٹی کو اس سے کم دیا تو میری سُبکی ہوگی۔ ہم لوگوں کی نظروں میں گر جائیں گے۔ معاشرے میں ہماری ناک کٹ جائے گی۔ لوگ ہمیں غریب کہیں گے۔ یہ ہیں وہ احساسات وجذبات جو ایک دنیادار کو پریشان کر دیتے ہیں۔ اور جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ صحیح طریقہ سے تو بات نہیں بن رہی تو مرتا یا نہ کرتا آخر کار حسد کی آگ میں جلنے لگتا ہے۔

مگر خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم ایک الٰہی جماعت میں ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانے کی توفیق بخشی ہے۔ جنہوں نے ہمیں بتایا کہ اس فانی دنیا کی حقیقت ایک مرے ہوئے مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔ اپنے دلوں میں ہمیشہ خوف خدا اور آخرت کے حساب کتاب کا خیال رکھو۔ دنیاوی امور میں ہمیشہ تقویٰ اور دیانتداری سے کام لو۔ اور یاد رکھو کہ

ع دنیا سے دل لگانا جھوٹی ہے سب کہانی

پس احمدی ہونے کے ناطے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم دنیاداری کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ اپنی زندگیوں کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔ قناعت اور سادگی کو اپنائیں۔ اور دنیا کی ان ساری فضول اور بیہودہ رسومات کو ترک کر کے اسلامی اخلاق اپنانے کی کوشش کریں۔ کیونکہ جہاں قناعت و سادگی اور اسلامی اخلاق کی حکومت ہوگی وہاں حسد کو دم مارنے کی مجال نہ ہوگی۔

اضافہ جات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

راناعبدالغفورخان۔ بی۔اے

باب الابواب۔ربوہ

مکرم حنیف احمد محمود صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کی طرف سے مکرم ومحترم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب کے حالات سیرت و سوانح پر مشتمل کتاب موصول ہوئی۔جزاکم اللہ احسن الجزاء

آپ نے انتہائی محنت اور جستجو کے ساتھ یہ کتاب تیار کی ہے۔ایک ایسے شخص کے حالات زندگی جمع کرنا جوانتہائی بے ریا خاموش،خدمت گار رہا ہواور نمود ونمائش سے ذرہ بھی تعلق نہ ہو بہت مشکل ہوتا ہے۔آپ نے سلسلہ کا ان کے دَور کا تقریباً سارا لٹریچر کھنگالا اور ہر کونے سے معلومات نکال کر مواد جمع کیا اور ان سے تعلق رکھنے والوں سے مل کر بھی حالات معلوم کئے۔محترم باجوہ صاحب کا مشن تو ساری زندگی کا خدمت،خدمت اور خدمت تھا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تحریر کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا ہے۔آپ کے مضامین،مختلف پمفلٹس،بعض عنوانات پر بھی پڑھے ہیں۔موبائل کے استعمال وغیرہ اور آپ کے مسجد اقصیٰ میں خطبات جو آپ تحریر کر کے ہی دیتے تھے آپ جس موضوع پر قلم اُٹھاتے ہیں اس کا پورا حق ادا کرتے ہیں۔اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔آمین۔اس کتاب میں آپ نے محترم باجوہ صاحب کے تحریر کردہ مضامین بھی جمع کئے ہیں ایک ان کا مضمون جو اس میں نہیں وہ بھی ارسال ہے شاید

آئندہ شامل ہو سکے۔ اس کتاب کے مقالہ پر تو آپ ایک اور شاہد کی ڈگری کے مستحق ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو زیادہ سے زیادہ مقبول خدمت کی توفیق دیتا رہے۔ آمین

والسلام

خاکسار

(دستخط) رانا عبدالغفور خان

حضرت نواب چوہدری محمد الدین باجوہ۔ڈپٹی کمشنر

حضرت نواب چوہدری محمد الدین صاحب باجوہ ڈپٹی کمشنر کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ کئی ہندوستانی ریاستوں میں وزیر رہے۔ تقسیم ملک سے قبل ہندوستان کے ایوان بالا کونسل آف سٹیٹ کے ممبر بھی رہے۔ جب میں 1949ء میں انگلستان سے واپس آیا تو حضرت فضلِ عمرؓ نے مجھے اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری مقرر فرمایا۔ حضور کا قیام اور دفتر رتن باغ لاہور میں تھا۔ کوٹھی میں داخل ہوتے ہوئے برآمدہ کے بائیں کونے میں پرائیویٹ سیکرٹری کا دفتر تھا۔ کمرہ چھوٹا سا تھا۔ ملنے والے احباب کمرہ کے باہر برآمدہ میں لکڑی کے بنچوں پر بیٹھے رہتے تھے۔ حضرت نواب صاحب بلا ناغہ ہر روز آتے اور نماز ظہر تک بنچ پر بیٹھے رہتے اور نماز ادا کر کے اپنے گھر واپس چلے جاتے۔ آپ ان دنوں اَپر مال پر سر محمد نواز خان صاحب آف کوٹ فتح خان کی کوٹھی میں رہتے تھے۔ ایک دن میں نے جرأت کر کے دریافت کیا کہ آپ ہر روز بغیر کسی کام کے یہاں بیٹھے رہتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا میں آجاتا ہوں شاید حضور کسی وقت یاد فرمالیں اور گھر سے آنے میں دیر نہ ہو جائے۔

حضرت نواب صاحب کی عظمت اور انکسار کے ایک واقعہ نے میرے قلب پر نہ مٹنے والے نقوش ثبت کئے ہیں جو بیان کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ایک دن نمازِ ظہر سے فارغ ہو کر حضرت نواب صاحب نے مجھے فرمایا میرے ساتھ آؤ گھر چلیں۔ میں ان کی کار میں بیٹھ گیا۔ کار رتن باغ کے احاطہ سے باہر نکلتی ہوئی ابھی آدھی گیٹ سے باہر تھی اور آدھی اندر کہ ایک شخص ن ے ہاتھ دیا کار وہیں رُک گئی۔ حضرت نواب صاحب نے شیشہ اُتار کر دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ اس شخص نے کہا کہ مجھے ڈپٹی کمشنر مظفر گڑھ کے ساتھ فلاں کام ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا ڈپٹی کمشنر کون ہے؟ اس نے جواب دیا میں نہیں جانتا۔ نواب صاحب نے اپنے ڈرائیور حافظ ملک احمد خاں صاحب سے کہا بستہ دیں۔ ایک بستہ جس میں ضروری کاغذات اور لکھائی کا سامان ہوتا (آج کل کا بریف کیس) نواب صاحب کے ساتھ ہی

کار میں رکھا ہوتا تھا۔نواب صاحب نے ایک اچھا سا پیڈ نکالا۔ڈپٹی کمشنر کے نام خط لکھا اس کے ساتھ اپنا ایک تعارفی کارڈ لگایا اور لفافے میں بند کر کے یہ فرماتے ہوئے دے دیا کہ اصل حاجت روا تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ میں بھی دعا کروں گا آپ بھی کریں اور میری یہ چٹھی ڈپٹی کمشنر صاحب کو جا کر دے دیں۔وہ شخص دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔

راستہ میں میں نے دریافت کیا کہ یہ شخص کون ہے؟ آپ نے فرمایا مَیں نہیں جانتا۔ میں نے کہا اس شخص کو آپ نہیں جانتے۔ڈپٹی کمشنر مظفر گڑھ کو نہ آپ جانتے ہیں نہ یہ شخص تو کام کیسے ہوگا۔آپ نے فرمایا کہ کام تو خدا تعالیٰ ہی کرتا ہے انسان تو محض واسطہ ہوتا ہے یہ شخص بغیر کسی سفارش یا تعارف کے میرے پاس آ گیا میں اسے مایوس کیوں کرتا۔ممکن ہے اللہ تعالیٰ ڈپٹی کمشنر مظفر گڑھ کے دل میں یہ ڈال دے کہ محمد الدین کوئی شریف آدمی ہے جس نے بغیر تعارف اور واقفیت کے پورے اعتماد کے ساتھ سفارش کی ہے یہ ردّ نہ کرنی چاہیے اور اس طرح اس غریب آدمی کا کام بن جائے اور پھر اپنا ایک واقعہ سنایا۔فرمایا:۔

میں اُن دنوں ریاست مالیر کوٹلہ میں ایک اعلیٰ عہدہ پر تھا۔ہم سب بھائیوں کو ضلع لائلپور (حال فیصل آباد) کی نوآبادی میں زمین مل چکی تھی سوائے ایک بھائی غلام علی کے۔اس بھائی نے مجھے خط لکھا کہ فلاں تاریخ کو فلاں بنگلہ میں زمین تقسیم ہوگی آپ آئیں اور میرے لئے کوشش کریں۔میں لائلپور کے لئے روانہ ہوا۔جب لائلپور قریب آیا تو ریل گاڑی میں ہی لباس تبدیل کیا اور ریاستی سرکاری لباس پہن لیا اس خیال سے کہ انگریز ریاستوں کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔جب گاڑی اسٹیشن پر رُکی تو ایک قلی اندر آ کر میرا سامان اٹھانے لگا۔میں نے پوچھا میاں! آپ کا کیا نام ہے؟ اس نے جواب دیا۔رحمت علی۔میں نے کہا میاں رحمت علی! اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہم پر بھی رحمت کر دے۔میں باہر نکلا میرا بھائی غلام علی پلیٹ فارم پر موجود تھا۔سامان ویٹنگ روم میں رکھا اور ٹانگہ پر اس بنگلہ کے لئے روانہ ہوا۔ایک انگریز افسر، وہاں زمین تقسیم کر رہا تھا میں ریاستی سرکاری لباس میں پیش ہوا میرا خیال تھا کہ میرے لباس سے وہ مرعوب ہوگا مگر اس

نے درخواست منظور نہ کی۔ ہم واپس آ گئے میں نے اپنے بھائی کو تسلی دی کہ ضلع سیالکوٹ میں ہماری جدّی اراضی بہت تھوڑی ہے اب ہم اس کے مقابلہ میں بہت زیادہ اراضی کے مالک ہیں پہلے بھی گزارہ ہورہا ہے آئندہ بھی ہوتا رہے گا اور جو اراضی مل چکی ہے وہ آپس میں تقسیم کرلیں گے مگر مجھے یہ خیال بار بار آتا تھا کہ صبح پہلا آدمی رحمت علی نام کا ملا تھا شاہانہ ریاستی لباس بھی تھا پھر کیوں کام نہیں ہوا۔

مالیرکوٹلہ واپس جانے کے لئے سامان پلیٹ فارم پر رکھ کر میں گاڑی کے انتظار میں پلیٹ فارم پر ٹہل رہا تھا کہ ایک آدمی نے آگے بڑھ کر ادب سے سلام کیا۔ میں نے جواب دیا۔ دوسری دفعہ اُدھر گیا تو پھر اُس نے سلام کیا میں نے جواب دیا مگر کوئی بات نہ کی۔ جب تیسری دفعہ گیا تو اُس نے پھر سلام کیا اور ساتھ ہی کہا جناب نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں نے سلام کا جواب دیا اور نہ پہچاننے پر معذرت کی۔ اُس نے تعارف کراتے ہوئے ہنس راج (یا ہنس لعل مجھے یاد نہیں رہا) نام بتایا اور کہا کہ فلاں سال آپ کی پیشی میں مَیں پٹواری تھا۔ میں نے اُس کے بال بچوں کا حال پوچھا اور اسے بھول جانے پر پھر معذرت کی۔ اس نے پوچھا آپ آجکل کہاں ہیں اور کیسے تشریف لائے ہیں؟ میں نے مالیرکوٹلہ بتا کر اپنے آنے کی غرض بتائی۔ اس نے کہا آپ تو گاڑی کے انتظار میں ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ میرا کام نہیں ہوا واپس جارہا ہوں۔ اس نے کہا کیا ایک دن آپ رُک سکتے ہیں۔ میں نے اسے بتایا کہ میں ریاستی سرکاری لباس پہن کر بڑی امید سے اس انگریز افسر کو ملا تھا مگر وہ نہیں مانا۔ اب ٹھہرنے کا کیا فائدہ؟ اس نے کہا آپ اتنی دُور سے تشریف لائے ہیں میں ایک معمولی آدمی ہوں مگر میرے کہنے پر ایک دن اور ٹھہر جائیں۔ اس کے اصرار پر میں رُک گیا۔ سامان ویٹنگ روم میں رکھوا دیا۔ اگلے دن صبح سویرے ہی وہ پٹواری ٹانگہ لے کر آ گیا اور مجھے ساتھ چلنے کے لئے کہا۔ اس دن کسی اور بنگلہ میں اراضی تقسیم ہونے کا پروگرام تھا ہم وہاں گئے۔ وہ پٹواری مجھے انتظار کے لئے کہہ کر اندر گیا اور واپس آ کر اراضی تقسیم کا حکم نامہ میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ میں بڑا حیران ہوا کہ میں ریاست مالیرکوٹلہ کا اعلیٰ عہدیدار اور یہ

پٹواری۔مگر میرے نفس نے مجھے ملامت کی کہ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کی بجائے ریاستی سرکاری لباس پر تکیہ کیا جو کام تمہارا سرکاری عہدہ اور سرکاری لباس نہ کرواسکا ایک معمولی پٹواری نے کروا دیا۔ میں نے بہت استغفار کیا اور اس دن سے لے کر آج تک کبھی کسی دنیاوی سہارے سے ٹیک نہیں لگائی جو مانگا ہے اپنے پروردگار سے مانگا ہے۔اس پٹواری نے مجھ پر ضرور احسان کیا۔

آپ نے فرمایا جب خدا تعالیٰ رجوع برحمت ہوتا ہے تو بظاہر نہ ہونے والے کام بھی ہو جاتے ہیں پھر میں اُس شخص کو کیوں مایوس کرتا۔ وہ خود بھی دُعا کرے گا میں بھی اس کے لئے دُعا کروں گا اور اللہ تعالیٰ کے فضل کی اُمید رکھوں گا۔

یہ انکسار حضرت نواب صاحب کی زندگی کا خاصہ اور امتیازی نشان تھا اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو دینی اور دُنیوی عظمت واکرام سے نوازا۔ انہوں نے نیکی اور تقویٰ سے معمور دنیاوی جاہ وحشمت سے بھرپور زندگی گزاری۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رضا کی جنتیوں میں اپنے مقربین میں جگہ دے۔آمین۔



جلسہ سالانہ انگلستان 1949ء کے موقع پر مبلغین کے ساتھ۔ دائیں سے دوسرے



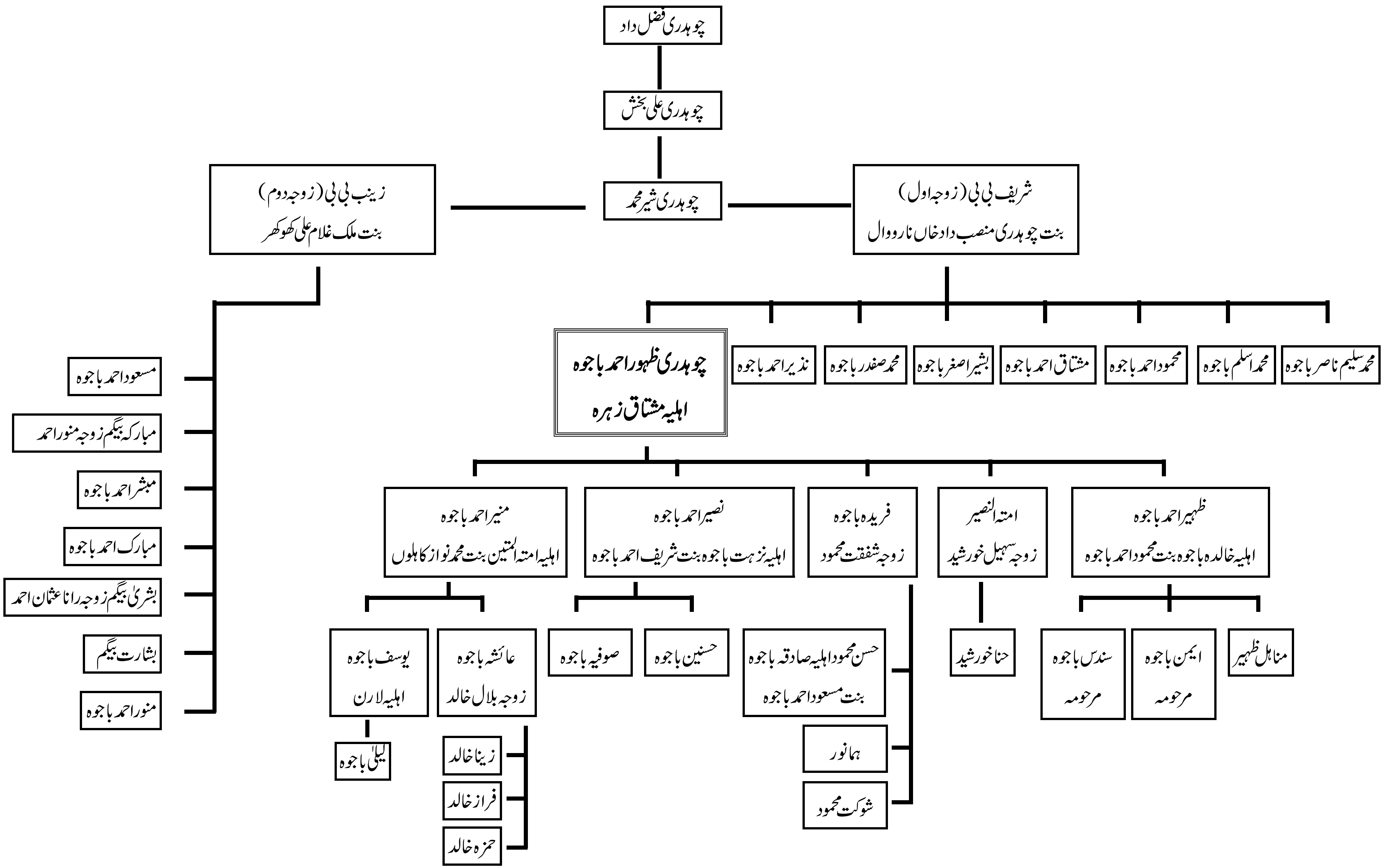
جلسہ سالانہ قادیان کے اسٹیج پر صدارت کرتے ہوئے



جلسہ سالانہ قادیان کے اسٹیج پر صدارت کرتے ہوئے



شجرہ نسب


چوہدری فضل داد
چوہدری علی بخش
چوہدری شیر محمد
زینب بی بی (زوجہ دوم)
بنت ملک غلام علی کھوکھر
شریف بی بی (زوجہ اول)
بنت چوہدری منصب داد خاں نارووال
چوہدری ظہور احمد باجوہ
اہلیہ مشتاق زہرہ
نذیر احمد باجوہ
محمد صفدر باجوہ
بشیر اصغر باجوہ
مشتاق احمد باجوہ
محمود احمد باجوہ
محمد اسلم باجوہ
محمد سلیم ناصر باجوہ
مسعود احمد باجوہ
مبارکہ بیگم زوجہ منور احمد
مبشر احمد باجوہ
مبارک احمد باجوہ
بشریٰ بیگم زوجہ رانا عثمان احمد
بشارت بیگم
منور احمد باجوہ
منیر احمد باجوہ
اہلیہ امۃ المتین بنت محمد نواز کاہلوں
نصیر احمد باجوہ
اہلیہ نزہت باجوہ بنت شریف احمد باجوہ
فریدہ باجوہ
زوجہ شفقت محمود
امۃ النصیر
زوجہ سہیل خورشید
ظہیر احمد باجوہ
اہلیہ خالدہ باجوہ بنت محمود احمد باجوہ
یوسف باجوہ
اہلیہ لارن
عائشہ باجوہ
زوجہ بلال خالد
صوفیہ باجوہ
حسنین باجوہ
حسن محمود اہلیہ صادقہ باجوہ
بنت مسعود احمد باجوہ
ہما نور
شوکت محمود
حنا خورشید
سندس باجوہ
مرحومہ
ایمن باجوہ
مرحومہ
مناہل ظہیر
لیلیٰ باجوہ
زینا خالد
فراز خالد
حمزہ خالد

ENGLISH

ESSAYS

BY

CH.ZAHOOR. A.BAJWA

1- ATONEMENT

Our Christian friends believe that all human beings are born sinners, having inherited the sin of Adam and Eve. “The wages of sin is death” (Romans 6:23) and justice demands punishment, But God is also merciful and His mercy demands that man should be saved from punishment. This difficult problem of justice and mercy going together, was solved by the Son, Who being innocent offered to take upon himself the sins of all men. This offer was accepted by God and so the Son died on the Cross bearing pain and death for the sake of human beings and by his death the sins of men are atoned. Thus were reconciled the two attributes of God-justice and mercy for sins were punished and man was released from the penalty of sin.

There are various aspects of approach to the problem, but I shall confine myself to only two of them-intellectual and scriptural. Taking the intellectual first, the Christian view is that, by the fall of Adam sin entered the world and has been transmitted to everyone by inheritance. God sent His innocent son who by his death on the Cross, removed the guilt of sin from everyone who accepted that sacrificial act of Christ as the price paid for redemption. Now let us put this belief to the acid test of reason coupled with Biblical evidence. If it stands the test we shall have no hesitation in accepting it. But if it does not, nobody should have any reluctance in rejecting it.

The punishment given to Adam was “in the sweat of thy face shalt thou eat bread” (Gen. 3:19) and to women “in sorrow thou shalt bring forth children” (Gen. 3:16). Is there any Christian who can make so

bold as to say that through faith in the atonement, he or she has been exempted from this punishment. If they holding belief in atonement, are subject to the same physical hardships and exertions as the non-Christians are, then, what good have Christians done to the world.

Secondly, the assertion that all men have inherited the sin is not warranted by the Bible. There is sufficient proof to the contrary. We read about Zacharias and his wife. “And they were both righteous before God, walking in all the commandments and ordinances of the Lord, blameless” (Luke 1:6)

Mary, mother of Jesus, according to the Christian belief, was sinless; although it is a matter of doubtful significance to reconcile her sinlessness with the theory of Original Sin.

Thirdly, in our day-to-day life we see, that things and objects less important are given up for those more important, it is against human nature to sacrifice something sublime at the altar of something base. The sacrificial act of Jesus is contrary to the Biblical teachings which say, “the wicked shall be a ransom for the righteous, and ye transgressor for ye upright” (Prov. 21:18). It would be the height of folly to make “Penny wise and pound foolish” as one’s ideal.

Fourthly, the Gospel of MATTHEW bears testimony to the fact that there are two kinds of sins, those which can be redeemed and those which cannot be redeemed. “whosoever speaketh a word against the son of man, it shall not be forgiven him; but whosoever speaketh against the Holy Ghost, it shall not be forgiven him, neither in this world, neither in the world to come” (Matt. 11:32) It will be quite clear from

this that Atonement does not eliminate all sins and the doom of punishment still hangs over the head.

Fifthly, the pivot round which the theory of atonement revolves, is Jesus' INNOCENCE. But the picture of Jesus as depicted in the Gospels, does not establish his innocence.

1. 1."And he said unto him, why callest thou me good? there is none good but one, that is, God; (Matt, 19:17) "And Jesus said unto him, Why callest thou me good? there is none good, but one, that is, God". (Mark, 10:18)
2. To maintain peace among people Jesus deprecated any one calling his brother a fool. "Whosoever shall say, Thou fool shall be in danger of hell fire (Matt. 5:22). But we find him calling the Pharisees--"Ye fools and blind" (Matt. 23:17 & 19), in direct contradiction to his own teachings.
3. Jesus came to fulfill the Mosaic law but according to the Gospel account, one is led to believe that he violated that law, at least on two occasions. First, when he did not stone but rather discouraged that a certain woman taken in adultery, be stoned whereas the Law demanded that she should be stoned. (John 8:3-7) secondly the commandment of God was "Honour thy father and thy mother" (Exodus 20:12) but Jesus did not speak respectfully to his mother when he said "Woman, what have I to do with thee"(John 2:4).

After dealing with the intellectual side of the theory, I now turn to the scriptural side of it. We do not find a single word in the Bible, in support of the theory of a son of God offering his life as a sacrifice or any such

offer being accepted by God, for the forgiveness of sins; But to the contrary we find it plainly stated that the sins are forgiven through prayer, repentance, faith, intercession of prophets and mercy of God, I quote here a few references.

1. “Behold, all souls are mine; as the soul of the father, so also the soul of the son is mine: the soul that sinneth, it shall die.

But if a man be just, and do that which is lawful and right.

And hath not eaten upon the mountains, neither hath lifted up his eyes to the idols of the house of Israel, neither hath defiled his neighbour’s wife neither hath come near to a menstruous woman.

And hath not oppressed any, but hath restored to the debtor his pledge, hath, spoiled none by violence, hath given his bread to the hungry, and hath covered the naked with a garment;

He that hath not given forth upon usury, neither hath taken any increase, that hath withdrawn his hand from iniquity, hath executed true judgment between man and man.

Hath walked in my statues, and hath kept my judgements, to deal truly; he is just, he shall surely live, saith the Lord God.” (Ezekiel 18: 4-9)

This shows that to seek the pleasure of God and to get life, it is necessary to act upon the commandments of God.

2. Again in the Old Testament, we find quite natural means of redemption of sins without anybody’s blood. “I have blotted out, as a thick

cloud, thy transgressions, and, as a cloud, thy sins: return unto me; for I have redeemed thee" (Isaiah 44:22). Then again "look unto me, and be ye saved" (Isaiah 45:22)

3. We find Moses offering himself as an atonement for sins of his people, when they made a god of gold, a calf. He pleaded to God, "If thou wilt forgive their sin; and if not, blot me, I pray thee, out of thy book which thou hast written." (God does not say in reply that His Son was destined to come to die for the sinners past and future. God is All-knowing and such answer would have been quite appropriate but mark the reply Moses got. "And the Lord said unto Moses, whosoever hath sinned against me, him will I blot out of my book."(Exodus 32: 32, 33). What a contrast! Moses offers himself but the offer is not accepted. And Jesus in whose atonement we are asked to believe, far from offering himself, prays to God in very pathetic words "Take away this cup from me" (Mark 14: 36) and then while on the Cross, cries, "My God, My God why hast thou forsaken me?" (Matt. 27: 46).
4. Jesus has very clearly laid down the means, how a man can rid himself of his sins. He says nothing of his dying on the Cross or that his blood could wash away the sins. Rather he explains simply in the Lord's prayer. "Our Father which art in heaven….forgive us our trespasses as we forgive them their trespasses against us." Eye for eye, tooth for tooth is justice. Beyond that it will be injustice. But here more stress is laid on forgiving the trespasses, which act is more commendable. The killing of

an innocent person for a guilty one is neither justice nor mercy but contrary to both.

Keeping all these points in view the question naturally arises how this doctrine which is believed by millions of Christians came into being? We have not to look very far to find the reason. The Christians, to support the atoning nature of Jesus' death, put forward the words alleged to be used by him at the Last Supper, "This is my blood of the new testament, which is shed for many" (Mark 14: 24). This cup is the new testament in my blood, which is shed for you" (Luke 22: 20). "For this is my blood of the new testament, which is shed for many for the remission of sins" (Matt.26 :28). All these verses mean nothings but that he was to undergo sufferings and trails, as all the prophets of God have suffered, at the hands of non believers. If we take these verses in the literal sense, then there is no reason why some other verses should not be taken in the literal sense.

Our Christian friends will find it very difficult to explain them, some of these verses are:-

"I am the good shepherd, and know my sheep"(John, 10: 14).

1. "But he turned, and said unto Peter, Get thee behind me, Satan; thou are an offence unto me;" (Matt. 16: 23).

It is obvious that neither Jesus was a shepherd, nor Israelites were sheep, nor was Peter Satan in the literal sense of the words. There are also some verses to be found in the Old Testament, which leave no room for any doubt, that such words are often used in the Bible in a metaphorical sense. Some of them are:

1. "Come, and let us sell him to the Ishmaelites,

and let not our hand be upon him; for he is our brother, and our flesh," (Gen. 37: 27)

2. "And Laban said to him, Surely thou art my bone and my flesh." (Gen. 29: 14)

The fact is that when Jesus was put on the cross, the Jews were jubilant in that they could justifiably hold that Jesus was an accursed man for they quoted. "He that is hanged is accursed of God" (Deut, 21:23), in support of theirs contention. But the disciples were in a fix, an admission of his death on the cross meant that he was an accursed for God. But to affirm that he was alive, was unfavourable, lest he should again be arrested and hanged. Paul found a way out of the impasse by introducing this doctrine he advanced the theory that Jesus had been subjected to curse no doubt but being innocent, he had borne the curse for their sake, to make an atonement for their sins. So his death was a meritorious deed. Thus the doctrine, originated by Paul "Remember that Jesus Christ, of the seed of David, was raised from the dead according to my gospel," to meet the attacks of the Jews, has found favor with the later Christians.

(The Review Of Religions April 1947)

2- ISLAM AND RACIALISM

Mankind is today in the midst of one of the greatest crises in history. Vast problems social economic and political, have arisen which are baffling and taxing the minds of statemen and men in the street alike. The most serious and exacting of them all essentially social but which leads on to the other two, is that of race complex, a yardsitick by which on account of accident of birth, a human being is classed superior or inferior and thus perpetuates man's inhumanity to man. In spite of vast advances in scientific and literary spheres a tense atmosphere of frustration and exasperation prevails. Neither the comforts and amenities of life nor the lesson taught by the horrors and misfortunes of two devastating wars equally shared by peoples of various shades and color, have made man happy. In fact, the greater the material progress, the greater the failure to rise above petty nationalism or even sectionalism. Science should have served to bring the peoples closer together but, unfortunately, hatred between man and man was perhaps never so great and the lack of realisation that we all are children of God in most appalling. Human ingenuity is submerged in a race to outstrip the other in harnessing nature not for the survival of mankind but for its destruction. This grave peril is sensed by many but few are gifted with the courage of plain-speaking, a virtue so sadly lacking these days. Dr.Cyril Garbett, Archbishop of York, says this is due to rejection of Christian faith and morals. Sir Muhammad Zafrulla Khan, the Foreign Minister of Pakistan, a statesman with a deep religious outlook which he brings to bear upon international problems and seeks their solution in that light, sounded a grim

note of warning to the United Nations, the organisation brought into being to establish peace in the world by banishing fear, hatred, war and hunger, when he said:

“We are told God created man in his own image-meaning on doubt that man would become a reflection and manifestation of Divine attributes. How much of that reflection is discernible to-day? ”

“Man’s increasing mastery over the force of nature, his rapidly multiplying degree of control of material resources, his vast and fast accumulating reservoirs of knowledge and power; how are they being employed? To achieve what ends?

“What is the honest answer to these questions? Today (not wholly and exclusively but mainly) his mastery, instead of being harnessed and devoted to the beneficent service of man, is being devoted increasingly, furiously and feverishly towards the constant perfecting of the instruments of man’s agony and destruction.

“Mankind stands at the brink of disaster. It is being rapidly marshalled on opposite sides into ranks and it looks as if, on the signal being given, a veritable hell would be let loose spreading unto the uttermost corners of the earth. The sands of time are running out and man rushes unheedingly towards disaster. How shall he save himself? First, by acceptance of and faith in right principles, next by implementing those principles through appropriate action, then by widening the sphere of their operation till they are universally, or at least widely, accepted.

“And, finally, by watchful perseverance to ensure that mankind does not fall away from them once more. Let

us strive in that manner."

The American Secretary of State defending U.S. abstention on Tunisia said the other day that it was not the best way of solving the problem to have it heard in the Security Council. It is the same Dean Acheson who remarked not very long ago that what was happening in the Middle East and French North Africa was exactly the same as happened in America in the War of Independence and in France in the French Revolution. The United Kingdom government contend that the Tunisian rioting is purely an internal affair for the French. This could, with equal justification and force of argument, be applied to the war raging in Korea that it was a matter between North and South Koreans themselves; and also to Kashmir that to begin with it was the people of Kashmir themselves who rose against tyrannical and oppressive rule and change of masters. The logic behind the decision that these two constituted a threat to international peace, and the tense situation in Tunisia does not, is beyond understanding. I need not mention South Africa where actions and policies of Dr. Malan are a slur on the human conscience. It is not my intention to dilate upon merits and demerits of the motives behind these action but they depict, doubtless, a sorry picture how the great nations instead of adhering to the foundation principles of the United Nations are drifting, slowly but steadily, to political expediency. Jesus emphasized the Fatherhood of God to bring home to his followers the fundamental equality of mankind and taught "love thy neighbor as thyself". Dr. Malan insists on racial segregation to save and maintain 'Western Christian civilization'. How it is compatible with the teachings of

Jesus is much beyond ordinary understanding. Small wonder the rejection of Christian faith and morals should have led Dr.Garbett to believe that “it is impossible to hold any reasonable hope that Great Britain will ever recover the place she once held in the international world”, though he suggests she may “give the world an example of a nation in which social justice and freedom flourishes.”

Again, it is not my intention to draw any comparison between Christianity and Islam. I have referred to the findings of Dr. Garbett in his book “In an Age of Revolution” to bring home the fact that it is in the widest application of social justice that the nations, both great and small, will find the enduring cure of their ills. Without it mankind will fail in achieving its object. The Quran says that before the creation of man God proclaimed:

“I have decreed the coming into being upon the earth of one who should be my vicegerent and should manifest my attributes in himself.”(Albaqara: 31)

At another place the Quran says:

“God is he who has appointed you (mankind) His vicegerents upon earth. Know then, that he who fails to recognise this dignity and to act in accordance therewith shall be answerable for his neglect.”

(Fatir: 39).

The divine attribute of Creation brought into being oceans, islands, mountains, rivers, minerals, etc, and man was created to exercise dominion over and bring into his service and use all these things in accordance with divine attributes and thus fulfill the ultimate object of all creation. The use and benefit of these and

other natural resources is not restricted and confined to any particular section or class of mankind. Islam recognises individual ownership for greater facility of regulation and for the stimulation of initiative and enterprise but subjects all ownership to a moral trust which makes it obligatory upon the individual to use all property in the most beneficent manner for the service of mankind. Man is dependent, for the purpose of fulfilling his own needs and the needs of those for whom he is responsible, upon the utilization of these very natural resources and has, therefore, been permitted the appropriation of a certain portion of the fruits of his labor and the application of his skill for this purpose. Since, man himself has been created for an object and a purpose which is common to the whole of mankind and the universe has not been created for the benefit of a class, section or individual, Islam enjoins that the exercise by man of the dominion over the resources of nature should be such that he should reflect, through his acts and conduct, the divine attribute of Providence.

Probably all religions would agree so far. Is it not an irony of fate then that this dominion over the forces of nature and appropriation of material benefits intended for the widest and beneficent distribution should provide an excuse to rationalize exploitation in any shape or form. Did God ordain the reflection of His image in any particular people because they happen to be of a particular race or color, or they happen to enjoy material advantages over their less fortunate follow human beings? Islam gives not only answer to this question but also teachings that can be put into practice and has thus solved most effectively this vicious and perennial problem, it has abolished all

privileges and class distinctions. Righteous conduct is the only badge of honour. The Quran says;

“We have created you from a male and a female and divided you into tribes and nations for greater facility of identification and intercourse, but the most honoured among you in the sight of God is he who leads the purest and most righteous life.” (Alhujrat: 14).

This verse sets the standard of nobility and honour. Throughout the history of Islam men of every race and color have risen to the highest eminence in every sphere, domestic, social and political, without any let or hindrance and are today deeply revered. Zaid, a Muslim slave set free by the Holy Prophet of Islam, was married to the prophet’s cousin. His son was the youngest General appointed by the Holy Prophet to lead an army which included many veteran soldiers of great repute and experience and oldest companions of the Holy Prophet. Bilal, an Abyssinian slave set free was a constant companion of the Holy Prophet. It was he who had the signal honour of receiving the keys of Ka’ba when the Holy Prophet made his triumphant entry in Mecca after many years of virtual exile. Muslims in thousands go to the tomb of this “bushy-haired Abyssinian” in Damascus to offer prayers invoking God’s blessings upon him.

The last public address of the Holy Prophet which is known as farewell address contained the same teaching. He said: “O men, what I say to you, you must hear and remember. All Muslims are as brethren to one another. All of you are equal. All men whatever nation or tribe they may belong to, and whatever station in life they may hold, are equal. ” While he was saying this the Holy Prophet raised his hands and joined the fingers of one hand with the fingers of the

other and then said: “Even as the fingers of the two hands are equal, so are human beings equal to one another. No one has any right, any superiority to claim over another. You are as brothers.” The Quran says:

“And hold fast, all together by the rope of Allah and be not divided; and remember the favor of Allah which He bestowed upon you when you were enemies and He united your hearts in love so that by his grace you became brothers; and you were on the brink of a pit of fire and He saved you from it.”(Aleimran: 104).

The Muslims are enjoined to collect together in the mosques five times a day for congregational worship with out any distinction of class or color. There are no pews or reserved seats and every one enters the place of worship in the pride and assurance that it is the house of God, and thus, being the house of his Father, it is the House where, of all places, he has the right to be in complete freedom and equality with every other person. This constant association in perfect equality has the effect of ironing out, in practice, any feeling of superiority that anybody might be inclined to entertain on the ground of descent, rank or wealth. Similarly Fasting, Pilgrimage and Zakat also cement fraternity.

Jabala, a Christian king accepted Islam in the time of Caliph Omar, the second successor of the Holy Prophet. Whilst going round the Ka’ba, the sacred house of God at Mecca, another humble Muslim quite accidentally dropped his foot on his garment which fell off his shoulders. Jabala turned round and struck him a blow. On being told that he would be avenged to redress the brother Muslim, he was stunned. For him disparity between a king and a common man was too great. When it came to the notice of the Caliph Omer

he said, “Either seek pardon from the injured man or I shall have to impose the usual penalty of the law.” Thinking of his position, Jabala was not prepared to do either. He sought time to think over the situation which was granted. He escaped at night in cover of darkness and renounced Islam, Why? Because Islam did not make any distinction between man and man and because in its fold a king and a common man were equal.

In the days when the Holy Prophet of Islam proclaimed his mission the Arabs regarded themselves in the only cultured and civilized people. They took pride in and perhaps were more conscious of their superiority than any of the races who do the same today with evil and disastrous consequences the Holy Prophet discarded any such belief altogether once for all by declaring that “the Arabs have no superiority over the non-Arabs; neither the red over the black or the black over the red, but through piety”. The Quran says:

“Let not a people despise another, haply the latter may turn out better that the former.” (Alhujurat: 12) and again it says:

“We cause the periods” of adversity and prosperity to revolve between different peoples.” (Aleimran: 139)

God who has bestowed honour and prosperity on one today can bestow greater honour on the other tomorrow if the former misused their power in their hey-day, the latter would do the same in their hour. In the revolutions of the wheel of time this vicious circle would continue breeding nothing but hatred and enmity. Judged in this set up the benevolent influence of the Quranic verses mentioned above, not only

helps humanity to rise to its full natural stature but also add luster to its grandeur. When the field of progress is open to all God's creatures, why should a particular nation or class or section be despised.

Scan the pages of the Quran, nowhere will you fine God as a sectional, tribal or national deity; not God of Israel; not even God of Muslims; but as God Who is the Creator, Nourisher and Sustainer of all the universe. His Benevolence and Providence are not confined to the followers of any particular religion or creed. It is only by grasping the fundamental truth of the universal Fatherhood and Providence of God that we can hope to succeed in establishing, in practice, the universal Brotherhood of man.

The teachings of Islam have, in the past, suffered from a good deal of misrepresentation at the hands of non-Muslim critics and have also, on occasions, suffered through breaches and contraventions indulged in by those who profess themselves to be the followers of Islam. But the picture I have drawn above, is based upon the text of the holy Quran, as illustrated by the Holy Prophet of Islam and his companions trough their precepts and example. All through the last fourteen centuries even the bitterest opponents of Islam have borne testimony to the fact that Muslim society is bitterly intolerant of any discrimination sought to be made on the basis of race or colour. In it lies Islam's great potentiality as a uniting force in this world riven with strife, discord, disharmony and distraction. Professor H.A.R. Gibb writes in one of his books: "No other society has such a record of success in uniting in an equality of status, of opportunity, and of Endeavour, so many and so various races of mankind, the great Muslim communities of Africa,

India and Indonesia, perhaps also the small Muslim communities in China and the still smaller community in Japan, show that Islam has still the power to reconcile apparently irreconcilable elements of societies of the East and West."

The Founder of the Ahmadiyya Movement in Islam who claimed to be the Promised Messiah, described the object of his advent in the following words; "Do not wonder that a mighty God has in this time of need and in the days of this deep darkness sent down a heavenly light and, having chosen a servant of His for the good of mankind in general, has sent him to make upper-most the religion of Islam and to spread the light brought by the most excellent of His creatures and to strengthen the cause of Muslims and to purify their internal condition….. The truth will win and the freshness and light of Islam which characterized it in the earlier days will be restored and that sun will rise again as it rose first in the full resplendence of its light."

(Fat-h Islam)

There are visible signs of the fulfillment of this Divine Plan. I am convinced that out of present turmoil, unrest and commotion, particularly in the Muslim world but not uncommon with the rest of the world, Islam will come our regenerated and resurgent.

(The Review Of Religions Nov 1952)

3- EID-UL-ADHA SERMON

Today's celebration reminds us of a great event in the life of the Father of prophets-Abraham, thousands of years ago. Briefly it is that he accepted with unfaltering obedience, the demand for the costliest offering, recognizing God's right to make it. Considering the darker aspects of sacrifice belonging to the primitive period of Hebrew life when such superstitions prevailed that even buildings were safeguarded by human sacrifice, Abraham's submission to God's bidding does not suggest any astonishment. All the same, this marked the end of human sacrifices which were replaced by animals and gave a new shape not only to the subsequent religious development but to the entire human history, and in this context this great patriarch, who is a link between three great religions of the world-Judaism, Christianity and Islam, is the object of wide and universal respect and reverence in the eyes of millions of people of diverse nations and religious professions. It is befitting, therefore, to reflect this day on his life.

On his father's death, Abraham was commanded by God to go to Canaan and had the following revelation:

"And I will make of thee a great nation, and I will bless thee and make thy name great; and thou shalt be a blessing: and I will bless them that bless thee, and curse him that curseth thee, and in thee shall all families of the earth be blessed,"

(Genesis 12: 2-3)

Imagine an old man of 75 with insignificant worldly means leaving his hearth and home and to start life

anew in a distant and strange land. This courageous grand man, on whom be peace and blessings of God, accepted this command without any hesitation. In his wanderings in this new abode, God heard his supplication for an heir and promised him one. We read in the Bible that the Angel of the Lord said unto his wife, Hagar:

“I will multiply thy seed exceedingly, that it shall not be numbered for multitude. Behold, thou art with child, and shalt bear a son, and shall call his name Ishmael; because the Lord hath heard thy affliction. And he will be a wild man; his hand will be against every man, and every man’s hand against him; and he shall dwell in the presence of all his brethren.” (Genesis 16:10-12)

And, indeed, Abraham’s obedience, so complete, richly deserved such a reward. God had His own plans of making this boy “a great nation”; plans which neither fit in ay standards we know of nor can be conceived by human beings. Abraham was commanded to lead both mother and child to that solitary, dry and sultry strip of land between the two hills of Safa and Marwa, the site where today stands the Holy City of Mecca; and leave them there. So with scanty provisions he set out to fulfil God’s bidding. When he was leaving them, his wife asked why was he doing so. She could see the wildest of wildernesses stretching out in enormous dimensions without any trace of the presence of any living being and with no prospect of replenishing her waterskin. She asked this question many times over but Abraham, full of emotions and tender feelings, made no reply. In the end Hagar asked if he was doing so in obedience to divine behest, to which he replied in the affirmative by pointing to heaven. The mother felt that she and the lad were in God’s care and said, in

that case they would not perish even against such heavy odds. Abraham left them and standing on a hillock where he could not be seen by his wife, raised his hands and offered this prayer:

“Our Lord, I have settled some of my progeny in an uncultivated valley near thy Sacred House; Our Lord! that they may keep up prayer; there-fore make the hearts of some people yearn towards them and provide them with fruits; haply they may be grateful.”

(Ibrahim: 38)

Now mark how these prayers have ever since found fulfilment and how through the mercy and grace of God, the mother and son, struggling in that wilderness, found both sustenance and a habitable place which flourished rapidly. Her hoarded water spent, the lad lifts up his voice and starts crying. She puts down the child under a shrub to shield him from the scorching sun and leaves that she may find some water and runs from one hill to the other. Not finding any trace of water, she comes back but not able to see the agony of the child, runs again between the hills in despair. But man’s extremity is God’s opportunity. He hears the lad’s voice whom He had promised to make a great nation. She returns to the child in despair to find to her great astonishment a spring of clear water gushing forth where he was stamping his little feet. As years went by, the trading caravans, having come to know of a spring of water, made it a resting place. The Bedouin tribes, who were accustomed to wander about with their flocks of sheep, goats and camels in search of water, settled there. In the course of time, there grew up a community around those solitary dwellers of that wilderness and they thrived in it.

In loving care and tender affection, Ishmael, the centre of an exiled mother's hopes, grew up. Abraham used to visit his wife and son but yet another trial was to come. This is mentioned in the Quran in the following words:

"When he grew up and began to go about with his father, the latter said to him 'O my son, verily I have seen a vision that I should offer thee in sacrifice; consider then what thou art of opinion I should do.' He said, O' my father, do what thou art commanded, thou shalt find me, if God pleases, of the patient ones! So when they had submitted themselves to the Divine Will and Abraham threw his son prostrate on his face, We called out to him, 'O Abraham, thou hast verified the vision. Thus we reward the doers of good; most surely this was a manifest trial and We ransomed him with a great sacrifice; and We perpetuated his name with praise among the later generations; Peace be on Abraham. Thus We reward the doers of good. Surely he was one of Our faithful servants."

(Alsaffaat: 37:103-112)

The demand made upon Abraham was in no way an ordinary one. The son was born after long and uninterrupted supplications at an age when all hope of an issue had apparently ceased. Isaac was then neither born, nor was there a Divine promise that a son should be born to him from Sarah. Nothing could be dearer to the heart of an aged father than such a son. Not only that. The birth was in consonance with promises signifying his spiritual elevation and many salutary changes were decreed to be wrought by his seed. But peace be on Abraham who, disregarding every consideration, showed his readiness to sacrifice the very light of his eyes at the slightest Divine hint, as

a token of gratefulness. And peace be on that wonderful son Ishmael, who, at that tender age, showed his unswerving willingness and resignation fulfilling literally to his father's vision. Ishmael was spared. The purpose of the test had been fulfilled. This highly commendable deed of Ishmael has obtained an honourable mention in the Holy Quran which is a proof against the ravages of time and the wasting effects of rolling years and it will, till eternity, remain a standing monument over his immortal name.

It can be argued with great amount of reason that Abraham and Ishmael are so remote to us in distance of time that we have no proximity with them whatever, that should oblige us to commemorate an event in their life which was not very uncommon in those days. In this connection it should be borne in mind that we are happy not because we believe that Abraham might have done something not pleasing in the sight of God but he did not do it; nor are we happy that in his hour of trial, he did not waver from the highest standard of piety and righteousness. Abraham was a prophet of God and as such familiar with the straight and narrow paths of submission and resignation to the Will of God. If we take today's celebration in the above light, it is no credit to Abraham. It will be a sad expression of our own failure to grasp the magnitude of God's promise with Abraham and progeny of Ishmael.

We read in the Quran:

"And remember when the Lord tried Abraham with certain commands which he fulfilled, He said, I will make thee a leader of men." Abraham asked, 'And from my offspring? He said, My covenant does not embrace the transgressors." (Albaqara: 125)

Mark Abraham, over solicitous to make others also share God's blessings, begging of God the extension of reward promised to him for his progeny and God granted his wish and promised that leaders and reformers would be raised from his posterity barring the transgressors. Abraham further solicited:

" And when Abraham said, My Lord, make it a secure town and provide its people with fruits, such of them as believe in Allah and the last day, He said: And whoever disbelieves I will grant his enjoyment for a short while, then I will drive him to the chastisement of the fire; and it is an evil destination. And when Abraham and Ishmael raised the foundations of the House: Our Lord! accept from us; surely Thou art the Hearing. The knowing; Our Lord! and make us both submissive to Thee, and (raise) from our offspring a nation submitting to Thee, and show us our ways of devotion and turn to us (mercifully), surely Thou art the oft-returning (to mercy), the Merciful: Our Lord! and raise up in them an Apostle from among them who shall recite to them Thy communications and teach them the Book and the wisdom, and purify them; surely Thou art the Mighty, the wise," (Albaqara:127-130)

The town mentioned in the prayer is Mecca and the House, Ka'ba. The rich fulfilment of the physical aspects of Abraham's prayers followed suit. Sir William Muir admits the very remote antiquity of Ka'ba in the Introduction to his book, the Life of Muhammad. He says: "Tradition represents the Ka'ba as from time immemorial the scene of pilgrimage form all quarters of Arabia: from Yemen and Hadhramaut, from the shores of the Persian Gulf, the deserts of Syria, and the distant evirons of Hira and Mesopotamia, men yearly flocked to Mecca, So extensive a homage must

have had its beginning in an extremely remote age."

But the splendour and grandeur of the fulfilment of Abraham's prayers did not attain full luster until the appearance of the Holy Prophet of Islam, may peace and blessings of God be upon him. God had promised blessings to both Isaac and Ishmael. All these promises were fulfilled. The progeny of Isaac multiplied exceedingly. From among them arose the Prophets, Moses, David, Ezekiel, Daniel and Jesus. For two thousand years they ruled over Canaan. With the advent of the Holy Prophet of Islam, the sons of Ishmael, instead, became its political as well as spiritual leaders in accordance with David's prophecy:

"The righteous shall inherit the land and dwell therein for ever." (Psalms 37:29)

Before the Holy Prophet, this festival was celebrated in Arabia only and the progeny of Ishmael had not spread beyond the confines of Arabia. The blessings promised to Abraham were completed in the time of Muhammad. God revealed to the Holy Prophet:

"This day have I perfected for you your religion and completed My favor on you and chosen for you Islam as a religion. (Almaida:4)

Muhammad, may peace and blessings of God be upon him, proclaimed: "O people! surely I am the Apostle of Allah to you all". (Alaraaf:159)

The national and tribal barriers in the domain of religion and prophethood were broken. His message was not confined to any one clan, race of country, it was universal. He was Mercy for all white and coloured; Eastern and Western; civilised or otherwise; Arabs and non-Arabs. He invited them all to the

religion of Abraham. Through him Pilgrimage to Mecca was made a pillar of faith and the doors of Ka'ba were opened for the people beyond the borders of Arabia. And today, it is not only the Arabs that are gathered in Mecca for pilgrimage but Muslims of all nations and countries, to praise and glorify God and as a symbol of the sacrifice Performed by Abraham, they will sacrifice animals. Those who are not fortunate to be there, have assembled at their respective places in all parts of the world to join them in spiritual fellowship and will do the same. The true significance of this celebration then is this, that Abraham showed his readiness to end his line by sacrificing his only son, Ishmael, to seek Divine pleasure but God in turn gave him an everlasting life and lineage through Muhammad, descendant of Ishmael- (may peace and blessings of God be upon them.) We are happy that we have inherited this blessing through the Divine glory that "Shined forth from Mount Faran." It was Muhammad's voice to which men and women from the ends of the earth responded with great alacrity. They made such great sacrifices at the Prophet's call and exerted themselves for it so ungrudgingly that the worst enemies of Islam feel constrained to pay a tribute to their spirit of devotion and sacrifice. Today we proclaim that we are children of Abraham and that the promise which God made with him, thousands of years ago, was fulfilled through Muhammad, on whom be peace and blessings of God.

But this proclamation entails very heavy responsibility. On his last pilgrimage to Mecca, the Prophet stood before a large gathering of Muslims and delivered an address. In the course of this address he said:

Do you know what month this is? What territory we are

in? What day of the year it is today?

The Muslims said in reply, they knew it was the sacred month, the sacred land and the day of Hajj.

Then the Prophet said:

Even as this day is sacred, this land inviolate, and this day holy, so has God made the lives, property and honour of every man sacred. To take any man's life or his property, or attack his honour, is as unjust and wrong as to violate the sacredness of this day, this month and this territory, What I command you today is not meant only for today. It is meant for all time. You are expected to remember it and to act upon it until you leave this world and go to the next to meet your Maker.

In conclusion, he said:

What I have said to you, you should communicate to the ends of the earth.

This address is an epitome of the entire teachings and spirit of Islam.

Now let us switch the searchlight inwards a duty unpleasant yet essential. Why is it that earlier followers of the Prophet became the foremost people in the world in such a short space of time as has no parallel in history but we are sliding back instead of pressing forward to get anywhere near that glory? Bitter though this truth is, we must admit that we have failed our own selves by showing almost complete indifference to subjecting our individual and national lives to the operation of the high ideals we profess. Islam has laid down that there shall be no compulsion in matters of religion, because belief and conscience were matters of inner conviction. Yet Muslims practice

compulsion and are not willing to reason even with a brother Muslim who holds different view from their own. They shut their mosques to him whereas the Holy Prophet opened the doors of his Mosque even to non-Muslims. With tears in their eyes they read the farewell address of the Prophet and his deep concern for the sanctity of human life, but their hearts are so callous that quite unmoved. They find satisfaction in brazen-faced lip-service. The tragedy of tragedies is that they commit heinous crimes in the name of Islam and yet are not ashamed of it. The Holy Prophet foretold these days when he said Islam will be left but only in name and the Quran will be on the shelves but only as a showpiece. They see the ship out of gear in troubled waters and feel the need of a pilot to steer it clear, safely, to harbour, yet are not willing to accept the pilot. That pilot was the Promised Messiah who has brought the ship back to safety and his humble servants are engaged in a humble way in increasing the spiritual progeny of Abraham through Ishmael. Blessed are they who discern the signs and take heed of the times and say:

“VERILY MY PRAYER, MY SACRIFICE MY LIFE, AND MY DEATH ARE FOR ALLAH, THE LORD OF ALL THE WORLDS.”

(The Review of Religion October 1953)

4- PILGRIMAGE AND ID-UL-ADH_HA

The object of man's creation as mentioned in the Holy Quran is the exaltation and glorification of God and manifestation, on human scale, of His attributes, and various forms of worship prescribed are means of achieving that end. In Islam we call them pillars of faith and Pilgrimage to Mecca at least once in a lifetime subject to certain conditions, is one of them. For this purpose Muslims from practically every country and nationality in the world are today assembled in Mecca. Those, not so fortunate as to be there, are gathered together at their respective places in all parts of the world, as we are here, to join them in spiritual fellowship. To grasp the significance of this act let us go back to the time of prophet Abraham who is a link between three great religions of the world; Islam, Christianity and Judaism; and who is as such the object of wide and universal respect and reverence in the eyes of millions of people both in the East and West.

His life was a succession of trials and sacrifices which he accepted with unfaltering obedience and resignation to the Will of God. On his father's death, he was commanded to go to Cannan and had the following revelation:

"And I will make of thee a great nation, and I will bless thee and make thy name great; and thou shalt be a blessing: And I will bless them that bless thee, and curse him that curseth thee, and in thee shall all families of the earth be blessed." (Genesis, 12: 2-8)

Imagine an old man of 75 with insignificant wordly means leaving his home and hearth to start life anew in a distant and strange land. This courageous grand

man, on whom be peace and blessings of God, accepted this command without any hesitation. In his wanderings, in this new abode, God heard his supplication for an heir and promised him one. We read in the Bible that the Angel of the Lord said unto his wife Hagar:

“I will multiply the seed exceedingly, that it shall not be numbered for multitude. Behold, thou art with child, and shalt bear a son, and shall call his name Ishmael; because the lord hath heard thy affliction. And he will be a wild man; his hand will be against every man, and every man’s hand against him; and he shall dwell in the presence of all his brethren.” (Genesis, 16: 10-12)

God gave him a son but His plan of making this boy “a great nation” was such as would not fit in with any human standards. Abraham was commanded to lead his wife and new born son in wilderness, away from human habitation. He did so and left them at a place where now stands Mecca. Their only provisions were a few dates and a waterskin. When he was leaving them, his wife looked around her the wilderness and their scanty provisions and asked him why he was leaving them there. You can imagine the emotions and feelings of an aged father and husband. She knew who her husband was and asked if it was a divine behest to which he replied in the affirmative by raising his finger to heaven. Despair gave way to hope and assurance that they would not perish. Abraham left them and standing on a hillock where he could not be seen by his wife raised his hands in prayer and beseeched God:

“Our Lord, I have settled some of my progeny in an uncultivated valley near Thy Sacred House; Our Lord! that they may keep up prayer; therefore make the

hearts of some people yearn towards them and provide them with fruits; haply they may be grateful."

(Ibrahim: 38)

Now mark how these prayers have since found fulfilment and how through the mercy and grace of God, the mother and son, struggling in that wilderness, found both sustenance and a habitable place which flourished rapidly. When the water was spent, the child started crying with thirst. She put him down under a shrub to shield him from scorching sun and left in search of water. Not finding any she went up a hill see any trace of habitation but in vain. She came back to the son but not able to stand the agony of her crying child she ran to the other hill. In her despair she ran many times between these hills known as Safa and Marwa. Man's extremity is God's opportunity; He heard the lad's cry- the lad He had promised to make "a great nation". Sad and disheartened the mother returned to the child only to find to her great astonishment a spring of clear water gushing forth where he was stamping his feet. As the years passed, the trading caravans made it a resting place, the wandering Bedouin tribes settled there. In the course of time there grew a community around those two solitary dwellers of that wilderness and they thrived in it.

Then came yet another trial. It is mentioned in the Holy Quran:

"When he grew up and began to go about with his father, the latter said to him, O' my son, verily I have seen a vision that I should offer thee in sacrifice; consider then what thou art of opinion I should do.' He said, 'O my father, do what thou art commanded, thou shalt find me, if God pleases, of the patient ones! 'So

when they had submitted themselves to the Divine Will and Abraham threw his son prostrate on his face, we called out to him, ‘O Abraham, thou hast verified the vision. Thus We reward the doers of good; most surely this was a manifest trial and We ransomed him with a great sacrifice; and We perpetuated his name with praise among the later generations; Peace be on Abraham. Thus We reward the doers of good. Surely he was one of Our faithful servants.” (Alsaffaat: 103-112)

The demand made upon Abraham was in no way an ordinary one. The son was born after long and uninterrupted supplications at an age when all hopes of an issue had apparently ceased. Issac was then neither born, nor was there a Divine promise that Sarah would bear him one. Nothing could be dearer to the heart of an aged father than such a son who was also the centre of an exiled mother’s hopes and whose birth was in accordance with promises signifying his spiritual elevation and many salutary changes were decreed to be wrought by his seed. But peace be on Abraham who, disregarding every consideration, showed his readiness to sacrifice the very light of his eyes at the slightest Divine hint, as a token of gratefulness. And peace be on that wonderful son Ishmael, who, at that tender age, showed his unswerving willingness and resignation literally to fulfil his father’s vision.

It can be argued with certain amount of reason in it, that Abraham and Ishmael are so remote to us in distance of time that we have no proximity with them whatever which should oblige us to commemorate an event in their life which was not very uncommon in those days. In this connection it should be borne in mind that we are happy not because we believe that

Abraham might have done something not pleasing in the Sight of God but he did not do it; nor are we happy that in his hour of trial, he did not waver from the highest standard of piety and righteousness. Abraham was a prophet of God and as such familiar with the straight and narrow paths of submission to the Will of God. If we take today's celebration in the above light, it is no credit to Abraham. It will be a sad expression of our own failure to grasp the magnitude of God's promise with Abraham and progeny of Ishmael. We read in the Quran:

"And remember when The Lord tried Abraham with certain commands which he fulfilled.' He said, 'I will make thee a leader of man' Abraham asked, 'And from my offspring; He said, My covenant does not embrace the transgressors'." (Albaqara:125)

Abraham, ever solicitous to make other also share God's blessings, begged the extension of reward to him for his progeny. God granted his wish and promised that leaders and reformers would be raised from his posterity barring the transgressors. Abraham further solicited:

"And when Abraham said, My Lord, make it a secure town and provide its people with fruits, such of them as believe in Allah and the Last Day, He said: And whoever disbelieves I will grant him enjoyment for a short while, then I will drive him to the chastisement of the fire; and it is an evil destination. And when Abraham and Ishmael raised the foundations of the House: Our Lord! accept from us ; surely Thou art the Hearing, the Knowing: Our Lord! and make us both submissive to Thee, and (raise) from our offspring a nation submitting to Thee, and show us our ways of devotion and turn to us (mercifully), surely Thou art the

Oft-returning (to mercy), the Merciful: Our Lord! And raise up in them an Apostle from among them who shall recite to them Thy communications and teach them the book and the wisdom, and purify them; surely Thou art the Mighty, the Wise," (2: 127-130)

The town mentioned in the prayer is Mecca and the House, Ka'ba. The fulfilment of the physical aspects of Abraham's prayers followed suit. Sir William Muir admits the very remote antiquity of Ka'ba in the Introduction to his book, The Life of Muhammad. He says: "Tradition represents the Ka'ba as from time immemorial the scene of pilgrimage from all quarters of Arabia: from Yemen and Hadhramaut, from the shores of the Persian Gulf, the deserts of Syria, and the distant environs of Hira and Mesopotamia, men yearly flocked to Mecca. So extensive a homage must have had its beginning in an extremely remote age." But the splendour and grandeur of the fulfilment of Abraham's prayers did not attain full luster until the appearance of the Holy Prophet of Islam, may peace and blessings of God be upon him. God had promised blessings to both Isaac and Ishmael. All these promises were fulfilled. The progeny of Isaac multiplied exceedingly. From them arose the prophets, Moses, David, Ezekiel, Daniel and Jesus. For two thousand years they ruled over Canaan. With the advent of the Holy Prophet of Islam, the sons of Ishmael, instead, become its political as well its spiritual leaders in accordance with David's prophecy:

"The righteous shall inherit the land and dwell therein for ever."(Psalms 37:29)

Before the Holy Prophet, this festival was celebrated in Arabia only as the progeny of Ishmael had not spread beyond her confines. The blessings promised to

Abraham were completed in the time of the Holy Prophet Mohammad. God revealed to him:

“This day have I perfected for you your religion and completed My favour on you and chosen for you Islam as a religion.” (Almaida:4)

“Muhammad, May peace and blessings of God be upon him, proclaimed:

“O people! surely I am Apostle of Allah to you all.” (Alaraaf: 159)

The national and tribal barriers in the domain of religion and prophet hood were broken, his message was not confined to any one clan, race or country, it was universal, he was Mercy for all –white and colored ; Eastern and Western ; civilised or otherwise; Arabs and non-Arabs. He invited them all to the religion of Abraham. Through him Pilgrimage to Mecca was made a pillar of faith and the doors of the Ka’ba were opened for the people beyond the borders of Arabia. And today, it is not only the Arabs that are gathered in Mecca for the pilgrimage but Muslims of all nations and countries, to praise and glorify God and as a symbol of the sacrifice proffered by Abraham, they will sacrifice animals. The true significance of this celebration then is this, that Abraham showed his readiness to end his line by sacrificing his only son, Ishmael, to seek Divine pleasure but God in turn gave him an everlasting life and lineage through Muhammad, a descendent of Ishmael, may peace and blessings of God be upon them. We are happy that we have inherited this blessing through the Divine glory that “shined forth from Mount Paran.” It was Muhammad’s voice to which men and women from the ends of the earth responded with great alacrity. They made such great sacrifices at his call and exerted

themselves for it so ungrudgingly that the worst enemies of Islam feel constrained to pay a tribute to their spirit of devotion and sacrifice. Today we proclaim that we are the children of Abraham and that the promise which God made with him and Ishmael thousands of years ago, was fulfilled through Muhammad, on whom be peace and the blessings of God.

It is also occasion for reflection and taking stock of our affairs in retrospect. It is all the more necessary because of great misunderstanding that obtains in the West about Islam. It is an irony that in the West Islam is associated with all those evils which its primary object was and is to eradicate. For instance, not very long ago the Church Missionary Society published a hand-out entitled “A woman is like a pair of shoes” and on the front page were sketched pairs of shoes. It ran: “In Islam we are told a woman is like a pair of shoes; if they are not comfortable slip them of and get another pair” and went on to compare an Islamic and Christian marriage. It asserted that Muslim women “have no hope of heaven when this life is ended; heaven, they are told, is only for men.” However deliberately unfair and uncharitable the C.M.S has been in these unwanton aspersions, I refrain from increasing this bitterness by quoting from their own Saints on this subject because it will not prove that the status of Muslim woman is not that which the C.M.S. has made out to be. Moreover it would not end the tale of woe. The simple truth is that various religions have suffered more at the hands of those who profess to follow them by insistently acting in defiance of their express teachings. Islam is no exception. Before crossing swords with the C.M.S let us set our own house in order.

Those of you who either have TV at home or can count on hospitality of friends for a teleview will remember recent series entitled. “Man seeking God”. The first programme in this series was on Islam, The object of this series was perhaps to give the people in this country an insight into faiths other than their own. In answer to two questions from Mr.Christopher Mayhew, Member of Parliament, who organised the programme, Mr. Hasan Karmi-a Muslim said that the Muslims were fatalists and that the status of woman in Islamic society was inferior to that of man. These answers are entirely misleading and un-Islamic. It is not very often Islam receives any publicity through the medium of the B.B.C and here was an opportunity on the TV which is said to be most influential means of communication yet devised but most of us felt, it did more harm than good. Yet Mr. Mayhew cannot be blamed, the agency of this harm was a Muslim, the doctrine of fatalism if it means “what is to be” and good or evil life is so prescribed for a man and that no amount of effort can alter the course of events for him, is contrary to the spirit of Islam. A man who is denied the freedom of Will cannot be held responsible for his conduct. And yet the Muslims believe in the Day of Judgment. It also cannot be reconciled with the Quranic verse:

“Man shall have nothing but which he strives for”

(Alnajam: 39)

The Arabic word which has wrongly been rendered into English as fatalism is “Taqdir” which means that the entire creation is not without purpose. In order that this purpose may find fulfilment, God has laid down lays for each thing to obey and through obedience to these laws man has to work out his own destiny.

As for the status of women, there are two aspects of it social and spiritual. In the spiritual domain the avenues of progress are equally open to both men and women. There is no disparity, not the slightest superiority of one over the other except through good deeds. The Holy Quran says:

“surely the men submit and the women who submit, and the believing men and the believing women, and the obeying men and the obeying women and the truthful men and the truthful women, and the patient men and the patient women, and the humble men and the humble women, and the almsgiving men and the almsgiving women, and the fasting men and the fasting women, and the men who guard their private parts and the women who guard, and the men who remember Allah and the women who remember Allah has prepared for them forgiveness and a mighty reward.”(Alahzab: 36)

I do not want to add anything to this. Suffice it to say that whatever in the Quran you find mention of reward for good deeds or punishment for evil ones,men and women are mentioned togather. No stretch of imagination can deduce any inforior status for either of them from this.

In social spheres, Islam gave women more that 1300 years ago rights the like of which Christendom has yet to see. Even the British Parliament has not yet conceded through legislation those rights which Islam freely recognised and granted without any internal or external pressure so long ago. Take for instance, inheritance. she is an independent co-sharer and true partner of man. If a man’s claim as father, son, brother and hasband is considered in distribution of property, her claim as mother, daughter, sister and wife is not

ignored. She is entitled to own and keep and dispose of property in her own right without any encroachment from the other sex. Although quite independent in this respect yet her husband is responsible for her maintenance and support. In case of divorce her husband can not take anything back which had been freely given to her.

To attribute to Islam conditions that prevailed before its advent would be very unjust. It was man's world. In his book The Arabs, Mr. Bertram Thomas writes: "It would be unfair to suppose that this was a peculiarly Arab contribution. The sex-inferiority of women was doubtless a part of the established order of the universe, and man's dominance over woman a phase of sociological evolution common the world over."

(p. 138.)

This was the order that the Holy Prophet of Islam found established, but it was not so when he left. Bertram Thomas qoutes Pierre Grabites, an American Judge: "Muhammad's outstanding contribution to the cause of woman resides in the property rights that he conferred upon the wives of his people. The juridical status of a wife, if so technical a term may be pardoned, is exactly the same as that of a husband. The law permits her to do with her financial assests whatever she pleases without consulting her consort……She is not a moon that shines through reflected light. She is a solar planet, with a name and a legal personality of her own." The Holy Prophet not only conferred rights on women, he taught men to treat wives considerately and humanely. As to man and woman's mutual relationship, God says:

"They (the wives) are a garment for you and you are a

garment for them.” (Albaqara: 187)

It cannot be explained more beautifully. God has not left at that but has further strengthened this tie by enjoining:

“And treat them kindly; then if you hate them, it may be that you dislike a thing but Allah has placed abundant good in it.” (Alnisa: 20)

Now divorce. Islamic basis of marriage is practical and contractual, quite unlike Christian Sacramental concept of it. Human ingenuity has yet to devise a contract that cannot be scrapped if either of the contracting parties so desire. But it does not mean that divorce in Islam is treated as a happy pastime. On the contrary it is allowed under an extreme and absolute necessity. When husband and wife cease to fulfil the purpose of garments, when mutual comfort, joy and happiness gives way to hatred, enmity and ill-will it is best in the interest of both to part. Every effort is made to save the shipwreck. The Holy Prophet of Islam is reported to have said that of all permissible things the most distasteful to God is divorce. This may be hard for those brought up in Western tradition to understand but it is easy to decide between this and compelling the continuance of an unhappy marriage with its evil trail of arranged sin of adultery to bring this to an end. Obviously a fresh start is the best. After centuries of condemnation, abuse and vilification of Islam for permitting divorce, the West is becoming slowly convinced of the desirability of some form of divorce in order to preserve the fabric of Society from crumbling to pieces.

Polygamy is only permitted not enjoined. In this context if it is considered as a human problem, this

provision is beneficent. Religion can serve its purpose only if it provides remedy for every kind of spiritual and moral ailment. A happy home radiating love and affection is the mainstay of a healthy society. Preservation of the human race, the problem of the maintenance of widows and orphans in war and peace are stupendous tasks which call for objective study and consideration. It is but natural in any society that women exceed men. This excess, if not provided with a home, would lead to moral depravity which is the greatest danger to a civilization. By opening the doors of professions, the problem of bread can, no doubt, be solved but what about home-life without which the healthy growth of human society is hampered and vice creeps into its vitals. Polygamy is an answer to lifelong spinsterhood of women. After all, claims of nature cannot be defied for long with impunity. Restrictions imposed on those desiring to take advantage of this concession will convince an unbiased seeker after truth that this institution is by no means a device for indulgence.

D.S. Margoliouth writes in his book, Mohammad about the prophet: “His humanity extended itself to the lower creation. He forbade the employment of living birds as targets for marksmen and remonstrated with those who ill-treated their camels. When some of his followers had set fire to an ant-hill he compelled them to extinguish it.” If so considerate and human was his treatment of lower creation it is well beyond human comprehension that he should have set an inferior status for one half of the human race. Bertram Thomas has this to say: “His Muhammad humanity was all embracing. He never ceased to champion the cause of women against the ill treatment of his

contemporaries. He condemned the practice of inheriting the widow with the rest of an estate as though she were a chattel. She must not be a despised creature to be ashamed of and to be ill-treated any more, but a person to love and cherish and respect: at her feet lay the gates of paradise."

(The Arabs, p.68)

This is the women presented by Islam. Call her inferior if you like, we have ourselves to blame for that. We abused the trust, and decay and disintegration set in our moral standards and we have become an object of ridicule. Even those who are themselves sitting in a glass-house throw stones on us. Rise and fall of nations is a law of nature. Muslims were not always so. "What struck me even in the decay and poverty," wrote an Englishman about the Arabs, "was the joyousness of that life compared with anything I had seen in Europe. These people seemed quite independent of our cares of life, our anxious cluching after wealth, our fear of death. And then their charity: no man in the cities of the Muslim Empire ever died of hunger or exposure at his neighbour's gate!"

Let us not bask in the sunshine of past glory for without a living reality it breeds gloom and frustration. Live Islam in the present so that it can stand on its feet safe and secure. It is very difficult unless we readjust our approach to religion and follow its teachings both in letter and spirit on one hand and adjust our relationships with fellow human beings along most beneficent lines on the other. Charity begins at home. Let us through our example give a lie to this wild and unimaginative allegation hurled at us that the status of woman in Islam is inferior to that of man. Regeneration revival of Islam is destined to take place. Blessed are

they who cast off shackles and reservations, mental or otherwise, and prepare themselves to inherit the kingdom of God.

Those of you who are following the Picture Post Forum on Peace may have read suggestion that “the road to peace is by the recognition that human beings, of whatever race or colour, or political allegiance, are actually members of one family….Peace is only attainable when man puts away his aggressive individualism, whether of caste, or clan, or state, and assumes the unselfish discipline of membership in a world community.”

This exactly is the purpose of Pilgrimage but unfortunately Muslims have neglected that aspect of it. Here people from all walks of life and from all parts of the world meet you with absolute equality, cleansed from the dross of material pursuits. If only they could, in all solemnity, form it into a consultative group of universal family of Islam, a sort of Parliament, where they could discuss their problems and translate the spirit of fraternity into action, this can well be the forerunner of a world government which so many regard as the most hopeful road to peace.

Islam means subordination one’s will to that of God’s. Abraham and other prophets, on whom be peace and the blessings of God, did so and in so doing lost nothing; rather were successful in every aspect of life. Woe to them who bear witness to it and yet are reluctant to follow this well-tried and sure path which alone can create heaven on earth.

GUIDE US, O LORD, UNTO THE RIGHT PATH. Ameen.

(The Review of religion November 1954)